ولولہ انگیز خوشبوئیں
تصنیف
شیخ سید محمد صالح فرفور رحمہ اللہ تعالیٰ
ترجمہ
علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری
مکتبہ قادریہ ۰ لاہور

اردو ترجمہ: من نسمات الخلود

طلباء اور طالبات کی دلچسپی کے روح پرور اور ایمان افروز واقعات
جو رگوں میں منجمد خون کو گرما دیں، مردہ دلوں کو حیاتِ نو بخش دیں،
اور خوابِ غفلت کے دبیز پردوں کو چاک کر دیں

تالیف: شیخ سید محمد صالح فرفور (دمشق)
ترجمہ: علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

مکتبہ قادریہ، لاہور

سلسلة الخلود (۲)

نام کتاب ——— من نسمات الخلود (عربی)

اردو ترجمہ: ——— ولولہ انگیز خوشبوئیں

تصنیف: ——— شیخ سید محمد صالح فرفور (دمشق، شام)

ترجمہ ——— علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

صفحات ——— 240

اشاعت ——— ذی الحجہ 1424ھ/2004ء

باہتمام ——— حافظ نثار احمد قادری

کمپوزنگ ——— الحجاز کمپوزرز، اسلام پورہ لاہور 7225944

ناشر ——— مکتبہ قادریہ، لاہور

قیمت ——— =/100 روپے

ملنے کے پتے

- **مکتبہ رضویہ**، داتا دربار مارکیٹ، لاہور
- **مکتبہ قادریہ**، جامعہ اسلامیہ، ایچی سن ہاؤسنگ سوسائٹی، ٹھوکر نیاز بیگ لاہور

فہرست

رُباعی

حضرت ابو سعید مخزمی

مرشد سیدنا غوث اعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

الٰہی دور گردانی بلا را

ز ہر آفت نگہداری تو مارا

بحق آں دو گیسوئے محمد

زبوں گرداں زبردستانِ مارا

ان حضرات کی فہرست جن کا مختصر تذکرہ حواشی میں کیا گیا ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اھداء:

فقیر اپنی اس ناچیز کوشش کو
شیخ المشائخ زبدۃ السلف ذوالمجد والکرم
حضرت خواجہ محمد صادق نقشبندی مجددی مدظلہ العالی
آستانہ عالیہ گلہار شریف، کوٹلی، آزاد کشمیر
کی خدمت میں بطور ھدیۂ عقیدت پیش کرتا ہے

خدائے جہاں را ہزاراں سپاس
کہ گوہر سپردم بہ گوہر شناس

شرف قادری

دعائے خیراورشکریہ

حدیث شریف میں ہے: مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ ''جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ (لامحدود احسانات) کا شکریہ بھی ادا نہیں کرتا۔

یہ فقیر بے نوا اپنے محسنوں، کرم فرماؤں اور معاونین کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا، اس لئے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو دارین کی نعمتوں، برکتوں اور سعادتوں سے مالا مال فرمائے۔ اور جو دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں ان کی قبروں پر رحمت و رضوان کی بارش برسائے۔

خصوصاً: اپنی اہلیہ محترمہ، دونوں بیٹیوں، تینوں بیٹوں اور بڑی بہو (حفظہم اللہ تعالیٰ) کے لئے رمضان شریف کے آخری عشرے کے آخری جمعہ کی آخری ساعتوں میں دعا کرتا ہوں کہ مولائے کریم ان سے راضی ہو جائے اور اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشنودی سے نوازے۔ راقم نے دین متین کی جو تھوڑی بہت تدریسی، تصنیفی اور تبلیغی انداز میں خدمت کی ہے اس میں ان افراد کا بڑا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

ع جو کسی بھی کام نہ آ سکا میں وہ ایک مشتِ غبار ہوں

شرف قادری

کلمات تقدیم

پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر (ستارۂ امتیاز)
سابق ڈین فیکلٹی آف اسلام لرننگ، پنجاب یونیورسٹی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ کتاب مستطاب جو نذر قارئین ہو رہی ہے، شام کے ایک معتبر اور معروف عالم شیخ محمد صالح فرفور صاحب کی تصنیف ''من نسمات الخلود'' کا اردو ترجمہ ہے، جسے محب گرامی حضرت مولانا شرف قادری نے اردو کے قالب میں بڑی خوبصورتی اور شستگی کے ساتھ ڈھالا ہے۔

شیخ محمد صالح فرفور دمشق کے ایک علمی و روحانی خانوادے کے چشم و چراغ ہیں جو ''فرفور'' کہلاتے ہیں، تصوف و طریقت کے ساتھ ساتھ علم و ادب سے بھی اس خانوادے کا بہت گہرا، تاریخی اور مسلسل تعلق ہے، ہر دور میں اس خانوادے کے اہل علم و معرفت نے نہ صرف اہل شام و عالمِ عرب بلکہ پوری اسلامی دنیا کی علمی و روحانی خدمات انجام دی ہیں، تعلیم و تدریس کے میدان میں بھی ''فرافرہ'' کی خدمات بہت وسیع اور بار آور رہی ہیں، شیخ محمد صالح فرفور ان بہت سے فرافرہ میں سے ہیں جن سے راقم کو شرفِ ملاقات حاصل ہے، کئی ایک یونیورسٹی اساتذہ اور ادباء کے محترم نام ایسے ملیں گے جو اسی جلیل القدر خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ شام کے عوام و خواص کے علاوہ پوری عرب دنیا کے اصحاب علم و فضل اس خاندان کی علمی، ادبی، تدریسی اور تصنیفی خدمات کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس خاندان کے جن حضرات سے میں ملا ہوں، وہ سب کے سب علم و عمل کی جامع تصویر اور سیرت و اخلاق کی بلندی پر نظر آئے۔

یہ کتاب واقعی عمدہ و مستطاب ہے، فاضل مصنف نے مسلم نژادِ نو کی رہنمائی اور

سبق آموزی کا بہت قیمتی سامان کیا ہے، اپنے اسلاف کے کارناموں سے آگاہی قوموں کی بنیادی ضرورت ہے، مگر ان کے کارناموں کو یاد رکھنا اور عملی زندگی میں ان سے استفادہ کرنا احسان شناسی بھی ہے اور انسانیت دوستی بھی، تاریخ اور اسلاف کے کارنامے قوموں کی اصل اور جڑ کی حیثیت رکھتے ہیں، مگر اپنی تاریخ کو دُہرانا اور اپنے عمل سے اسلاف کے کارناموں کو زندہ کرنا قوموں کی زندگی ہے اور روشن مستقبل کی ضمانت بھی ہے۔

شیخ محمد صالح فرفور نے اسلامی تاریخ کی زندۂ جاوید ہستیوں کی زندگی، کارناموں اور اخلاق کو اس کتاب ''نسمات الخلود'' میں ایسے عمدہ اسلوب کے ساتھ پیش کیا ہے کہ بچے، نوجوان اور باقی سب لوگ بھی اسے پڑھتے ہوئے خوشی و مسرت محسوس کرتے ہیں، حوصلے بلند ہوتے ہیں اور جذبۂ دل بیدار ہوتا ہے، مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری نے کتاب کو نہایت اعلیٰ اسلوب میں بڑی محنت اور توجہ کے ساتھ پیش کیا ہے۔ عام فہم مگر عالمانہ اور شستہ اردو میں اس طرح پیش کیا ہے کہ عربی متن کے قاری کی طرح اردو ترجمہ کا قاری بھی خوشی اور دلچسپی سے بہرہ ور ہوتا ہے اور عملی زندگی کے لئے اسلاف کے ان اعلیٰ نمونوں سے لطف اندوز بھی ہوتا ہے اور راہِ عمل کے لیے عمدہ سامان بھی نصیب ہوتا ہے۔

قادری صاحب کے اس ترجمہ پر اصل کا گمان ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے شیخ فرفور بہت خوش نصیب ہیں کہ انہیں مولانا شرف قادری صاحب جیسا فاضل مترجم میسر آیا۔ جس نے ان کی متعدد تصانیف[1] کو عربی سے اردو میں منتقل کر کے قارئین کے دائرے میں بڑی وسعت پیدا کر دی ہے، کیونکہ عربی زبان کی طرح اردو زبان کے قارئین کا دائرہ بھی وسیع بلکہ لامحدود ہے اور دنیا کے کونے کونے میں یہ تصنیف پہنچ گئی ہے۔ اس سے دنیا کے ہر اچھے ملک کے ہر بڑے شہر میں عربی پڑھنے اور سمجھنے والے مل جاتے ہیں، اسی طرح اردو بھی اب ایک عالمی

---

[1]۔ (۱) من نفحات الخلود (۲) من رشحات الخلود اور (۳) من نسمات الخلود

زبان بن چکی ہے اور اس کے پڑھنے اور سمجھنے والے بھی تقریباً ہر جگہ مل جاتے ہیں۔

مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری ہمارے ان علماء میں سے ہیں جو اردو اور عربی میں یکساں طور پر قلم برداشتہ لکھنے پر قادر ہیں، متعدد تصانیف دونوں زبانوں میں قارئین سے کلمۂ استحسان اور خراجِ تحسین وصول کر چکی ہیں۔ قادری صاحب ایک جلیل القدر عالم دین بھی ہیں مگر وسیع القلب انسان بھی ہیں۔ علم کے ساتھ حلم اور شفقت کے ساتھ تواضع اگر کسی ایک شخصیت میں مجسم دیکھا ہو تو شرف قادری کو دیکھئے، مجھے ان کی شخصیت سے تو بیشمار فوائد پہنچے ہیں، مگر ان کے علم سے بھی محروم نہیں رہا، میری یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت و عافیت عطا فرمائے اور ان کے علم و فضل کے فیض کو عام فرمائے۔

این دعا از من و از جملہ عالم آمین باد!

ظہور احمد اظہرؔ 3.2.2003

لاہور

معروف دانشور، صاحب طرز ادیب صاحبزادہ سید خورشید احمد گیلانی

حرفے چند

آج کا انسان اپنی تیز رفتار ترقی پر انتہائی خوش اور نازاں ہے —— کمپیوٹر اور سیٹلائٹ کے اس دور نے فی الواقع انسان کو بہت کچھ دیا ہے —— کل کے خواب آج واقعات بن چکے ہیں اور ماضی کی کہانیاں حال کی حقیقت میں ڈھل چکی ہیں —— برسوں قبل اُڑن کھٹولے کی باتیں محض بچوں کے بہلانے کے لئے ہوتی تھیں —— آج آواز سے تیز رفتار طیارے ہواؤں کا سینہ چیر رہے ہیں —— کل تک سمندر کی موجیں انسان کے لئے اژدہا بنی ہوئی تھیں —— آج وہی سمندر اور اس کی طوفانی لہریں انسان کی مُٹھی میں بند نظر آتی ہیں —— اور ایک فرمانبردار غلام کی طرح انسان کو اپنے دوش پر بٹھائے ہلکورے دے رہی ہیں۔

روشنیوں کا سیلاب، نو بہ نو ایجادات، جدید ترین ذرائع مواصلات، ان سب نے مل کر دنیا کے جنگل میں منگل کر دیا ہے —— پوری دنیا سمٹ کر ''گلوبل ویلج'' کا رُوپ دھار چکی ہے —— طلوعِ صبح کے ساتھ انسان سفر پر روانہ ہو کر غروبِ آفتاب سے پہلے دنیا کے کسی بھی دُور دراز علاقے میں پہنچ سکتا ہے —— اور اگلی صبح کا ناشتہ دوبارہ اپنے گھر کی ٹیبل پر کر سکتا ہے —— یہ ہوشربا ترقی فی الواقع حیران کن ہے —— لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی المیہ ہے کہ زمینی فاصلے روز بروز سمٹ رہے ہیں —— مگر روحانی اور ذہنی فاصلے دن بدن بڑھ رہے ہیں —— باہر کی دنیا کہکشاں بنی ہوئی ہے مگر انسان کا باطن گھپ اندھیر قبرستان بن چکا ہے —— کارکنانِ قضا و قدر انسان کے خادم بن چکے ہیں —— لیکن انسان حالات کے جبر کے سامنے نادم دکھائی دیتا ہے —— انسان نے سمندر کی موجوں کو تو مسخر کر لیا —— لیکن نفس کی لہریں وہ اب تک قابو میں نہیں لا سکا

—— آندھیاں اورطوفان اس نے کنٹرول کر لئے ہیں مگر اندر کا انسان اُس کے ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہے۔

تہذیب حاضر نے علم کے انبار لگا دیئے ہیں —— مگر انسان کو اپنی پہچان سے محروم کر دیا ہ—— ذخیرۂ معلومات کی کوئی حد نہیں، مگر ذریعۂ معلومات بہت حد تک مشتبہ اور ناقص ہے —— چنین وچناں کی پوری کتاب مرتب ہو گئی ہے، مگر یقین وایمان کا ورق ابھی تک سادہ ہے —— اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ تن فربہ اور من لاغر ہوتا جا رہا ہے —— خدا نہ کرے کہ آج کا انسان اپنے ہی ملبے میں دب کر دم توڑ دے —— جس کے آثار وشواہد بہر حال موجود ہیں۔

آخر کیا وجہ ہے کہ دنیا کا کوئی کونہ ایسا نہیں جہاں جنگ وجدال برپا نہ ہو —— انسان کے ہاتھوں انسان پامال نہ ہو —— روز بروز یقین کی رکاب پاؤں سے کھسکتی اور ایمان کی باگ ہاتھوں سے نکلتی جا رہی ہے —— کسی زمانے میں انسان راکب اور دُنیا مرکب تھی —— آج انسان کی پیٹھ ہوسِ دنیا کے لئے کاٹھی کا کام دے رہی ہے —— حرص وہوا کا بوجھ ہے کہ بڑھتا جا رہا ہے —— آج کا انسان باطنی طور پر اتنا کوتاہ نظر کیوں ہو گیا ہے؟ کہ اُسے سانپ کی رنگدار اور ملائم جلد تو دکھائی دیتی ہے لیکن اُس کے زہر پر نگاہ نہیں جاتی —— میک اپ پر تو وہ فریفتہ ہے مگر اس کے اندر چھپی ہوئی چڑیل پر نظر نہیں ڈالتا —— اسبابِ دُنیا کی اسے خوب خبر ہے لیکن مسبب الاسباب سے قطعاً غافل ہے —— کائنات کی رنگارنگی تو اسے مسحور کر رہی ہے لیکن خالقِ کائنات کی عظمت وبزرگی کا اُسے احساس اور اعتراف نہیں —— انسان یہ بھول رہا ہے کہ اُس نے یہ معرکہ پہلی بار سر کیا ہے —— قبل ازیں بھی گرانڈیل تہذیبیں ہو گزریں اور دم توڑ چکی ہیں —— نمرود وفرعون لجنڈ کا درجہ رکھتے ہیں —— قلعوں کی فصلیں اور امراء کی حویلیاں آج بھی عہدِ رفتہ کو آواز دے رہی ہیں، لیکن وہ سارا طمطراق آج مٹی کا ڈھیر بنا ہوا ہے —— آج کا ''کھڑاک'' بھی پیوندِ زمین ہو کر رہے گا۔

ایسے عالم میں ضروری ہے کہ انسان اپنا اندر ٹٹولے —— سارا کام بصارت سے نہیں کچھ کام بصیرت سے لے —— تجرباتِ سائنسی کے ساتھ ساتھ وارداتِ روحانی پر توجہ دے، ایجادات کے وفور میں دل کے نُور سے محروم نہ رہے —— مقالاتِ حکیم کے دوش بدوش مشاہداتِ کلیم پر بھی نگاہ رکھے —— صدائے جرسِ کارواں پر قانع نہ ہو —— محملِ لیلیٰ کو گرفت میں لانے کا جتن کرے کہ یہی جوہرِ آدمیت اور حاصلِ عبدیت ہے۔

دمشق کے شیخِ طریقت حضرت سید محمد صالح فرفور علیہ الرحمہ کی کتاب ''من نفحات الخلود'' کا ترجمہ ''زندۂ جاوید خوشبوئیں'' اس وقت میرے سامنے ہے —— ترجمے کا خوشگوار فریضہ ہمارے ممدوح جناب محمد عبدالحکیم شرف قادری نے سرانجام دیا ہے —— اس کتاب میں وہ سب کچھ ہے جو انسانی باطن کے لئے اور موجودہ تہذیبی ڈھانچے کے لئے آج بہت ضروری ہے۔

ہم نے قصہ دارا و سکندر بہت یاد کر لیا۔ اب تو کسی مردِ قلندر کا تذکرہ ازبر کرنا چاہیے —— ورنہ سوسائٹی زیروزبر ہوتی نظر آرہی ہے۔

شیخ فرفور علیہ الرحمہ نے خشک تحقیقی زبان کی بجائے خوشبو بکھیرتے ہوئے بیان کا سہارا لے کر کچھ واقعات، کچھ باتیں، کچھ حکایات اور کچھ وارداتیں قلمبند کی ہیں —— اگر ان کا مقصد دل کے تار ہلانا، بربطِ رُوح کو چھیڑنا، آنکھوں کے کنارے بھگونا، سینے میں ایک ہلچل مچانا، خوابیدہ ضمیر کو جگانا، غافل مزاج کو جھنجھوڑنا، کانوں میں تُرئی گھنٹیاں بجانا، اور عقل کو عشق کے تابع لانا تھا تو وہ بلاشبہ اپنے مقصد میں کامیاب رہے ہیں —— کتاب میں اللہ والوں کی جرأت، اُن کے شوقِ شہادت، جذبۂ رفق ورحمت، اندازِ سخاوت، ذوقِ تلاوت، قناعت وعفت، عادلانہ سیاست، رنگِ عبادت، ملّی غیرت، تقاضۂ ایمان و اطاعت، اور اسلوبِ نصیحت کے خوبصورت تذکرے ہیں —— آج کا انسان جو شوکت وسطوت، جاہ و حشمت، ہیبت و دہشت، قیادت وجلالت، مال و دولت اور منصب وحکومت پر مرا اور مٹا جارہا ہے۔

اُسے چاہیے کہ یہ تذکرے پڑھے، یہ خوشبوئیں سُونگھے، یہ باتیں سُنے، اور ایسی کتابیں دیکھے، تاکہ اُسے علم کے ساتھ معرفت نصیب ہو —— ان خوشبوؤں سے مشامِ جاں کو معطر کرے، یہ باتیں سُن کر رنج کی باتیں بھلا دے —— اور یہ کتابیں دیکھ کر صاحبِ کتاب (ﷺ) سے نسبت جوڑنے کی فکر کرے۔

شیخ فرفور رحمۃ اللہ علیہ نے تو جو رنگ باندھا سو باندھا، محترم شرف قادری نے ترجمہ کر کے اسے نیا آہنگ عطا کر دیا ہے —— اللہ تعالیٰ نے ہمارے ممدوح مولانا محمد عبدالحکیم شرف کو پڑھنے اور لکھنے کا اعلیٰ ذوق اور سلیقہ عطا فرمایا ہے —— مدرس آدمی بسا اوقات خشک ہوتا ہے۔ ہر وقت قال اقول کی گردان، ہر لحہ ضرب یضرب کی مشق، ہر آن فقہی بحث، ہر ساعت منطقی صغرے کبرے اور ہر دقیقہ کلامی نکتے اچھے بھلے انسان کو ''عبوساً قمطریراً'' بنا دیتے ہیں —— مگر ہمارے شرف صاحب چوبیس گھنٹے درس و تدریس میں منہمک رہ کر بھی تر و تازہ زبان لکھنے کی خوبی سے آراستہ ہیں —— جس طرح مرغابی دن رات پانی میں غوطے کھاتی ہے۔ مگر جب نکلتی ہے تو اس کے پروں پر پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ہوتا۔ اسی طرح جناب شرف قادری اپنی ساری خشکی مسندِ تدریس پر چھوڑ آتے ہیں —— جب لکھنے کے لئے قلم ہاتھ میں لیتے ہیں، تو ان کا قلم آبشار کی طرح بہہ نکلتا ہے، جس کی آواز کانوں میں رس گھولتی ہے۔

میری قارئین سے درخواست ہے کہ وہ یہ کتاب پڑھیں از اوّل تا آخر —— اُنہیں قطعاً احساس نہیں ہوگا کہ وہ کسی کتاب کا سپاٹ اور تکنیکی ترجمہ پڑھ رہے ہیں —— بلکہ صاف محسوس ہوگا کہ وہ طبع زاد تصنیف کا مطالعہ کر رہے ہیں —— اور کسی بھی مترجم کی یہی سب سے بڑی خوبی ہے، کہ وہ ترجمے میں آورد نہیں بلکہ آمد کا رنگ بھر دے —— حضرتِ شرف قادری بحمد اللہ اس کوچے سے سُرخرو ہو کر نکلے ہیں۔

(''زندۂ جاوید خوشبوئیں'' پر فکر انگیز تبصرہ)

تعارف مصنف

سید محمد صالح فرفور حسنی رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۳۱۸	۱۴۰۷ھ
۱۹۰۱	۱۹۸۶ء

دنیائے اسلام کے عظیم عالم اور مصلح، نادر زمانہ مفکر اور دانشور، ملت اسلامیہ کی فلاح و بہبود کے لئے سراپادرد، علامہ سید محمد صالح فرفور رحمہ اللہ تعالیٰ ''سلسلۃ الخلود'' کے مصنف ہیں ــــــ اس سلسلے کی تین کتابیں ان سے یادگار ہیں، جن کا ترجمہ کرنے کا راقم کو شرف حاصل ہوا ہے ــــــ فالحمد للہ تعالیٰ علیٰ ذلک

۱. **من نفحات الخلود** اردو ترجمہ زندہ جاوید خوشبوئیں
۲. **من نسمات الخلود** " ولولہ انگیز خوشبوئیں
۳. **من رشحات الخلود** " سدابہار خوشبوئیں

یہ وہ روایتی خوشبوئیں نہیں جو الکحل اور مٹی کا تیل ملا کر عطر کے نام سے بیچی جاتی ہیں، یہ وہ دل افروز، ولولہ انگیز اور روح پرور خوشبوئیں ہیں جنہیں مشامِ جان و ایمان سے سونگھا جا سکتا ہے ــــــ جنہیں بڑی سے بڑی قیمت پر خرید کر بھی بجا طور پر کہا جا سکتا ہے۔

جُمادیٰ چند دادم جاں خریدم
بحمد اللہ ! عجب ارزاں خریدم

میں نے چند سکے دے کر جان خریدی ہے ــــــ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ بہت سستی خریدی ہے۔

ان کی قدر و منزلت پوچھنا ہو تو رضویات کے بین الاقوامی سپیشلسٹ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی سے پوچھئے، وہ فرماتے ہیں:

''زندہ جاوید خوشبوئیں'' شیخ محمد صالح فرفور حسنی کے حسین انشائیوں کا حسین

مجموعہ ہے ـــــ جس کا مقصد وحید زندہ و پائندہ شخصیتوں کے ذکرِ واذکار سے مردہ دلوں کو زندہ کرنا ہے ـــــ فاضل مصنف کے زبان و بیان، درد و سوز اور مثالی شخصیات کے انتخاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ خود بھی مثالی شخصیت کے مالک ہیں ـــــ جب الفاظ و حروف کے پیچھے زندہ شخصیت ہو تو وہ بولنے لگتے ہیں ـــــ زندہ شخصیتیں ہی بناتی اور سنوارتی ہیں ـــــ شیخ محمد صالح کی نگارشات سوز و گداز سے معمور ہیں۔ (سدا بہار خوشبوئیں: ص ۳۱)

صاحبزادہ سید خورشید احمد گیلانی اپنے تاثر کا اظہار یوں کرتے ہیں:

کتاب میں اللہ والوں کی جرأت، ان کے شوقِ شہادت، جذبۂ رفق و رحمت، اندازِ سخاوت، ذوقِ تلاوت، قناعت و عفت، عادلانہ سیاست، رنگ عبادت، ملی غیرت، تقاضۂ ایمان و اطاعت اور اسلوبِ نصیحت کے خوبصورت تذکرے ہیں ـــــ آج کا انسان جو شوکت و سطوت، حشمت و ہیبت، قیادت و جلالت، مال و دولت اور منصب و حکومت پر مرا اور مٹا جا رہا ہے اسے چاہیے کہ یہ تذکرے پڑھے، یہ خوشبوئیں سونگھے، یہ باتیں سنے اور ایسی کتابیں دیکھے تاکہ اسے علم کے ساتھ معرفت نصیب ہو ـــــ ان خوشبوؤں سے مشامِ جاں کو معطر کرے ـــــ یہ باتیں سن کر رنج کی باتیں بھلا دے ـــــ اور یہ کتابیں دیکھ کر صاحب کتاب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے نسبت جوڑنے کی فکر کرے۔ (سدا بہار خوشبوئیں: ص ۲۹)

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر کا تبصرہ بڑا بصیرت افروز ہے، وہ رقم طراز ہیں:

یہ کتاب واقعی عمدہ و مستطاب ہے، فاضلِ مصنف نے مسلم نژادِ نو کی رہنمائی اور سبق آموزی کا بہت قیمتی سامان کیا ہے ـــــ اپنے اسلاف کے کارناموں

سے آگاہی قوموں کی بنیادی ضرورت ہے —— مگران کے کارناموں کو یاد رکھنااور عملی زندگی میں ان سے استفادہ کرنا،احسان شناسی بھی ہے اور انسانیت دوستی بھی —— تاریخ اور اسلاف کے کارنامے قوموں کی اصل اور جڑ کی حیثیت رکھتے ہیں —— مگر اپنی تاریخ کو دہرانا اور اپنے عمل سے اسلاف کے کارناموں کو زندہ کرنا قوموں کی زندگی بھی ہے اور روشن مستقبل کی ضمانت بھی۔

(سدا بہار خوشبوئیں: ص ۲۴)

جناب سید ریاض حسین شاہ مدظلہ العالی ناظم اعلیٰ جماعت اہل سنت پاکستان، ''سلسلۂ خلوذ'' کی کتابوں کو نوجوانوں کے لئے لازمی قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

محمد صالح فرفور کی فکر ایک مصلح کی فکر ہے، وہ جانتے ہیں کہ تحریکوں کی جان نوجوان ہی ہوتے ہیں —— اس لئے اس کی مخلصانہ کوششوں، اس کی بے تاب تحریروں اور اس کے حرارت مآب انشائیوں کا مرکز نوجوان ہی رہتے ہیں —— وہ انہیں اپنی آہِ سحر سے بیدار کرنا چاہتا ہے اور اس کی خواہش ہوتی ہے کہ ان میں عقابی روح کارفرما ہو جائے —— بلاشبہ ''سلسلۃ الخلوذ'' کی ہر کتاب کا ایک ایک لفظ ان جذبوں اور آہنگ میں ڈوبا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

عظیم مصنف کی ان عظیم کتابوں کی زبان عربی اور لہجہ آفاقی ہے —— ضرورت تھی کہ فرفور کا پیغام اردو پڑھنے والے حلقہ میں بھی عام ہوتا —— لاہور کے ایک مردِ خدا مست کی اچٹتی ہوئی نظر ان پر جا پڑی —— اور وہ اس خزانہ کو لے کر گوشۂ تنہائی میں جا بیٹھا —— اور ''سلسلۃ الخلوذ'' کی زندہ خوشبو عربوں سے نکل کر اردو والوں میں بھی پھیلنے لگی۔

محمد عبدالحکیم شرف قادری محض عربی دان ہی نہیں، واقعیت شناس بھی ہیں —— صرف ترجمان ہی نہیں، حقیقت آگاہ بھی ہیں —— ان کا کوئی کام بھی

درد کی گہرائی سے خالی نہیں ہوتا ـــــ درسیات کی جاں کاہ مشق سے تھکا ماندہ عالم دین ـــــ حیرت ہوتی ہے کہ زندہ ذوق کی لذتوں سے بہرہ مندر رہتا ہے ـــــ قاضی مبارک، سلم، صدرا اور شمس بازغہ کی روح کش تقریروں کے جلاپے اور تڑاقے بھی اس کی آنکھوں سے محبت کے آنسو خشک نہیں کر سکتے ـــــ وہ روتا بھی ہے اور رُلاتا بھی ہے ـــــ تڑپتا بھی ہے اور تڑپاتا بھی ہے ـــــ لکھنا اس کا دھندہ نہیں، درد ہے ـــــ وہ اپنے درد کے اظہار کے لیے اس کا قائل نہیں رہتا کہ اپنا ہی گیت سناتا جائے ـــــ جب کوئی میٹھا نغمہ کہیں سے بھی سنائی دیتا ہے ـــــ تو وہ اس کی سروں اور لہروں کو عام کرنے کا مشتاق بن جاتا ہے۔ (بتصرف یسیر) (زندہ جاوید خوشبوئیں، ص: ۱۱ـ۱۹)

جواں سال فاضل ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی ازہری شیخ کی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت شیخ محمد صالح فرفور کی تصانیف کے پڑھنے سے ولولۂ تازہ ملتا ہے ـــــ جذبوں کو جوش و خروش میسر آتا ہے ـــــ کیف و سرور میں ڈوبا ہوا قاری خود کو معلم انسانیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلسِ درس میں زانوئے تلمذ تہ کیے ہوئے پاتا ہے اور اس کتاب سے ہمیں مثالی شخصیات کا پتا بھی ملتا ہے۔
(زندہ جاوید خوشبوئیں: ص ۳۴)

یاد رہے کہ شیخ محمد صالح فرفور دنیا کے عظیم مصلح اور دینِ اسلام کو حیاتِ نو عطا فرمانے والے شیخ سید عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ کی اولاد امجاد میں سے ہیں ـــــ ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۱ء میں دمشق کے محلہ عمارہ جوانیہ میں پیدا ہوئے، قرآن پاک تجوید کے ساتھ پڑھنے اور حفظ کرنے کے بعد امتیازی حیثیت کے ساتھ بی۔اے پاس کیا، ان کا ذاتی رجحان طبیہ کالج میں داخلہ لینے کی طرف تھا، لیکن والد ماجد سید عبد اللہ فرفور کی پر زور تاکید یہ تھی کہ آباء و اجداد

کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی تمام توانائی علم دین کے حاصل کرنے پر صرف کرو تا کہ تم انبیاء کرام کے وارث بن سکو، سعادت مند بیٹے نے سر تسلیم خم کر دیا اور زبانِ حال سے کہا:

ترکِ کام خود گرفتم تا بر آید کامِ دوست

آپ کی فرمائش پوری کرنے کے لئے میں اپنی چاہت قربان کرتا ہوں!

ابھی سترہ اٹھارہ سال کی عمر ہوگی کہ ان کے والد ماجد رحلت فرما گئے، والدہ، چھ بہنوں اور ایک بھائی کی معاشی کفالت کی ذمہ داری ان کے کندھوں پر آ گئی، چنانچہ گھر کی ضروریات پوری کرنے کے لئے بازار "القباقبیہ" میں جامع اموی کے پاس ایک دکان کھول لی، جہاں کرسیاں اور چھوٹی الماریاں تیار کی جاتی تھیں اس کے علاوہ زمینوں اور مکانوں کی خرید و فروخت شروع کر دی۔ یہ تمام مصروفیات ان کے علمی شوق کا راستہ نہیں روک سکیں، کتابیں خریدتے اور فرصت کے اوقات میں ان کا مطالعہ کرتے، اس کے علاوہ جلیل القدر علماء کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان سے استفادہ کرتے رہتے۔

ایک دفعہ شیخ محمد ساعاتی سے درخواست کی کہ مجھے علم میقات کا ایک رسالہ پڑھا دیں، انہوں نے حامی بھر لی تو مسلسل چوبیس گھنٹے پڑھتے رہے یہاں تک کہ وہ رسالہ مکمل پڑھ لیا، شیخ ساعاتی بھی ان کے علمی ذوق و شوق کو دیکھ کر مسرور ہوئے اور فرمانے لگے:

اِنه لِصُّ علمٍ یرید ان یَّاْخُذَ الْعلم کُلَّهُ فی لیلۃٍ

یہ علم کا چور ہے جو چاہتا ہے کہ ایک ہی رات میں سارا علم حاصل کر لے۔

اسی طرح شیخ صالح حمصی سے علم اصول اور علم فرائض حاصل کیا اور فقہ حنفی میں علامہ ابن عابدین شامی کا حاشیہ ردّالمحتار پڑھا اور لطف کی بات یہ تھی کہ (ون ٹو ون) اکیلے ہی پڑھنے والے تھے، جب حاشیہ ختم ہو گیا تو استاذ نے فرمایا: یَکْفِیْ صَالِحًا صالحٌ"۔ ایک صالح کے لئے ایک صالح ہی کافی ہے، استاذ کا نام بھی صالح اور شاگرد بھی صالح۔(۱)

---

۱ محمد مطیع الحافظ/نزار اباظہ: تاریخ علماء دمشق (فی القرن الرابع عشر الهجری) ۳/۵۰۹۔۵۰۷

سبحان اللہ! استادوں اور شاگردوں میں کیا علمی ذوق تھا؟ آج کا المیہ یہ ہے کہ اساتذہ میں عموماً فیض رسانی کا جذبہ نہیں ہے اور اگر استاذ اس جذبے سے سرشار ہے تو علم کی تشنگی رکھنے والے طلباء میسر نہیں ہیں۔

شیخ محمد صالح فرفور رحمہ اللہ تعالیٰ نے باکمال اساتذہ سے استفادہ کیا اور صرف دمشق اور شام ہی نہیں دنیائے اسلام کے نامور علماء، صلحاء، مفکرین اور دانشوروں میں شمار ہوئے۔ اساتذۂ کرام کے اسماء درج ذیل ہیں:

1. علامہ شیخ سید محمد بدر الدین حسنی
2. شیخ عبد الباقی الھندی الایوبی الانصاری
3. شیخ سید علامہ محمد بن جعفر الکتانی المغربی
4. شیخ صالح حمصی
5. شیخ علی المالکی المغربی
6. شیخ عبد القادر شلبی طرابلسی
7. شیخ عمر حمدان محرسی
8. شیخ علی اعظم
9. شیخ محمد سلیم حلوانی ـــــــ وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ۔(۱)

حضرت شیخ تک راقم کی سند:

راقم الحروف کو کویت کے نامور عالم مجاہد فی سبیل اللہ شیخ سید یوسف سید ہاشم رفاعی مدظلہ العالی سے حدیث شریف کی اجازت ہے، انہیں ڈاکٹر سید عبد اللطیف سے انہیں ان کے استاذ اور والد سید محمد صالح فرفور سے، انہیں متعدد حضرات سے اجازت ہے، جن کا ابھی ذکر ہوا ان میں سے ایک عالم شیخ عمر حمدان محرسی ہیں اور انہیں امام احمد رضا بریلوی سے اجازت ہے۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

شیخ محمد صالح فرفور نے دمشق کے عظیم محدث سید بدر الدین حسنی سے تفسیر، حدیث، فقہ، توحید، فلسفہ، ریاضیات، اصول، فرائض وغیرہ علوم حاصل کئے۔

ان کی اور شیخ صالح حمصی کی وفات کے بعد دس سال تک اپنے گھر میں گوشہ نشین

---

۱ عبد اللطیف فرفور، ڈاکٹر: ابن عابدین واثرہ فی الفقہ الاسلامی (دار البشائر، سوریہ) ۲/۱۱۶۱

رہے، صرف جمعہ اور جماعت کے لئے باہر آتے تھے، مقصد یہ تھا کہ بڑی اور طویل کتابوں کا بھرپور مطالعہ کریں، بیوی اور بچے بھی ان کے مطالعہ میں مخل نہیں ہوتے تھے، اور بکثرت روزے رکھتے اور کھانا کھاتے تو بہت تھوڑا اور بقدر ضرورت کھاتے۔ طویل عرصہ تک بیروت کے کلیہ شرعیہ میں بحیثیت مدرس اور ناظم تعلیم کام کرتے رہے پھر دمشق آگئے۔ قیمریہ کی جامع فتحی میں درس دیتے، جامع اموی میں مغرب اور عشاء کے درمیان درس دیتے اور عشاء کے بعد مختلف حلقوں میں درس دیتے۔

شیخ فرفور نے ایک تنظیم ''جمعیۃ الفتح الاسلامی'' کے نام سے قائم کی، اس تنظیم نے طلباء کے لئے ایک مدرسہ ''معھد جمعیۃ الفتح الاسلامی'' قائم کیا، جس میں تاریخ علماء دمشق (طبع ۱۹۹۱ء) کے مرتبین کے بقول تیس ممالک کے پانچ سو سے زیادہ طالب علم پڑھتے تھے، آج یہ ادارہ شیخ کے صاحبزادے ڈاکٹر حسام الدین کی سرپرستی میں ترقی کی منزلیں طے کر رہا ہے، اسی طرح اس تنظیم نے طالبات کے لئے بھی ایک ادارہ قائم کیا جس میں شیخ کی دو صاحبزادیوں کے علاوہ دیگر استانیاں بھی پڑھاتی تھیں۔

دارالعلوم سے علماء اور فضلاء فارغ ہوتے تو ایک جلسے کا اہتمام کرتے جس میں دارالعلوم کے منتظمین، مدرسین اور علماء اور نامور شخصیتوں کو دعوت دیتے، اس جلسے میں یہ عہد لیا جاتا ہے:

1. جس طرح تم نے علم حاصل کیا ہے اسی طرح اسے آگے پھیلانے کی کوشش کرنا۔
2. اس علم پر پورے خلوص کے ساتھ عمل کرنا۔
3. لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف حکمت و دانائی اور اچھے وعظ کے ساتھ بلانا۔
4. مسلمانوں کی اجتماعی مصلحت کو اپنی انفرادی مصلحتوں پر مقدم رکھنا۔
5. اپنی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے راستے اور اس کی طرف لوگوں کو بلانے میں صرف کر دینا۔

جمعیت نے طلباء وطالبات کے لئے مدارس قائم کرنے کے علاوہ مساجد، گھروں، بازاروں، جیلوں اور بسوں کے اڈوں وغیرہ میں عمومی درسوں کا اہتمام کیا، یہ جمعیت دوسرے اسلامی ممالک میں خطباء اور مدرسین بھیجنے کا اہتمام بھی کرتی تھی خصوصاً حبشہ، صومالیہ اور ترکوں کے علاقوں میں۔

اس جمعیت نے قدیم مساجد کی مرمت کا اہتمام بھی کیا، دمشق اور اس کی مختلف بستیوں میں مسجدیں تعمیر کیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ محمد صالح فرفور کس قدر وسیع انقلابی سوچ رکھتے تھے۔

حضرت شیخ کو اللہ تعالیٰ نے سات صاحبزادے عطا فرمائے اور وہ سب اصحاب فضل وکمال ہیں، ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

(۱) ڈاکٹر شیخ محمد عبد اللطیف (۲) شیخ حسام الدین (۳) شیخ ولی الدین

(۴) استاد عبد الرحمٰن (۵) استاد نصر الدین (۶) استاد عبد اللہ

(۷) استاد شہاب الدین

حضرت کے بڑے صاحبزادے ڈاکٹر محمد عبد اللطیف صالح فرفور نے خاتمۃ المحققین علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی (صاحب ردالمحتار) پر جامعہ ازہر کے ''کلیۃ الشریعہ والقانون'' سے ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھا جس پر انہیں جامعہ ازہر کی طرف سے ۲۱ رشعبان ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء کو ڈاکٹریٹ کی سند مع مرتبۃ الشرف الاولیٰ'' دی گئی۔ مقالے کا عنوان ہے:

''ابن عابدین و اثرہ فی الفقہ الاسلامی''

یہ مقالہ ۱۳۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اور دو جلدوں میں ''دارالبشائر دمشق'' سے ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء میں چھپ چکا ہے۔

شیخ کے تلامذہ بے شمار ہوئے ہیں، ان میں بہت سے مدرسین بھی تھے۔ . تم نمل

میں نمایاں شخصیات بھی تھیں۔ چند شاگردوں کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ شیخ کے سات صاحبزادے (جن کے اسماء ابھی گزرے ہیں)

۸۔ شیخ عبدالرزاق حلبی ۹۔ شیخ ادیب الکلاس ۱۰۔ شیخ ابراھیم یعقوبی

۱۱۔ شیخ رمزی البزم ۱۲۔ شیخ موفق نشوقانی ۱۳۔ شیخ احمد رمضان

۱۴۔ شیخ نورالدین خزنہ کاتبی ۱۵۔ شیخ شعیب ارناؤط ۱۶۔ شیخ عبدالقادر ارناؤط

۱۷۔ شیخ سُہیل زبیبی ۱۸۔ شیخ عبدالفتاح البزم ۱۹۔ شیخ احمد قبابی

یہ ابتدائی دور کے شاگرد ہیں۔ ان کے بعد بے شمار علماء نے شیخ سے استفادہ کیا۔

شیخ اپنے شاگردوں کے ساتھ شفیق باپ کا معاملہ کرتے تھے، نہ تو راہنمائی اور خیر خواہی میں بخل کرتے اور نہ ہی مال اور دنیا میں، انہیں بے پناہ محبت سے نوازتے، کوئی بیمار ہو جاتا تو اس کی تیمارداری کرتے، کوئی حاجت مند ہوتا تو اس کی امداد کرتے، سیر و سفر اور اقامت میں انہیں اپنے ساتھ رکھتے۔

ایک دن حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطاب فرمار ہے تھے تو انہیں اطلاع دی گئی کہ آپ کا فلاں صاحبزادہ فوت ہو گیا ہے، آپ نے کہا: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اور فرمایا کہ انہیں غسل دے کر کفن پہنایا جائے اور خطاب اسی طرح جاری رکھا، جب بیٹے کا جنازہ لایا گیا تو کرسی سے اتر کر نماز جنازہ پڑھادی۔

شیخ فرفور حضور غوث پاک کی اولاد میں سے ہیں انہوں نے بھی ایسی ہی بے مثال استقامت کا مظاہرہ کیا، آپ کا پہلا بیٹا [illegible] بیمار ہو گیا، اس کی شدید بیماری آپ کی تدریس کے راستے میں حائل نہ ہو سکی، اتفاق کی بات کہ درس کا موضوع ''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی علالت'' تھا آپ نے شاگرد کو فرمایا ورق پلٹو اور پڑھو: اس نے پڑھا:

''وفاۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم''، آپ نے اسے دوبارہ ورق پلٹ کر پڑھنے کو کہا تو اس نے پڑھا: وفاۃُ وَلَدِ رَسُوْلِ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اِبْرَاهِيْم ''

شیخ نے کہا: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن '' اور شاگرد کو فرمایا پڑھو، جب سبق سے فارغ ہو کر گھر گئے تو دیکھا کہ ان کا صاحبزادہ فوت ہو چکا ہے۔

درس و تدریس کے غیر معمولی شوق کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ایک دفعہ سخت بیمار ہو گئے، یہاں تک کہ بے ہوش ہو گئے، جب ہوش آیا اور بولنے کے قابل ہوئے تو سب سے پہلے سبق کے بارے میں پوچھا کہ: سبق پڑھایا نہیں؟

حضرت شیخ کو نہ صرف قدیم و جدید شعرا کا عربی کلام وافر مقدار میں یاد تھا، بلکہ خود بھی شعر و سخن کا عالی ذوق رکھتے تھے، انہوں نے ایک عربی دیوان یادگار چھوڑا ہے، جو ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوا، اس میں انہوں نے تمام اغراض شعریہ کو جمع کیا ہے مثلاً: وصف، بہادری، مرثیہ وغیرہ ہاں مدح کے باب میں صرف نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح سرائی کی ہے دنیاداروں اور ارباب اقتدار کی مدح و ثنا سے اپنے قلم کو آلودہ نہیں کیا، اس باب میں وہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کے ہمنوا نظر آتے ہیں۔

کروں مدحِ اہلِ دُوَل رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بَدَأْتُ فِیْ مَدْحِہٖ وَالنَّفْسُ فِیْ خَجَلٍ مِـمَّـا جَنَتْ اَرْتَجِیْ عَفْوًا وَّ غُفْرَانًا
جَعَلْتُ بَابِیْ رَسُوْلَ اللّٰہِ مُلْتَمِسًا اَرْجُو الشَّفَاعَۃَ اِکْرَامًا وَّاِحْسَانًا
عَلَیْکَ مِنِّیْ صَلَاۃٌ کُلَّمَا طَلَعَتْ شَمْسٌ وَّغَرَّدَتِ الْاَطْیَارُ اَلْحَانًا

○ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت کا آغاز کیا ہے، اس حال میں کہ میری جان اپنے کرتوتوں کی وجہ سے شرمسار ہے، میں معافی اور مغفرت کی امید رکھتا ہوں

○ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بارگاہِ الٰہی میں پہنچنے کا وسیلہ بنایا ہے اس حال میں کہ میں درخواست کرنے والا ہوں اور ازراہِ لطف و احسان شفاعت کا

امیدوار ہوں

○ میری طرف سے آپ پر صلوٰۃ وسلام ہو جب تک سورج طلوع ہوتا رہے اور پرندے اپنے اپنے انداز میں چہچہاتے رہیں۔

ایک قصیدے میں عربوں کو بیدار کرنے کے لئے جھنجھوڑتے ہیں، اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اِنَّ الْحَيَاةَ لَآلَامٌ وَّآمَالُ	وَنَاشِدُ الْعِزِّ لَا يَعْرُوْهُ اِهْمَالُ
نَادَيْتُ قَوْمِيْ بِاَصْوَاتٍ قَدِارْتَعَشَتْ	لَهَا الْقُلُوْبُ وَفُكَّتْ ثَمَّ اَوْصَالُ
مَا بَالُكُمْ يَا رِجَالَ الْحَيِّ مَنْ حَزَبَتْ	صُفُوْفَكُمْ بِصُنُوْفِ الْبُؤْسِ تَنْهَالُ
هَلْ لِلْعُرُوْبَةِ اَقْيَالٌ ذَوُوْ ثِقَةٍ	لَا الْقَوْمُ قَوْمٌ وَّلَا الْاَقْيَالُ اَقْيَالُ
تَبْكِي الْعُرُوْبَةُ مَجْدًا زَاهِرًا نَضِرًا	تَبْكِيْ حُمَاةً اَهَابُوْا حَيْثُمَا مَالُوْا
هَلْ بِالْاَمَانِيِّ وَبِالْاَقْوَالِ نَهْضَتُكُمْ	سَاءَتْ اَمَانٍ وَّسَاءَتْ ثَمَّ اَقْوَالُ

❶ بے شک زندگی تکلیفوں اور امیدوں کا نام ہے اور عزت کے طلبگار کو نظر انداز نہیں کیا جاتا۔ (یعنی وہ عزت حاصل کر کے رہتا ہے)

❷ میں نے اپنی قوم کو ایسی آوازوں کے ساتھ پکارا ہے جن کی بنا پر دل دہل گئے ہیں اور بندشیں ٹوٹ گئی ہیں۔

❸ اے قبیلے کے مردو تمہیں کیا ہے؟ کس نے مختلف قسم کی محتاجیوں کے سبب تمہاری صفوں کو پارہ پارہ کر دیا ہے؟ اور وہ ریت کی دیوار ثابت ہو رہی ہیں۔

❹ کیا عربوں کے قابل اعتماد قائد موجود ہیں؟ نہ تو قوم وہ پہلی سی قوم رہی ہے اور نہ ہی قائد پہلے سے قائد رہے ہیں۔

❺ عرب اپنی روشن اور تابناک عظمتِ رفتہ کو روتے ہیں اور ایسے محافظوں کے (کھو جانے پر) آنسو بہا رہے ہیں جو انہیں ہر موقع پر عمل کی ترغیب دلاتے تھے جب

- زمانہ انہیں مصائب میں ڈالتا تھا، نے جدھر بھی رخ کیا انہوں نے روک دیا۔

● کیا تمہاری ترقی محض آرزوؤں اور باتوں سے ہو سکتی ہے؟۔ وہ نری آرزوئیں بھی بری ہیں اور خالی اقوال بھی بے کار ہیں۔

اس کے بعد کہتے ہیں:

لَاتَیْاَسُوْا وَثِقُوْا بِاللّٰہِ وَاعْتَصِمُوْا ۔۔۔ فَالْیَاسُ لِلْقَلْبِ فَتَّاکٌ وَّقَتَّالٌ

وَالْجِدُّ یَبْعَثُ بِالرِّمَّاتِ مِنْ عَدَمٍ ۔۔۔ اِنَّ الْحَیَاۃَ لَاٰلَامٌ وَّآمَالٌ

○ تم نا امید نہ ہو جاؤ، اللہ پر بھروسہ کرو اور اس کا دامنِ رحمت مضبوطی سے تھام لو، اس لئے کہ مایوسی دل کو تباہ اور برباد کر دیتی ہے۔

○ اور کوشش بوسیدہ ہڈیوں کو عدم سے وجود میں لے آتی ہے، بے شک زندگی تکلیفوں اور آرزوؤں کا مجموعہ ہے۔

شیخ کو نوعمری ہی سے شکار، تیراکی اور گھڑ سواری کا شوق تھا، نشانے بازی کی اتنی مشق کی کہ اڑتی ہوئی چڑیا کو پستول سے شکار کر لیتے تھے، سوریہ (شام) کی جنگ میں بھی شریک ہوئے۔

حیاتِ مبارکہ کے آخری دنوں میں دمشق کے ہسپتال میں داخل تھے، عید الاضحیٰ کے دنوں سے ان پر بے ہوشی طاری ہو جاتی تھی، جب بھی ہوش میں آتے تو ذکر الٰہی (اللہ اللہ) میں مصروف رہتے یہاں تک کہ ۵ محرم الحرام ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۶ء کو دارِ فانی سے رحلت فرما گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۔ جامع اموی میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور شیخ ارسلان دمشقی کے پہلو میں انہیں جدِ امجد شیخ ولی الدین فرفور کے پاس دفن کیا گیا۔[1]

محترم جناب عابد حسین شاہ مدظلہ پھلمی، پنڈ دادنخان نے حضرت شیخ کی تینوں

[1] حضرت شیخ محمد صالح فرفور رحمہ اللہ تعالیٰ کا تفصیلی تذکرہ راقم نے ''من نفحات الخلود'' کے ترجمہ ''زندہ جاوید خوشبوئیں'' کے مقدمہ میں کر دیا ہے، پیش نظر مقدمہ میں زیادہ تر معلومات ''تاریخ علماء دمشق فی القرن الرابع عشر الھجری'' کی تیسری جلد از محمد مطیع الحافظ اور نزار اباظہ کے صفحہ نمبر ۵۰۷ سے ۵۲۰ سے ماخوذ ہیں، جس میں کچھ نئی باتوں کا تذکرہ ہے۔ ۱۲ شرف قادری

کتابیں (نفحات، نسمات اور رشحات) راقم کو فراہم کیں۔ نسمات بازار سے دستیاب نہیں تھی تو انہوں نے شیخ محمد عبداللہ آل رشید کی ذاتی لائبریری سے لے کر ارسال کر دی، اسی طرح تاریخ علماء دمشق کی تیسری جلد کے متعلقہ صفحات کی فوٹو اسٹیٹ کاپی ارسال کی، محترم سید سعید حسن شاہ نے بڑی محنت سے کمپوزنگ کی، محترم محمد عبدالستار طاہر نے بڑی دیدہ ریزی سے پروف ریڈنگ کی اس طرح یہ کتاب چھپ کر آپ کی خدمت میں پہنچ رہی ہے۔ راقم ان تمام حضرات کا شکر گزار ہے۔ عزیزم حافظ قاری نثار احمد قادری کی کوشش ہے کہ کتاب بہتر سے بہتر انداز میں شائع کی جائے، اللہ تعالیٰ ان کو کامیابی اور مزید توفیق عطا فرمائے۔

راقم ان دنوں لالہ زار فیز ٹو بالمقابل ریلم سکول، رائیونڈ روڈ، لاہور ''برکاتی منزل'' میں مقیم ہے، بخاری شریف کے سولہویں پارے کی شرح فیوض الباری لکھ رہا ہے۔ پندرہ پاروں کی شرح بخاری حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی رحمہ اللہ تعالیٰ کر گئے ہیں، اس کے علاوہ قرآن پاک کا ترجمہ کر رہا ہوں، کبھی کبھی ڈاکٹر رأفت پاشا کی تصنیف ''صور من حیات الصحابۃ'' اور سید یوسف ہاشم رفاعی مدظلہ العالی کی کتاب ''التصوف والصوفیۃ'' کا ترجمہ بھی کرتا ہوں۔ احباب سے التماس ہے کہ فقیر کے لئے دعا کریں، مولائے کریم جل مجدہٗ مجھے یہ کام مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور جو تھوڑا بہت دین کا کام کیا ہے اسے قبول فرمائے اور میرے نسبی، علمی اور روحانی بیٹوں کو یہ کام آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

یکم رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ — **محمد عبدالحکیم شرف قادری**

۲۸/اکتوبر ۲۰۰۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

بے شک تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں ——— ہم اس کی حمد وثنا کرتے ہیں ——— اُسی سے قوت ومعونت طلب کرتے ہیں ——— اُسی سے مغفرت طلب کرتے ہیں ——— اور ہم اپنے نفسوں کی شرانگیزیوں اور اعمال کی برائیوں سے اس کی طرف رجوع کرتے ہیں ——— جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہ ہدایت یافتہ ہے ——— جسے وہ گمراہی میں چھوڑ دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ——— میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ——— اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے آقا ومولا محمد مصطفےٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کے عبد مکرّم اور رسول معظم ہیں ——— اے اللہ! رحمت، سلامتی اور برکت نازل فرما ہمارے آقا محمد مصطفےٰ، آپ کی آل پاک، صحابۂ کرام اور آپ کے محبیّن پر۔

حمد وثنا کے بعد!

خوش قسمتی، اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کریم کا احسان یہ ہے کہ مجھے اتنی طاقت اور زندگی عطا فرمائی اور اتنے اسباب عطا فرمائے کہ میں سلسلۂ خلود کی اس جزء (نسمات) کی تالیف کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے پر قادر ہوسکا ——— یہ سلسلہ تین حصوں پر مشتمل ہے (۱) النفحات (اس کا ترجمہ بحمدہٖ تعالیٰ زندۂ جاوید خوشبوئیں کے نام سے راقم شرف قادری کے قلم سے چھپ چکا ہے) (۲) النسمات (پیش نظر کتاب) (۳) الرشحات (راقم شرف قادری نے اس کا ترجمہ "سدا بہار خوشبوئیں" کے نام سے کر دیا ہے جو کہ چھپ چکا ہے، والحمدللہ تعالیٰ علیٰ ذلک) ——— غالباً مجھے یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ میں نے یہ حصہ بیماری کا مقابلہ کرتے ہوئے لکھا ہے ——— کبھی بیماری مجھ پر غالب آجاتی اور کبھی میں اس پر غالب آجاتا ——— لیکن میں نے اللہ تعالیٰ سے امداد کی دعا مانگی تو اس کریم نے میری امداد فرمائی اور مجھے شفاء وعافیت عطا فرمائی ——— جس کا شکریہ ادا کرنے سے میں عاجز ہوں ——— پس اللہ تعالیٰ ہی کے لئے حمد ہے اور اسی کا احسان ہے۔

میں نے جب اس کتاب کا پہلا حصہ تیار کیا تو میرا مقصد ایک تربیت گاہ کا تیار کرنا

——— مسلمان گھرانے، مسلمان بچوں اور مسلمان نوجوانوں کے لئے عظمتوں کی طرف سفر کا زادِراہ فراہم کرنا ——— اور اپنے زندہ و پائندہ سلف صالحین اور مقتداؤں کی زندگیوں سے حاصل ہونے والے قیمتی اسباق کا پیش کرنا تھا ——— علاوہ ازیں دلچسپ اور نوادر واقعات پر مشتمل ادبی کتاب تیار کرنا بھی پیش نظر تھا جس سے ادباء، قلمکار، شعراء اور خطباء سب ہی استفادہ کریں۔

اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس کاوش کا پہلا مقصد فریضۂ تبلیغ کا ادا کرنا ہے جو اہل علم کے ذمہ پر لازم ہے ——— نیز مسلمان حکمرانوں اور عوام کی خیر خواہی ہے، کیونکہ دین نام ہی خیر خواہی کا ہے ——— ایک مقصد یہ بھی تھا کہ زندگی کے آخری دنوں میں کوئی ایسا اچھا کام کر جاؤں جو اس دن میرا سفارشی بنے جب نہ مال فائدہ دے گا اور نہ بیٹے، ہاں وہ فائدے میں رہے گا جو قلب سلیم لے کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔

میں نے جتنے واقعات وقصص اور مقالات سپردِ قلم کیے ہیں، سب حقیقی ہیں، ان کے علمی حوالے موجود ہیں ——— ہر مقالے کے آخر میں حوالہ دے دیا گیا ہے ——— میرا کام صرف اتنا ہے کہ میں نے ان واقعات کو منتخب کر کے جمع کیا، ان پر عنوانات لگائے ——— اور انہیں ہمت و طاقت کے مطابق آسان زبان میں ادیبانہ انداز اور بلیغ پیرائے میں بیان کر دیا ہے۔

اے اللہ! میری اس کوشش کو قبول فرما ——— اور اسے خالص اپنے وجہِ کریم کے لئے بنا ——— اس میں جو کچھ درست ہے وہ تیری طرف سے ہے ——— اور جو نادرست ہے وہ میری طرف سے ہے ——— اور میں اللہ تعالیٰ سے معافی اور بخشش کا سوالی ہوں۔

اے اللہ! مجھے اور میری اس سعی کو اپنے پسندیدہ امور میں شامل فرما ——— مجھے اپنی بارگاہ کے نیک بندوں میں شامل فرما ——— شریکِ زمرۂ لایحزنون کر ——— اور مجھے توفیق عطا فرما کہ میں تیرا ذکر، تیرا شکر اور تیری عبادت اچھی طرح ادا کرتا رہوں۔

۷ ربیع الانوار ۱۴۰۰ھ

۷ فروری ۱۹۸۰ء

محمد صالح فرفور

دمشق ——— شام

کاش یہ نرم و نازک ہاتھ دوزخ کی آگ سے بچ جائے

ایک دفعہ عظیم فرماں روا، خلیفۂ عباسی ہارون الرشید کا دل اس طرح رنج والم کا شکار ہوا کہ اس کی رات کی نیند اُڑ گئی ـــــ اس غم واندوہ کے دور کرنے کے لئے کوئی طریقہ کامیاب نہ ہوسکا ـــــ ہارون الرشید نے اپنے وزیر فضیل بن ربیع کو بلایا اور اسے کہا کہ ''میرے دل میں رنج واضطراب کی ایک ایسی پھانس اٹک گئی ہے جو نکالے نہیں نکلتی ـــــ اور اس نے مجھے بے بس کر دیا ہے ـــــ تم کوئی روحانی معالج تلاش کرو جو نفسیات کا ماہر ہو ـــــ ہوسکتا ہے کہ وہ میرے دل کی بے چینی اور بے کلی کا علاج کر دے ـــــ اور میرے دل کا بوجھ ہلکا کر دے۔

وزیر نے سرِ تسلیم خم کیا ـــــ اس کے دل میں خیال آیا کہ خلیفہ کو سراپا اخلاص علماء کے پاس لے جائے ـــــ کیونکہ یہی لوگ روحوں کے معالج اور نفوس کے حکیم ہیں ـــــ وہ خلیفہ کو علم و زہد اور تقویٰ میں معروف تین بڑے علماء کے پاس لے گیا ـــــ انہوں نے خطابت کے جوہر دکھاتے ہوئے ترغیب وترہیب کے موضوع پر خلیفۂ وقت کو لیکچر دیے ـــــ لیکن اسے کچھ فائدہ نہ ہوا ـــــ علم وفضل کے یہ اساطین اس کی ناقابل فہم بے چینی کو دور نہ کر سکے ـــــ ہارون الرشید نے انہیں انعام واکرام سے نوازا اور رخصت ہو گیا ـــــ وزیر کو کہنے لگا: ''بے شک یہ لوگ صدق واخلاص کے پیکر ہیں، لیکن مجھے ان سے کچھ فائدہ نہیں ہوا ـــــ تم بھی محسوس کر سکتے ہو کہ میری حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ـــــ روحانیات اور نفسیات کا کوئی ایسا عالم تلاش کرو جو میرے اضطراب

کا مداوا کر سکے۔"

وزیر نے کہا: "جناب! صرف ایک شخص باقی رہ گیا ہے ----- میرا گمان ہے کہ وہی آپ کا مطلوب شخص ہے اور آپ کو اسی کی تلاش ہے ----- وہی آپ کے سینے کی جلن دور کر سکے گا ----- اور وہی آپ کے حزن وملال اور تکلیف کو دور کر سکے گا۔"

ہارون الرشید نے کہا: وہ کونسا شخص ہے؟ جس کی تعریف میں تم زمین و آسمان کے قلابے ملا رہے ہو ----- تم نے تو مجھے ان کی زیارت کے لئے سراپا اشتیاق بنا دیا ہے۔

وزیر نے کہا: وہ متقی صوفی اور زاہد عالم ہے، جس نے دنیا کو اپنے دل سے نکال کر اپنے سامنے ڈال رکھا ہے ----- جو کسی جاہ وجلال اور درہم ودینار کو خاطر میں نہیں لاتا۔

ہارون الرشید نے کہا: چلئے ان کے پاس چلتے ہیں ----- ممکن ہے ہمیں ان کے پاس دل کی بے قراری کا علاج مل جائے۔

دونوں رات کے اندھیرے میں چلتے ہوئے فضیل بن عیاض کے گھر پہنچ گئے ----- ان کے دروازے پر پہنچے ہی تھے کہ اندر سے فضیل کی آواز سنائی دی ----- وہ خوف زدہ اور دردمند آواز میں قرآن پاک کی ایک ہی آیت بار بار پڑھ رہے تھے ----- اس کے ساتھ ہی آہ وبکا کی دلدوز آواز آرہی تھی، جس نے اِن کے حواس کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

وزیر نے دروازہ کھٹکھٹایا ----- فضیل نے کہا: کون؟ ----- وزیر نے کہا دروازہ کھولئے، امیر المؤمنین رونق افروز ہیں اور ان کا وزیر حاضر ہے۔

فضیل کو خلیفۂ وقت اور اس کے وزیر کی آمد کا دکھ ہوا ----- ان کے دل کی آرزو یہ تھی کہ کوئی ان کے پاس نہ آئے ----- کیونکہ وہ تسبیح، تلاوت اور نماز کے ذریعے اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر تھے ----- ان کا عقیدہ یہ تھا کہ سلاطین اور امراء کی صحبت یادِ الٰہی سے غافل کر دیتی ہے ----- جیسے حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص بادیہ نشینی اختیار کرے

اس کے مزاج میں سختی آجاتی ہے۔۔۔۔ جو شکار کا پیچھا کرے وہ خود غفلت کا شکار ہو جاتا ہے۔۔۔۔ اور جو سلطانِ وقت کے پاس حاضری دے وہ فتنے میں مبتلا ہو جاتا ہے (۲)

یہ بجا کہ سلطان کی اطاعت رعایا پر لازم ہے۔۔۔۔ لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں رہے۔۔۔۔ اور اگر وہ سرکشی اختیار کرے اور حدود سے تجاوز کر جائے تو خالق کی نافرمانی کرنے والی کسی مخلوق کی اطاعت لازم نہیں ہے۔۔۔۔ یہ تھی حضرت فضیل کی رائے۔۔۔۔ اس لئے وہ سلاطین اور امراء سے دور ہی رہتے تھے۔۔۔۔ ان کے قرب اور میل جول پر تنہائی کو ترجیح دیتے تھے۔

حضرت فضیل صاحب ورع وتقوی صوفی تھے۔۔۔۔ اور صوفیہ کے صحیح قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ ہے کہ وہ اعمال کو شریعت کے ترازو میں تولتے ہیں۔۔۔۔ اگر ان کا پلڑا بھاری ہو تو سبحان اللہ!۔۔۔۔ ورنہ صوفیہ کے نزدیک ان اعمال کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

حضرت فضیل نے سوچا کہ خلیفہ بنفس نفیس میرے دروازے پر چل کر آیا ہے اور دروازہ کھولنے کا حکم دے رہا ہے۔۔۔۔ اس میں معصیت اور گناہ کی بھی کوئی بات نہیں ہے۔۔۔۔ فضیل اسلامی شریعت کی مخالفت تو نہیں کر سکتے تھے۔۔۔۔ انہوں نے دروازہ کھول دیا اور اس کے ساتھ ہی چراغ بُجھا دیا اور خود حجرے کے ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئے۔۔۔۔ ان کا یہ طریقہ آج کے عمومی انداز سے بالکل مختلف تھا۔۔۔۔ لوگ تو آرزوئیں کرتے ہیں اور دیدۂ ودل فرش راہ کرتے ہیں کہ کوئی صاحب اقتدار امیر یا وزیر ہمارے ہاں تشریف فرما ہو۔۔۔۔ وہ خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔۔۔۔ بڑے کرّ وفرّ اور خلق خدا کے بے تحاشا ہجوم کے ساتھ ان کا استقبال کرتے ہیں۔۔۔۔ تاکہ ان کی ایک نگاہِ التفات میسر آسکے اور ان کے سامنے دست بستہ کھڑے ہونے کی سعادت حاصل ہو سکے۔

لیکن فضیل بن عیاض نے ایسا استقبال کیا کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی

——— یہ اس شخص کی طرف سے استقبال تھا جو دنیا کے مال و دولت، وقت کے حکمرانوں، اونچے عہدوں اور ان کی چمک دمک کو پرکاہ کی حیثیت نہیں دیتا تھا——— جس کا تمام تر رخ آخرت اور اس کی نعمتوں کی طرف تھا——— وہ حجرے کے ایک گوشے میں سمٹے ہوئے بیٹھے تھے——— اور سانس بھی آہستہ لے رہے تھے، تاکہ خلیفہ کو ان کا پتا نہ چل جائے۔

ہارون الرشید گھپ اندھیرے میں داخل ہوا——— وہاں استقبال کرنا تو بجا بات کرنے والا بھی کوئی نہ تھا——— اس نے فضیل کا نام لے لے کر پکارا، لیکن صدائے برنخاست——— اندھیرے میں خلیفہ اور وزیر دیواروں کو ٹٹولتے اور فضیل کو تلاش کرتے ہوئے آگے بڑھنے لگے——— اچانک رشید کا ہاتھ فضیل کے سر پر جا لگا——— اس نے پکارا: فضیل!——— اس کے باوجود انہوں نے جواب نہیں دیا——— البتہ اتنا ہوا کہ فضیل نے اپنا ہاتھ رشید کے ہاتھ پر رکھ دیا——— اور بڑی ملائمت کے ساتھ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر پھیرنے لگے——— رشید خوش ہو گیا، اس نے واضح طور پر خیر و برکت کے آثار محسوس کیے——— اور جاگتے ہوئے دل و دماغ سے محسوس کیا کہ روحانی محبت کا ایک سیلِ رواں ہے جو فضیل کے ہاتھ سے بہتا ہوا اس کے غافل دل کی طرف موجزن ہے۔

اچانک فضیل نے وہ کلمات کہے جنہیں تاریخ نے سنہرے حروف کے ساتھ اپنے صفحات میں محفوظ کر لیا ہے——— ان کلمات نے پیکرِ اخلاص علماء کا مقام بلند سے بلند تر کر دیا——— اور بادشاہوں کو ان کے دروازوں پر اس حال میں لا کھڑا کیا کہ وہ ان علماء کے قرب کا خواب تو دیکھ سکتے ہیں، لیکن اسے حاصل نہیں کر سکتے——— حدیث نبوی سچ ہے: ہماری امت کے بدترین علماء وہ ہیں جو حکمرانوں کے دروازوں پر جاتے ہیں——— اور ہماری امت کے بہترین حکمران وہ ہیں جو علماء کے درِ دولت پر حاضری دیتے ہیں۔(۳)

ان کلمات نے رشید کا دل اپنی مٹھی میں جکڑ لیا——— اسے مادیت کے جہان

سے جدا کر کے روحانیت کے جہان کی طرف محو پرواز کر دیا ——— اور اسے فضیل کے سامنے ورطۂ حیرت میں ڈبو دیا ——— اسے یہ بات سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کروں اور کیا کہوں؟ ——— وہ بری طرح تردد کی زد میں آ گیا ——— فضیل نے کہا: میرے اللہ! یہ ہاتھ کتنا نرم و نازک ہے؟ ——— کاش یہ جہنم کی آگ سے بچ جائے ——— یہ کلمات رشید کے دل پر نقش ہو گئے ——— وہ چاہتا بھی تو ان کلمات کو بھلا نہیں سکتا تھا۔

رشید نے یہ انوکھے کلمات سنے تو اس کی آنکھوں سے سیلِ اشک رواں ہو گیا ——— اسے ایک انجانی قوت نے اپنی گرفت میں لے لیا ——— یوں معلوم ہوتا تھا کہ رشید کو غائب کر دیا گیا ہے اور اس کی جگہ کوئی دوسرا شخص لا کر کھڑا کر دیا گیا ہے ——— حقیقت یہ ہے کہ مادیت کی محبت سے پاک دل سے صادر ہونے والی خالص نصیحت سلاطین اور حکمرانوں کے دلوں کو فتح کر لیتی ہے ——— ان میں نفسیاتی انقلاب برپا کر دیتی ہے ——— ارباب اقتدار کو پتا ہی نہیں چلتا کہ ان کے دلوں کو کس طرح قابو کر لیا گیا ہے؟ ——— ان کے نفوس کو کس طرح مسخر کر کے غلام بنا لیا گیا ہے؟ اور ان کی ذات میں لچک کہاں سے آ گئی ہے؟ ——— اور وہ کس طرح ان سیدھے سادے لوگوں کے غلام بے دام بن گئے ہیں؟۔

پھر اندھیرے ہی میں فضیل کی آواز ابھرتی ہے:

ہارون! مجھے تیرے بارے میں اس دن کا شدید خوف ہے جس دن پاؤں ڈگمگا جائیں گے ——— اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے! (وزیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کیا اس وقت اس جیسا کوئی ہمدرد تیرے ساتھ ہوگا؟ ——— کیا اس جیسا تیرا کوئی مشیر ہوگا؟

ہارون الرشید پر رقت طاری ہو گئی ——— اور وہ روتے روتے بیہوش ہو گیا ——— وزیر نے دیکھا کہ رشید رو رہا ہے اور اس کی گھگھی بندھی ہوئی ہے تو وہ خوفزدہ ہو گیا ———

سے جدا کر کے روحانیت کے جہان کی طرف محو پرواز کر دیا ـــــ اور اسے فضیل کے سامنے ورطۂ حیرت میں ڈبو دیا ـــــ اسے یہ بات سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کروں اور کیا کہوں؟ ـــــ وہ بری طرح تردد کی زد میں آ گیا ـــــ فضیل نے کہا: میرے اللہ! یہ ہاتھ کتنا نرم و نازک ہے؟ ـــــ کاش یہ جہنم کی آگ سے بچ جائے ـــــ یہ کلمات رشید کے دل پر نقش ہو گئے ـــــ وہ چاہتا بھی تو ان کلمات کو بھلا نہیں سکتا تھا۔

رشید نے یہ انوکھے کلمات سنے تو اس کی آنکھوں سے سیلِ اشک رواں ہو گیا ـــــ اسے ایک انجانی قوت نے اپنی گرفت میں لے لیا ـــــ یوں معلوم ہوتا تھا کہ رشید کو غائب کر دیا گیا ہے اور اس کی جگہ کوئی دوسرا شخص لا کر کھڑا کر دیا گیا ہے ـــــ حقیقت یہ ہے کہ مادیت کی محبت سے پاک دل سے صادر ہونے والی خالص نصیحت سلاطین اور حکمرانوں کے دلوں کو فتح کر لیتی ہے ـــــ ان میں نفسیاتی انقلاب برپا کر دیتی ہے ـــــ اربابِ اقتدار کو پتا ہی نہیں چلتا کہ ان کے دلوں کو کس طرح قابو کر لیا گیا ہے؟ ـــــ ان کے نفوس کو کس طرح مسخر کر کے غلام بنا لیا گیا ہے؟ اور ان کی ذات میں لچک کہاں سے آ گئی ہے؟ ـــــ اور وہ کس طرح ان سیدھے سادے لوگوں کے غلام بے دام بن گئے ہیں؟۔

پھر اندھیرے ہی میں فضیل کی آواز ابھرتی ہے:

ہارون! مجھے تیرے بارے میں اس دن کا شدید خوف ہے جس دن پاؤں ڈگمگا جائیں گے ـــــ اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے! (وزیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کیا اس وقت اس جیسا کوئی ہمدرد تیرے ساتھ ہوگا؟ ـــــ کیا اس جیسا تیرا کوئی مشیر ہوگا؟

ہارون الرشید پر رقت طاری ہو گئی ـــــ اور وہ روتے روتے بیہوش ہو گیا ـــــ وزیر نے دیکھا کہ رشید رو رہا ہے اور اس کی گھگھی بندھی ہوئی ہے تو وہ خوفزدہ ہو گیا ـــــ

کہنے لگا: فضیل !امیرالمؤمنین پر نرمی کریں ـــــ ان کے حال پر ترس کھائیں، ذرا دیکھیں ان کا کیا حال ہو گیا ہے؟

رشید دھاڑیں مار کر رو رہا تھا ـــــ فضیل نے وزیر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''ربیع! تم اور تمہارے ساتھی اسے اپنی مجلسوں میں قتل کرتے ہو ـــــ اور مجھ سے مطالبہ کرتے ہو کہ میں اس پر نرمی کروں؟ ـــــ اسے میرے پاس لانے سے پہلے کیوں نہ اسے نصیحت کی اور کیوں نہ اس پر نرمی کی؟ ـ''

رشید کو رونے سے کچھ مہلت ملی، آنسو اس کے رخساروں پر بہ رہے تھے ـــــ اسی حالت میں اس نے آہستہ اور عاجزانہ آواز میں کہا: فضیل! اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے مزید ارشاد فرمائیں ـــــ کچھ اور فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے ـ

فضیل نے اسے بڑی بلیغ نصیحتیں فرمائیں جو اس کے دل میں اتر گئیں ـــــ اس نے بھی بڑی نیاز مندی سے سنیں ـــــ رشید روحانی فرشتہ بن چکا تھا جو کانوں سے نہیں، بلکہ دل سے سن رہا تھا ـــــ اس کا نفس تختِ حکومت سے اتر کر سعید اور طاہر غلامی کی دہلیزوں تک پہنچ چکا تھا ـ

رشید اِن مواعظ کو سن کر رو پڑا ـــــ کیونکہ یہ ایسے پُر خلوص اور سچے دل سے برآمد ہوئی تھیں، جو وعظ و نصیحت میں اپنے رب کریم کی رضا کے علاوہ کسی چیز کا طلب گار نہ تھا ـ

رشید نے کہا: ''فضیل کچھ مزید فرمائیں! ـــــ کچھ اور فرمائیں!''

فضیل اس کی طرف متوجہ ہوئے ـــــ اور اس کے چہرے پر نگاہیں گاڑتے ہوئے مسکرائے ـــــ اور یوں گویا ہوئے:

''اے حسین چہرے والے! (رشید حسین و جمیل تھا اور اس کا رنگ بھی گورا تھا)

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تجھ سے اس مخلوق کے بارے میں باز پرس فرمائے گا ـــــ اگر تو اس حسین چہرے کو آگ سے بچا سکتا ہے تو بچا لے ـــــ اور تو اس حال میں ہرگز صبح یا شام نہ کر کہ تیرے دل میں رعایا کے کسی فرد کی طرف سے کھوٹ ہو ـــــ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس بندے کو اللہ تعالیٰ رعایا کا پاسبان مقرر فرمائے، اور وہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت رعایا سے کھوٹ رکھنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام فرما دے گا ـــــ اس حدیث کو امام بخاری اور مسلم نے روایت کیا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود اور ابن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن ہر غدّار کی پیٹھ کے پاس ایک جھنڈا ہو گا، جو اس کی غدّاری جتنا اونچا ہو گا ـــــ عامۃ الناس کے غدّار حکمران سے بڑا کوئی غدّار نہیں ہے ـــــ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا۔

رشید پر بے ساختہ گریہ طاری ہو گیا ـــــ اس کے سیاہ ماضی کی فلم اس کی آنکھوں کے سامنے لہرا گئی ـــــ اس نے آرزو کی کہ کاش میں خلیفہ نہ ہوتا اور نہ ہی مجھ سے رعایا کے بارے میں باز پرس کی جاتی ـــــ کاش کہ میں زہد و تقویٰ اور دنیا سے دوری کے اعتبار سے فضیل کی چادر اوڑھ لیتا ـــــ تو میں بھی ان کی طرح ثواب و عقاب کے بغیر رہائی پا جاتا۔

رشید نے پوچھا: کیا آپ کے ذمہ کچھ قرض ہے؟ ـــــ اس کا خیال تھا کہ یہ نادار اور مقروض ہوں گے لہٰذا ان کی امداد کر دی جائے ـــــ آپ نے فرمایا: ہاں۔

رشید خوش ہو گیا ـــــ اس نے سوچا کہ میں ان کا قرض ادا کر دوں گا ـــــ اور ان کی زندگی کو خوشحالی سے ہمکنار کر دوں گا ـــــ کیونکہ فضیل ہمیشہ یہ دعا مانگا کرتے تھے: اے اللہ! میری اصلاح فرما اور میرا فقر و فاقہ دور فرما ـــــ رشید نے پوچھا: کتنا قرض ہے؟

اس نے سوچا کہ ان پر دراہم و دنانیز کا قرض ہوگا ——— میں وہ ادا کر کے ان کو فقر و افلاس سے نجات دلا کر خوشحال زندگی سے آشنا کر دوں گا ——— حضرت فضیل نے اپنے ذمہ واجب الاداء قرض کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا کہ ہاں! مجھ پر میرے رب کا قرض ہے جس پر اس نے میرا محاسبہ نہیں فرمایا ——— اگر اس نے تفتیش فرمائی تو میری تباہی ہے ——— اور اگر دلیل میرے دل میں القا نہ کی گئی تو میری ہلاکت ہے ——— رشید فضیل کی سچی اور روحانی پرواز کی بلندی دیکھ کر حیران رہ گیا جس میں مادی منفعت کا شائبہ تک نہ تھا ——— رشید کو یوں محسوس ہوا کہ میں کسی معصوم آسمانی فرشتے سے گفتگو کر رہا ہوں جو نہ تو دنیا کو پہچانتا ہے اور نہ ہی دنیا کے مال و دولت سے کوئی تعلق رکھتا ہے۔

رشید نے پھر سوال کیا کہ میں بندوں کے قرض کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔

فضیل نے جواب دیا اور ایک دفعہ پھر اسے روحانی عالم بالا کی طرف لوٹا دیا ——— حکمران دنیا پر فریفتہ ہوتے ہیں اور دنیا ان کی عاشق ہوتی ہے ——— وہ دنیا سے چمٹ جاتے ہیں، اور دنیا ان سے چمٹ جاتی ہے ——— اس لئے ان سے دنیا کے اثرات اسی وقت زائل ہو سکتے ہیں جب وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرنے والے عارف باللہ علماء و اولیاء کے سامنے اس قسم کی روحانی مجلسوں میں حاضر ہوں گے۔

فضیل نے فرمایا: ''ہارون! میرے رب نے مجھے دنیا کی فکر کرنے کا حکم نہیں دیا ——— اس نے تو مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں اس کے وعدے کی تصدیق کروں اور اس کا حکم بجا لاؤں ——— رب کریم کا ارشاد ہے: (ترجمہ) میں نے جن و انس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا، میں ان سے رزق بھی نہیں چاہتا، اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ وہ مجھے کھلائیں، بے شک اللہ ہی بہت رزق دینے والا، قوت والا، زبردست ہے۔''

رشید پر حیرت چھا گئی ——— وہ یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ اس مضبوط اور پر خلوص ایمان

اور یقین راسخ کے آگے کیا کرے؟ـــــــ اس نے کہا: ''فضیل! یہ ایک ہزار دینار لے لیجئے، انہیں اپنے اہل وعیال پر خرچ کیجئے اور کھاپی کر عبادت کرنے کی طاقت حاصل کیجئے! ـــــــ اس کا خیال تھا کہ فضیل قبول کرلیں گے اور بڑے خوش ہوجائیں گے ـــــــ کیونکہ میں نے انہیں معقول بات کہی ہے اور واجب شرعی کا حوالہ دیا ہےـــــــ اس لئے کہ اہل وعیال کا خرچ شرعاً بھی واجب ہے اور عقلاً بھی ـــــــ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کی قوت حاصل کرنا بھی آدمی پر واجب ہے۔

لیکن فضیل یہ ہدیہ قبول کرنے پر تیار نہ ہوئے ـــــــ انہوں نے سلاطین اور حکمرانوں کے تحائف کو رشوت اور مشکوک قرار دیا ـــــــ یہ لوگ کسی کو دنیا کا کچھ حصہ دیتے ہیں تو اس سے زیادہ اس کے دین کا حصہ لے لیتے ہیں ـــــــ نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے: ''ہماری امت کے کچھ لوگ دین کی سمجھ حاصل کریں گے اور قرآن پڑھیں گے ـــــــ وہ کہیں گے کہ ہم حکمرانوں کے پاس جاتے ہیں اور ان کی دنیا کا ایک حصہ حاصل کرتے ہیں ـــــــ لیکن ہم اپنا دین بچا کر رکھیں گے ـــــــ (سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا) جس طرح ٹُھنڈ کنڈے سے سوائے کانٹوں کے کچھ حاصل نہیں ہوتا، اسی طرح حکمرانوں (اور امراء) کے قرب سے گناہوں کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا۔''[۴]

چنانچہ فضیل نے معذرت کی اور یہ کہتے ہوئے ہدیہ واپس کردیا:

''سبحان اللہ! میں تمہیں نجات کا راستہ بتاتا ہوں ـــــــ اور تم اس کے بدلے مجھے ایسی چیز دیتے ہو؟ ـــــــ اللہ تعالیٰ تمہیں سلامت رکھے اور توفیق خیر عطا فرمائے۔''

اس کے بعد فضیل نے چپ سادھ لی اور ایک لفظ تک منہ سے نہ نکالا ـــــــ ان دونوں نے سمجھ لیا کہ یہ خلوت اور رخصت چاہتے ہیں ـــــــ چنانچہ وہ دونوں چلے آئے

——ہاں چلے تو آئے، لیکن فضیل کا کلام ان کی روح میں اتر گیا اور ان میں ایسا نفسیاتی انقلاب برپا کر گیا جس نے ان کی زندگی کا دھارا بدل دیا۔ رشید پر چھائی ہوئی غم والم کی دھند دور ہوگئی——اس نے اپنے دل میں روحانی محبت محسوس کی جس نے اس کے ایمان ویقین کو نئی جلا بخش دی—— فضیل کے پاس یہ مبارک نشست اس کی آیندہ زندگی کے لئے نقطۂ انقلاب ثابت ہوئی، یہاں تک کہ وہ اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا۔

پس جب خشیت الٰہی سے آباد دل سے پاکیزہ کلام نکلتا ہے تو وہ براہِ راست دلوں میں اتر جاتا ہے۔

تبصرہ:

تاریخ اسلام کے دورِ اول میں اس شان کے حامل عالم اور زاہد تھے جن کے دروازوں پر سلاطین اور حکمران چل کر آتے تھے——ان کی دین داری کی گواہی دیتے تھے اور ان کی نصیحت پر عمل پیرا ہوتے تھے——اور ان کا قرب حاصل کرنے کے مقاصد صرف یہ تھے: (۱) خالص نصیحت (۲) اللہ تعالیٰ کے راستے میں کوشش اور (۳) امت مسلمہ کا فائدہ۔

سلاطین اور امراء اس قسم کے سراپا اخلاص علماء کو اپنے خصوصی مشیر بناتے تھے ——تاکہ اگر ان کے قدم پھسل جائیں تو یہ لوگ ان کی بے راہروی کی اصلاح کر دیں ——وہ ڈرتے تھے کہ کہیں ہم اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے کاموں میں واقع نہ ہو جائیں ——وہ چاہتے تھے کہ جب ہم بھول جائیں تو یہ حضرات ہمیں یاد دلائیں——اور جب راہِ راست سے بھٹک جائیں تو یہ ہمیں سیدھے راستے پر چلائیں۔

۱۔ فضیل بن عیاض (۱۰۵۔۱۸۷ھ = ۷۲۳۔۸۰۴ء) ابن مسعود تمیمی یربوعی کی کنیت ابوعلی ہے، وہ خرم مکی کے شیخ اور ...ہ براولیاء وعابدین میں سے تھے، حدیث میں معتبر تھے، ان سے کثیر مخلوق نے استفادہ کیا، ان میں سے امام شافعی بھی

ہیں، سمرقند میں پیدا ہوئے، ابیورد میں پلے بڑھے، بڑی عمر میں کوفہ پہنچے، ان کے آباء کوفہ ہی سے تعلق رکھتے تھے، پھر مکہ معظمہ میں مقیم ہو گئے اور وہیں فوت ہوئے، ان کا مقولہ ہے: مَنْ عَرَفَ النَّاسَ اسْتَرَاحَ ، جو لوگوں کو پہچان لیتا ہے وہ راحت میں رہتا ہے (یعنی دھوکہ نہیں کھاتا) الأعلام للزرکلی ۵/ ۱۵۳ —— حضرت فضیل ڈاکوؤں کے سردار تھے، اللہ تعالیٰ کے فضل نے یاوری کی تو ایک واقعہ ان کی زندگی میں انقلاب برپا کر گیا، ہوا یہ کہ دیوار پھلانگ کر ایک گھر کے اندر جانا چاہتے تھے کہ ان کے کانوں میں آواز آئی، قاری صاحب پڑھ رہے تھے:

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ ۔ کیا مومنوں کے لئے وہ وقت قریب نہیں آیا؟ کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لئے خشوع (خشیت) سے معمور ہو جائیں؟

یہ آواز کیا تھی؟ بجلی کا کڑکا تھا، جو دل کی دنیا کو تہ و بالا کر گیا، اسی وقت سچے دل سے رب کریم کی بارگاہ میں توبہ کی اور بعد ازاں امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگردوں میں شامل ہو گئے اور اکابر شاگردوں میں شمار ہوئے۔

نوٹ: حضرت شیخ فرفور رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت فضیل کا تعارفی نوٹ بہت مختصر لکھا تھا، اس لئے راقم نے یہ چند سطور تحریر کر دی ہیں۔ ۱۲ شرف قادری

۲۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد، نسائی اور ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سندِ حسن کے ذریعے روایت کیا ہے۔ فرفور

شیخ اسمٰعیل بن محمد عجلونی فرماتے ہیں اس حدیث کو امام طبرانی، امام احمد اور امام بیہقی نے روایت کیا (کشف الخفاء ۲/ ۲۳۶ ۱۲۔ شرف قادری

۳۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا، اس کی سند میں اگرچہ گفتگو ہے، لیکن ایسی روایت فضائل اعمال میں مقبول ہوتی ہے۔

۴۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سند صحیح سے روایت کیا۔

شیطان کے جال

حضرت علی بن زید، امام التابعین سعید بن مسیبؒ (۱) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

''شیطان جس شخص سے بھی مایوس ہوتا ہے، اس پر عورتوں کی طرف سے حملہ آور ہوتا ہے۔''

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ہم نے مردون کے لئے عورتوں سے زیادہ نقصان دہ فتنہ نہیں چھوڑا۔'' (۲)

امام سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ اپنے بڑھاپے اور تقوٰی کے باوجود اکثر اپنی ذات پر عورتوں کی طرف سے خائف رہتے تھے (کہیں ان کی طرف سے کوئی نقصان نہ پہنچ جائے) ـــــ چوراسی سال کی عمر تھی ـــــ ایک آنکھ کی بینائی ختم ہو چکی تھی ـــــ صرف ایک آنکھ سے دیکھتے تھے ـــــ اس عالم میں بھی یہی کہتے تھے:

''میرے نزدیک کوئی چیز عورتوں سے زیادہ خطرناک نہیں ہے۔'' (۳)

ان کا یہ ارشاد سرچشمۂ نبوت سے ماخوذ ہے ـــــ حدیث شریف میں ہے:

اے عورتوں کے گروہ! صدقہ دو ـــــ ہم نے آگ میں تمہاری اکثریت دیکھی ہے۔ (۴)

امام سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: بندوں کے پاس اپنی جانوں کو عزت دینے کے لئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت ایسی کوئی چیز نہیں ہے ـــــ اور اپنی جانوں کی توہین کے لئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ایسی کوئی چیز نہیں ہے ـــــ مومنوں کے لئے نصرت خداوندی کا کرشمہ یہ ہے کہ ان میں سے کوئی شخص اپنے دشمن کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں

مصروف پائے۔

یہ بھی انہیں کا ارشاد ہے:

''جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی بنا پر غنا حاصل کر لے، لوگ اس کے محتاج ہو جاتے ہیں۔''

یہ بھی انہیں کا مقولہ ہے:

''دنیا گھٹیا ہے ـــــ گھٹیا ہی کی طرف زیادہ میلان رکھتی ہے اور سب سے زیادہ گھٹیا وہ ہے جو ناجائز طور پر دنیا کو حاصل کرے ـــــ اور اسے ناجائز ذریعے اور ناجائز طریقے سے طلب کرے۔''

۱۔ حضرت سعید بن مسیّب (یاء کے نیچے زیر) کی کنیت ابو محمد ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے آغاز کے دو سال بعد پیدا ہوئے۔ صاحب ہیبت و وقار تھے، امام التابعین کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں، جس طرح حکمرانوں سے اجازت لینے کے بعد ہی ان سے کوئی سوال کیا جا سکتا ہے، اسی طرح کسی کی جرأت نہ تھی کہ ان سے اجازت لئے بغیر ان سے سوال کرے، چوراسی سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں وفات پائی، رحمہ اللہ تعالیٰ۔ ۱۲ صفۃ الصفوۃ کسی قدر تصرف کے ساتھ۔

۲۔ اس حدیث کو امام بخاری نے باب النکاح میں اور امام مسلم نے باب الذکر میں روایت کیا۔

۳۔ ایک دفعہ شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ لاہور کے ایک پارک میں تقریر کر رہے تھے، پارک میں بارش کا پانی کھڑا تھا، کچھ خواتین پانی میں اینٹیں رکھ کر ان پر بیٹھی ہوئی تقریر سن رہی تھیں، اچانک علامہ صاحب کی ان پر نظر پڑ گئی، برجستہ فرمانے لگے: ''ان عورتوں کا بھی جواب نہیں ہے، برائی کے راستے پر چلیں تو سب سے آگے اور اگر نیکی کے راستے پر چلیں تو بھی سب سے آگے، یہ دیکھئے پانی میں بیٹھی ہوئی وعظ سن رہی ہیں'' ـــــ حضرت سعید بن مسیب کا مقصد یہ ہے کہ عورتوں کی بے راہروی اور بے پردگی بہت بڑا فتنہ ہے، دین کے خادموں، علماء اور مشائخ کو خاص طور پر نامحرم عورتوں سے خلوت میں ملاقات نہیں کرنی چاہیے، شیخ سعدی فرماتے ہیں: چو گل بسیار شد پیلاں بلغزند، جب کیچڑ زیادہ ہو تو بڑے بڑے ہاتھی بھی پھسل جاتے ہیں، یہ مخالفین کو تہمت لگانے کا موقع فراہم کرنے والی بات ہے۔ اسی طرح مرد ڈاکٹروں کا تنہائی میں مریض خواتین کا چیک اپ کرنا بھی شرعاً ناجائز ہے۔ ۱۲ اشرف قادری

۴۔ یہ حدیث امام بخاری نے باب الزکوۃ، حیض، عیدین اور شہادات میں روایت کی ہے۔

حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ (۱) جہاد میں پیش قدمی اور جنگوں میں شجاعت اور تجربے کے اعتبار سے بہت نمایاں مقام رکھتے تھے ـــــ اس لئے حضرت ابوعبیدہ (کمانڈران چیف) اور حضرت خالد بن ولید نے غزوۂ اجنادین میں انہیں دشمن کے مقابلے میں بھیجنے کے لئے منتخب کیا۔

حضرت خالد بن ولید نے فرمایا: ضرار! میں چاہتا ہوں کہ آپ کو ان پانچ ہزار جانبازوں کا کمانڈر بنادوں، جنہوں نے اپنی جانیں اللہ تعالیٰ کے پاس بیچ دی ہیں ـــــ اور دنیا پر آخرت کو ترجیح دی ہے ـــــ یہ سربکف مجاہدین اُس دشمن کا مقابلہ کرنے جا رہے ہیں جو خود چل کر ہمارے مدّ مقابل آیا ہے ـــــ اگر آپ سمجھیں کہ ان کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے تو ان کے ساتھ جنگ کریں ـــــ اور اگر آپ محسوس کریں کہ مقابلہ بس سے باہر ہے تو ہمیں پیغام بھیج دینا۔

حضرت ضرار نے سیدنا خالد کی گفتگو سنی تو فرطِ مسرت سے اچھل پڑے ـــــ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ابھی ہوا میں پرواز کر جائیں گے ـــــ بے ساختہ پکار اٹھے:

نعرۂ تکبیر! ـــــ واہ وا ـــــ سبحان اللہ! ـــــ آپ نے دل خوش کر دیا ـــــ ابن ولید! اللہ کی قسم! اس سے بڑی خوشی مجھے زندگی میں کبھی نہیں ملی ـــــ مجھے اجازت دیجئے! میں تنہا دشمن کے مقابلے میں جاتا ہوں ـــــ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں شہادت حاصل کرلوں گا۔

تاریخ اسلام کے ابتدائی دور میں بوڑھے ہوں یا جوان، عورتیں ہوں یا بچے سب کا ایک ہی مدعا تھا —— شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن —— وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے لئے نکلتے تھے تو دنیا کی طرف اس حقارت سے دیکھتے تھے جس طرح ہم مردہ گدھے کو دیکھتے ہیں۔

حضرت خالد بن ولید نے یہ گفتگو سنی تو مسکراتے ہوئے فرمانے لگے: میری زندگی کے پالنہار کی قسم! آپ واقعی ضرار ہیں —— آپ واقعی ضرار ہیں —— لیکن میری رائے میں احتیاط یہ ہے کہ آپ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالیں —— اس لئے آپ اپنے ساتھی جیالوں کے ساتھ روانہ ہوں —— اللہ تعالیٰ آپ کی امداد فرمائے —— ضرار! اپنے اوپر مہربانی کریں —— اور مجاہدین کے جمع ہونے کا انتظار کریں۔

حضرت ضرار نے فرمایا:

اللہ کی قسم! میں نہ تو ٹھہروں گا اور نہ ہی انتظار کروں گا —— اللہ تعالیٰ کو جس کی بھلائی منظور ہو گی وہ خود مجھ تک پہنچ جائے گا۔

انہوں نے زرہ پہنی اور گھوڑے پر سوار ہو کر دشمن کی طرف ایڑ لگا دی —— کچھ آگے جا کر انہوں نے انتظار کیا، یہاں تک کہ مجاہدین ان کے پاس پہنچ گئے —— سب سے آگے حضرت ضرار تھے۔

حضرت ضرار نے دیکھا کہ ہمارے مقابل بہت بڑا لشکر ہے —— اور وہ بکھرے ہوئے ٹڈی دل کی طرح اتر رہا ہے —— مزید برآں یہ کہ وہ سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق ہے —— حضرت ضرار کے ساتھیوں نے اس لشکر جرار کو دیکھا تو اس کی تعداد اور ساز و سامان کی کثرت کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے —— دشمن کا رعب ان پر بری طرح چھا گیا —— کہنے لگے:

”ضرار! اللہ کی قسم! اس لشکر کا مقابلہ کرنا ہمارے بس سے باہر ہے—— ہمیں واپس جانے دیجئے!—— کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن کامیاب ہو جائے اور ہم نقصان اٹھائیں۔“

حضرت ضرار نے یہ گفتگو سنی تو قید سے رہا ہونے والے شیر کی طرح چست ہو گئے——ان کی جرأت، قوت اور شجاعت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا—— کیونکہ انہیں اس بات کا یقین اور پختہ اعتقاد تھا کہ فتح و نصرت کثرتِ تعداد کی بنا پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ان کے پیش نظر تھا:

”بہت سے چھوٹے گروہ اللہ کے اذن سے بڑے گروہ پر غالب آ گئے ——اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“ (۲)

انہوں نے جواباً ایسی گفتگو کی جو اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد و توکل اور ایمان سے معمور دل سے برآمد ہوئی تھی——انہوں نے فرمایا:

”میرے مجاہد بھائیو! اللہ کی قسم! میں یہ تلوار اللہ تعالیٰ کے راستے میں چلاتا رہوں گا——میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے حضرات کے نقشِ قدم پر چلتا رہوں گا——اللہ تعالیٰ مجھے پسپا ہوتے ہوئے نہیں دیکھے گا—— اور میں دشمن کو پیٹھ نہیں دکھاؤں گا—— کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے: (ترجمہ)

”اے ایمان والو! جب میدانِ جنگ میں تمہارا کافروں سے آمنا سامنا ہو جائے تو ان سے پیٹھ نہ پھیرو، اور جو شخص اس دن ان سے پیٹھ پھیرے گا، سوائے اس کے جو لڑائی کی چال چلتا ہو یا اپنی جماعت سے ملنا چاہتا ہو، تو بے شک وہ اللہ

کا غضب لے کر پھرا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔(۳)

حضرت ضرار نے ابھی گفتگو مکمل نہیں کی تھی کہ مجاہدین کے دلوں میں اس کا عظیم اثر رونما ہوا ـــــ ان کے کمزور عزائم یک دم چٹان کی طرح مضبوط ہو گئے ـــــ اور عزم و ہمت سے عاری دل زندگی کی حرارت سے لبریز ہو گئے۔

ان کے بعد رافع بن عمیرہ طائی کھڑے ہوئے ـــــ انہوں نے حضرت ضرار کی اپیل پر لبیک کہتے ہوئے اور جرأت و ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا:

برادرانِ اسلام! ان عجمی کافروں سے ڈرنے کا کیا مطلب؟ ـــــ کیا اللہ تعالیٰ نے بہت سے مواقع پر تمہاری امداد نہیں کی؟ ـــــ کیا آپ نہیں جانتے کہ فتح و نصرت صبر اور سچائی کے دوش بدوش ہے؟ ـــــ ہمیشہ ہمارے چھوٹے لشکر بڑے بڑے لشکروں سے ٹکراتے رہے ہیں ـــــ لہٰذا تم اہل ایمان کے راستے کی پیروی کرو ـــــ رب العالمین کی بارگاہ میں گڑگڑاؤ ـــــ اور وہی دعا مانگو جو طالوت کی قوم نے جالوت کے مقابلے کے وقت مانگی تھی:

اے ہمارے رب! ہم پر صبر کے دہانے کھول دے ـــــ ہمیں ثابت قدمی عطا فرما ـــــ اور کافر قوم کے خلاف ہماری امداد فرما۔[۴]

رافع کی گفتگو کیا تھی؟ ـــــ یوں معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے اپنے دل کا ایک ٹکڑا اور ایمان کا ایک انگارہ نکال کر حاضرین کی ہتھیلی پر رکھ دیا ہے ـــــ ان کی گفتگو مکمل ہونے سے پہلے ہی ان کی پاکیزہ اور عظیم روح حاضرین پر چھا گئی ـــــ ان میں غیر شعوری حرکت پیدا ہوئی اور وہ غیر ارادی طور پر ان کی طرف جھکتے چلے گئے ـــــ ان کی روحیں اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور خوشنودی کے لئے سراپا اشتیاق بن گئیں ـــــ ان کے دلوں کی مایوسی ختم ہو گئی ـــــ اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد نے مایوسی کی جگہ لے لی۔

سچے اور مخلص قائد کا یہی مقام ہے کہ اس کی روح، پھونک مار کر مردہ لشکروں کے دلوں کو زندہ کر دیتی ہے ـــــ ان میں ملکوتی اور نفسیاتی انقلاب برپا کر دیتی ہے ـــــ اور دنیا کی محبت کی نجاست کھرچ کر دلوں کو پاک کر دیتی ہے ـــــ تب ہر سپاہی ایک امت بن جاتا ہے اور پوری امت کا کردار ادا کرتا ہے۔

مجاہدین نے رافع کا خطاب سنا جو سچے اور ایمان سے بھرے ہوئے دل سے صادر ہوا تھا ـــــ رافع کی تائید کرتے ہوئے دوسرے جاں باز بھی پورے ذوق وشوق سے جنگ کے لئے آمادہ اور جہاد کی گرم بازاری میں چھلانگ لگانے پر تیار ہو گئے۔

حضرت ضرار نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے اپنے فضل سے مجاہدین کے دلوں کو بزدلی اور مایوسی سے نکال کر جرأت اور جنگ کی طرف پھیر دیا ہے ـــــ رافع اور ان کی تائید کرنے والے مجاہدین کی ستائش کی ـــــ حضرت ضرار نے جو کچھ دیکھا اور سنا اس سے نہ صرف یہ کہ انہیں خوشی ہوئی، بلکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں ـــــ تب انہوں نے بلند آواز سے اپنی قوم کو پکارا ـــــ اور انہیں وہ وعدہ یاد دلایا جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: کہنے لگے:

''اے مومنو! بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال جنت کے بدلے خرید لئے ہیں۔'' (۵)

یہ جنت تمہارے سامنے ہے ـــــ قبضے کے بازار کی طرف اٹھو ـــــ اور نہایت مہربان اور کرم گستر رب سے جنت وصول کر لو۔

حضرت ضرار نے زرہ تو کیا قمیص بھی اتار دی ـــــ ان کے جسم پر صرف زیر جامہ تھا جو ستر عورت کا کام دے رہا تھا اور بس ـــــ ان کے ہاتھ میں بغیر پھل کے طویل رُدَینی نیزہ تھا، یہی ان کا کل اسلحہ تھا ـــــ وہ اپنے ساتھیوں کو صبر اور ثابت قدمی کی

تلقین کر رہے تھے ـــــ وہ شوقِ شہادت سے اس عاشق کی طرح سرشار تھے جسے اپنے معشوق سے بچھڑے ہوئے طویل عرصہ گزر گیا ہو ـــــ انہیں اس بات کی پروا نہیں تھی کہ وہ موت پر گرتے ہیں یا موت ان پر گرتی ہے۔

اسی حالت میں تنہا میدان میں نکل آئے اور نعرۂ تکبیر بلند کیا ـــــ تمام مجاہدین نے بیک زبان ہو کر نعرۂ تکبیر لگایا ـــــ اس نعرے کو سن کر مشرکوں کے دل ان کے سینوں میں بیٹھ گئے ـــــ سب سے بڑا نعرہ جس سے میدانِ جنگ میں کافروں کے دل دہل جاتے ہیں یہی ہے (اللہ اکبر ـــــ اللہ اکبر) یہ کافروں کے دلوں پر بجلی کی طرح گرتا ہے۔

مشرکین حضرت ضرار کو اس حالت میں دیکھ کر دنگ رہ گئے ـــــ ان کے جسم پر صرف اتنا کپڑا تھا جو ستر عورت کا کام دے رہا تھا ـــــ ورنہ سر بھی ننگا اور باقی جسم بھی ننگا تھا ـــــ گویا وہ زبانِ حال سے کہہ رہے تھے کہ میرے نزدیک تمہاری کوئی حیثیت ہے اور نہ ہی تمہارے ہتھیاروں کی ـــــ تمہاری دنیا سے میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہادت اور اس کی رضا حاصل ہو جائے۔

میدان جنگ میں مسلم اور غیر مسلم کا بنیادی فرق یہ ہے کہ مسلمان میدانِ جنگ میں اس یقین کی بنا پر پیش قدمی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہو جانا تمام دنیا سے بہتر ہے ـــــ شہادت اسے ہر محبوب سے زیادہ محبوب ہوتی ہے ـــــ غیر مسلم کو اپنی جان کا خوف لاحق رہتا ہے ـــــ وہ سمجھتا ہے کہ یہ چلی گئی تو پھر واپس نہیں آئے گی ـــــ کیونکہ وہ موجودہ زندگی کے بدلے حیاتِ جاودانی کا قائل ہی نہیں ہوتا ـــــ اسی لئے آپ دیکھتے ہیں کہ قلتِ تعداد اور ساز و سامان کی کمی کے باوجود فتح سچے مسلمانوں کی ہوتی ہے ـــــ مشرکین اپنی عددی برتری اور سامانِ جنگ کی فراوانی کے باوجود فتح سے محروم رہتے ہیں ـــــ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے؟

تَـاَخَّـرْتُ اَسْتَبْـقِـىْ الْـحَـيَـاةَ فَلَمْ اَجِدْ
لِـمِثْلِـىْ حَـيَـاةً مِثْلَ اَنْ اَتَـقَـدَّ مَـا

''میں زندگی کو بچانے کے لئے پیچھے ہٹا، تو میں نے اپنے جیسے شخص کے لئے آگے بڑھنے جیسی زندگی نہیں پائی۔''

ہاں! حضرت ضرار کے برہنہ جسم کے منظر نے مشرکین پر سکتہ طاری کر دیا ــــــ انہوں نے دیکھا کہ ہمارا پورا جسم آہنی چادروں سے ڈھانپا ہوا ہے ــــــ اور ان کے جسم پر ستر عورت کے علاوہ کوئی کپڑا نہیں ہے ــــــ اِن سچے اور نا قابل شکست عزائم کے سامنے اُن کے عزائم ریت کی دیوار ثابت ہوئے ــــــ ان کی آنکھوں نے جو کچھ دیکھا اس سے ان کے دل بزدلی اور پسپائی کا شکار ہو گئے ــــــ وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ یہ مرد میدان ایسی خوفناک جنگ میں کس طرح ننگے سر اور ننگے بدن پیش قدمی کر رہا ہے؟ ــــــ اسے یہ خوف ہی نہیں کہ اس کے جسم پر تلوار یا نیزے کا وار لگ سکتا ہے ــــــ اللہ کی قسم! ہم نے تو اپنے شہسواروں میں بھی ایسی دلاوری نہیں دیکھی ــــــ ہم تو یہ سوچ بھی نہیں سکتے۔

پھر مسلم مجاہدین نے یکبارگی نعرۂ تکبیر بلند کیا ــــــ جنگ شروع ہو گئی ــــــ یہاں تک کہ نقطۂ عروج کو پہنچ گئی اور پنڈلی کے ساتھ پنڈلی ٹکرانے لگی ــــــ حضرت ضرار نے زوردار حملہ کیا اور مشرکین کی صفیں الٹ دیں ــــــ وہ نیزے کے جوہر دکھاتے رہے اور کشتوں کے پشتے لگاتے چلے گئے ــــــ وہ مجاہدین کو صبر و استقامت کی اپیل کرتے ہوئے یہ آیت کریمہ پڑھ رہے تھے (ترجمہ):

''بے شک اللہ ان لوگوں سے محبت فرماتا ہے جو اس کے راستے میں اس طرح صفیں باندھ کر لڑتے ہیں جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں۔''(٦)

حضرت ضرار مشرکوں کو بڑی چابکدستی سے جہنم رسید کررہے تھے ـــــ اچانک ان کی نگاہ شاہِ روم کے بیٹے ہمدان پر پڑی جو اپنے گھوڑے کا رخ پھیر کر راہِ فرار اختیار کررہا تھا ـــــ حضرت ضرار بجلی کے کوندے کی طرح اس کے سر پر پہنچ گئے ـــــ نیزے کا اتنا شدید وار کیا کہ اس کے سینے میں کھڑکی کھل گئی ـــــ جب نیزہ واپس کھینچا تو اس کا پھل (۷) کندھے کی ہڈی کے ساتھ ہی چپک کر رہ گیا ـــــ ان کے ہاتھ میں پھل کے بغیر صرف لکڑی کا نیزہ رہ گیا ـــــ وہ اسی کی نوک کو استعمال کرتے ہوئے جنگ کرتے رہے۔ ـــــ رومیوں نے جب دیکھا کہ ان کے پاس بغیر پھل کے نیزہ ہے تو ان پر اجتماعی طور پر حملہ آور ہو گئے ـــــ انہیں زخموں سے چور کر دیا ـــــ وہ پوری ہمت کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے، بالآخران کے قویٰ جواب دے گئے ـــــ اور دشمن نے انہیں گرفتار کر لیا ـــــ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اس میں کیا راز تھا؟

دنیائے جنگ کا یہ دستور ہے کہ جب کمانڈر گرفتار یا شہید ہو جائے تو فوجیں ہمت ہار بیٹھتی ہیں ـــــ وہ مایوسی اور بزدلی کا شکار ہو کر راہِ فرار تلاش کرنے لگتی ہیں ـــــ لیکن حضرت ضرار کے گرفتار ہونے سے ان کے ساتھیوں کا مورال تباہ نہیں ہوا ـــــ بلکہ ان کی جرأت و بسالت بام عروج پر پہنچ گئی ـــــ انہوں نے موت سے دو دو ہاتھ کرنے کا فیصلہ کیا ـــــ انہوں نے قسم کھائی کہ یا تو اپنے کمانڈر کو دشمن کی قید سے چھڑائیں گے یا پھر ہم بھی جامِ شہادت نوش کر جائیں گے۔

عوام اور قائدین میں اگر محبت و اخلاص کا رشتہ قائم ہو تو عوام ایسی ہی جاں بازی کا مظاہرہ کرتے ہیں ـــــ ہلاکت ہے اس قوم کے لئے جس کے عوام اور قائدین کے درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ حائل ہو۔

حضرت ضرار کی گرفتاری کا مجاہدین کو سخت صدمہ تھا ـــــ رافع بن عمیر نے

مجاہدین سے خطاب کیا ـــــــ انہیں ثابت قدمی اور ڈٹ جانے کی اپیل کی ـــــــ اور انہیں بتایا کہ صبر اور سچائی ہی فتح کی معراج ہے ـــــــ انہوں نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اے حاملانِ قرآن! کہاں جانا چاہتے ہو؟ ـــــــ تمہیں معلوم نہیں کہ جو شخص دشمن کے سامنے پیٹھ دکھائے وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق ہے ـــــــ جنت کے کچھ دروازے وہ ہیں جو صرف مجاہدین کے لئے کھلتے ہیں ـــــــ ڈٹ جاؤ، ڈٹ جاؤ ـــــــ اے قرآن کے پیروکارو! جنت حاصل کرلو، جنت لوٹ لو ـــــــ بت پرست کافروں پر ٹوٹ پڑو۔

حضرت رافع پورے جوش وخروش کے ساتھ خطاب کررہے تھے اور مجاہدین کو جنگ پر ابھار رہے تھے ـــــــ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ان کی زبان نہیں، بلکہ روح بول رہی ہے ـــــــ وہ کہہ رہے تھے:

اللہ کی قسم! ایسا نہیں ہوگا کہ میں تمہیں کوئی آرڈر دوں اور خود الگ تھلگ رہوں ـــــــ یہ دیکھو! میں تم سب سے آگے ہوں ـــــــ اگر تمہارا بھائی قید یا شہید ہوگیا ہے، تو کیا ہوا؟ ـــــــ اللہ تعالیٰ تو زندہ و پائندہ ہے ـــــــ وہ تمہیں ایسی آنکھ سے دیکھ رہا ہے جو سوتی نہیں ـــــــ وہ اپنی نصرت واعانت کے ساتھ تمہارا پاسبان ہے ـــــــ وہ بڑا ہی مہربان اور بڑا ہی کرم فرمانے والا ہے۔

تمام مجاہدین نے پوری جاں بازی کے ساتھ دشمن پر حملہ کردیا ـــــــ ان میں سے ہر ایک کی آرزو یہ تھی کہ وہی حضرت ضرار کو دشمن کی قید سے چھڑائے۔

ادھر حضرت خالد بن ولید کو حضرت ضرار کی گرفتاری کی اطلاع دی گئی تو وہ اپنے ساتھی مجاہدین کے ساتھ موقع پر پہنچ گئے ـــــــ جنگ پورے زوروں سے چھڑ گئی لیکن

رومیوں نے حضرت ضرار کو ایک سو سواروں کی حراست میں دے کر شاہِ روم کے پاس روانہ کر دیا ــــ تاکہ وہ ان سے اپنے بیٹے ہمدان کا بدلہ لے سکے ــــ مسلمانوں کو اس صورتِ حال کا علم ہوا تو حضرت خالد بن ولید نے حضرت رافع بن عمیرہ کو مجاہدین کے ایک دستے کے ساتھ روانہ کیا ــــ جنہوں نے نہ صرف حضرت ضرار کو رہا کرایا بلکہ لے جانے والے تمام رومیوں کو جہنم رسید بھی کر دیا ــــ اور کامیاب و کامران واپس آئے۔

یہ تھے دورِ اول کے مجاہدین ــــ ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کے راستے میں جامِ شہادت نوش کرنے اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والے عمل کے سوا کچھ نہ تھا ــــ ان سراپا اطمینان جانوں کے لئے واحد نعمت اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی تھی ــــ رضی اللہ تعالیٰ عنھم و رضوا عنہ

(فتوح الشام ــــ کسی قدر تصرف کے ساتھ) ۸

۱۔ حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ازور کا نام مالک بن اوس ہے (ازور صیغہ صفت ہے جس کا معنی ترچھی نظر والا ہے) کوفہ میں قیام پذیر ہوئے، ان کی وفات میں اختلاف ہے، واقدی کہتے ہیں کہ یمامہ میں شہید ہوئے، اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں، بڑے بہادر اور نڈر مجاہد تھے، جنگ یرموک اور فتح دمشق میں حاضر ہوئے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دمشق میں فوت ہوئے، ہمارے ہاں دمشق میں شیخ ارسلان کے پہلو میں ایک جامع مسجد ہے، جسے جامع ضرار بن ازور کہا جاتا ہے، میں اس مسجد میں دو قبریں دیکھتا رہا ہوں، ممکن ہے وہی آپ کا مزار ہو۔ ۱۲ افرفور ــــ آپ کی بہن حضرت خولہ بنت ازور (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) بھی محیر العقول حد تک جاں باز تھیں اور مردانہ لباس پہن کر اپنے بھائی کے دوش بدوش جنگ میں حصہ لیتی تھیں، فتوح الشام میں ان کے کئی واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ ۱۲ اشرف قادری

۲۔ البقرہ: ۲/۲۴۹ ۳۔ الانفال: ۸/۱۵ ۴۔ البقرۃ: ۲/۲۵۰

۵۔ التوبۃ: ۹/۱۱۱ ۶۔ الصّف: ۶۱/۴

۷۔ غالباً یہ دوسرا نیزہ تھا، کیونکہ اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ ان کے ہاتھ میں پھل کے بغیر نیزہ تھا۔ ۱۲ اشرف قادری

ایمان کا قیدی، جہاد کا بطل جلیل

ابو محجن ثقفی (۱) میدانِ جنگ کے مایۂ ناز شہسوار تھے ـــــ لیکن شراب ان کی کمزوری تھی ـــــ وہ شراب کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے ـــــ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کئی دفعہ ان پر شراب کی حد جاری کی، لیکن وہ اس سے قطع تعلق نہ کر سکے ـــــ حضرت فاروق اعظم نے فیصلہ کیا کہ انہیں جلاوطن کر کے ایک سمندری جزیرے میں بھیج دیا جائے۔

ابو محجن بڑی عظمت و رفعت کے مالک تھے ـــــ وہ ان لوگوں میں سے نہ تھے جنہیں قید یا جلاوطن کیا جائے ـــــ انہیں یہ فیصلہ بہت گراں گزرا، انہوں نے راہِ فرار اختیار کی ـــــ اور حضرت سعد بن ابی وقاص کے پاس (قادسیہ) پہنچ کر طے کیا کہ جامِ شہادت نوش کرنے تک اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کروں گا ـــــ انہیں یہ صورت، جلاوطنی کی ذلّت سے بہتر دکھائی دی ـــــ کسی شاعر (۲) نے کیا خوب کہا ہے:

مَهْلًا اُخَیَّ فَمَا بِالْمَوْتِ مِنْ حَرَجٍ
اِنْ کَانَ یَعْرُوْ حَیَاۃَ الْمَرْءِ اِذْلَالٗ

"اے میرے بھائی! ٹھہر جا ـــــ اگر انسان کی زندگی پر ذلت چھا رہی ہو تو مرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

(یعنی گیدڑ کی زندگی سے شیر کی موت بہتر ہے)

آزاد اور خوددار مسلمان دل کی گہرائی سے چاہتا ہے کہ اپنے دین اور وطن کا دفاع کرے ـــــ ابو محجن اس سے پہلے چوری چھپے شراب پینے کی لذت میں گرفتار تھے! اب اللہ تعالیٰ کی راہ میں جامِ شہادت نوش کرنے کے شوق سے سرشار ہو گئے ـــــ حضرت عمر

فاروق ابو محجن کی دلاوری، پیش قدمی، میدانِ جنگ میں جہاد کے فطری شوق اور شہسواری کے ساتھ تیراندازی کے لگاؤ کو بخوبی جانتے تھے ـــــ اور ان کا موجودہ ابتلا بھی ان کے سامنے تھا ـــــ اس لئے جب انہیں ابو محجن کے فرار کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا: ابو محجن اس لئے بھاگے ہیں کہ وہ اپنی سزا کی مدت دشمنوں سے جہاد کرتے ہوئے گزاردیں ـــــ وہ سعد بن ابی وقاص کے پاس جائیں گے ـــــ اور وہاں جنگ اور تیراندازی میں حصہ لے کر اپنے دل کا شوق پورا کریں گے۔

انہوں نے حضرت سعد کو پیغام بھیجا:

''اگر ابو محجن آپ کے پاس آئیں تو انہیں گرفتار کر کے اپنے پاس قید کرلیں۔''

اِدھر ابو محجن حضرت سعد کے لشکر میں پہنچے، اُدھر حضرت فاروق اعظم کا حکمنامہ بھی پہنچ گیا ـــــ حضرت سعد نے حضرت فاروق اعظم کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ابو محجن کو گرفتار کر کے اپنے خیمے میں قید کردیا۔

صبح ہوئی تو ابو محجن نے گھوڑوں کی آوازیں اور تلواروں کی جھنکاریں سنیں ـــــ مجاہدین کو نعرے لگاتے ہوئے سنا: وَامُحمداہ۔ وَامُحمداہ.......... یارسول اللہ، یارسول اللہ!

ـــــ تو ان کا دل شوق جہاد سے تڑپ اٹھا ـــــ اور سینہ جذبۂ جہاد سے لبریز ہوگیا ـــــ وہ کسی ڈسے ہوئے دکھی کی طرح رو رہے تھے اور دل میں کہہ رہے تھے:

کیا میرا عورتوں کے درمیان عورتوں کی طرح قید ہو کر بیٹھے رہنا صحیح ہے؟

ـــــ جب کہ شہسوار گھوڑوں کی پشتوں پر سوار ہو کر اپنا دلی مقصد فتح یا شہادت حاصل کر رہے ہیں ـــــ تف ہے بزدل پر، افسوس ہے بزدل پر ـــــ اللہ کرے کہ بزدلوں کی آنکھیں نیند آشنا نہ ہوں ـــــ اللہ کی قسم! میں بھاگ کر میدانِ جنگ میں اس لئے آیا تھا کہ اپنے مجاہد بھائیوں کے ساتھ مل کر جہاد کروں

گا اور ربّ کائنات سے انعامِ شہادت حاصل کروں گا—— لیکن مجھے ان سب چیزوں سے روک دیا گیا ہے—— اور ایک عورت کی طرح عورتوں کے پہلو بہ پہلو خیمے میں بند کر دیا گیا ہے—— حیف ہے اس زندگی پر—— نفرین ہے اس جینے پر۔

کیا نبی قرآن ﷺ کا پروردہ، تہلکہ خیز بہادر اور صف شکن شہسوار ایسے خوفناک موقع پر اپنے اوپر ضبط کا بندھن باندھ سکتا ہے؟—— اور یہ سب کچھ دیکھ سن کر برداشت کر سکتا ہے؟

ہاں ہاں! جب انہوں نے دیکھا کہ قادسیہ کے میدان میں جنگ پورے زور شور سے جاری ہے—— اور اس کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں—— تو انہیں جام و مینا یاد رہا، نہ ساقی اور صحن گلستاں—— ان پر تو ایک جنون سوار ہو گیا—— ان کی عقل جواب دے گئی—— اور ان کا دل قابو سے باہر ہو گیا—— انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کریں؟ اور کیا کہیں؟۔

اسی اثناء میں روتے اور بلکتے ہوئے حضرت سعد کی اہلیہ محترمہ کو مخاطب کیا—— اور حالت یہ تھی کہ آنسوان کے رخساروں پر بہ رہے تھے—— کہنے لگے: سلمیٰ! کیا آپ نیکی کا ایک عظیم کام کرنا چاہتی ہیں؟—— ایسا کام جس پر آپ کو دنیا و آخرت میں اجر و ثواب ملے گا۔

انہوں نے کہا: ابو محجن! فرمایئے وہ کونسا کام ہے؟

ان کا خیال تھا کہ شاید وہ کھانے پینے کی فرمائش کریں گے۔

...... اگر آپ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ سے محبت رکھتی ہیں تو مجھے رہا کر دیں—— اور حضرت سعد کا چتکبرا گھوڑا مجھے عاریۃً دیدیں—— پھر ٹھنڈی سانس

لیتے ہوئے اشکبار آنکھوں سے کہنے لگے:

سلمٰی! میں اللہ تعالیٰ کے نام پر عہد کرتا ہوں کہ اگر میرے رب نے مجھے محفوظ رکھا تو میں واپس آ کر دوبارہ اپنے پاؤں مین بیڑیاں پہن لوں گا۔

حضرت سلمٰی نے ان کی بات نہ مانی ——— اور دل میں کہنے لگیں: ممکن ہے یہ پہلے کی طرح پھر راہِ فرار اختیار کرنا چاہتے ہوں ——— حضرت سعد انہیں میرے پاس بطور امانت چھوڑ گئے ہیں ——— انہیں کیا جواب دوں گی؟۔

ابو محجن نے بڑا اصرار کیا، لیکن سلمٰی نہیں مانیں ——— انہوں نے ٹھنڈی آہیں بھرتے ہوئے اور آنکھوں سے سیلِ اشک بہاتے ہوئے درج ذیل اشعار پڑھے، جو سلمٰی نے بھی سنے:

كَفٰى حَزَنًا اَنْ تَرْتَدِى الْخَيْلُ بِالْقَنَا
وَاُتْرَكَ مَشْدُوْدًا عَلَىَّ وَثَاقِيَا

غم زدہ ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ گھوڑوں پر نیزوں کی چادر تنی ہوئی ہو اور مجھے سخت بندشوں میں باندھ کر ڈال دیا گیا ہو۔

اِذَاقُمْتُ عَنَّانِى الْحَدِيْدُ وَغُلِّقَتْ
مَصَارِيْعُ مِنْ دُوْنِىْ تُصِمُّ الْمُنَادِيَا

جب میں کھڑا ہوتا ہوں تو لوہے کی بیڑیاں مجھے تکلیف دیتی ہیں اور میرے آگے کواڑ بند کر دئے گئے ہیں، جو پکارنے والے تک میری آواز پہنچنے نہیں دیتے۔

وَقَدْ كُنْتُ ذَامَالٍ كَثِيْرٍ وَاِخْوَةٍ
وَقَدْتَرَكُوْنِىْ وَاحِدًا لَّا اَخَالِيَا

میں بڑے مال کا مالک تھا، میرے بھائی بھی تھے، لیکن انہوں نے مجھے اس طرح تنہا چھوڑ دیا جیسے میرا کوئی بھائی ہی نہ ہو۔

حَبِیْسًا عَنِ الْحَرْبِ الْعَوَانِ وَقَدْ بَدَتْ
وَاَعْمَالُ غَیْرِیْ یَوْمَ ذَاکَ الْمُنَادِیَا

''جنگ اپنے جوبن پر اور ظاہر و باہر ہے۔ مجھے اس سے روک دیا گیا ہے، میرے سوا دوسروں کے اعمال مشہور و معروف ہیں۔''

وَلِلّٰہِ عَھْدٌ لَّا اَخِیْسُ بِعَھْدِہٖ
لَئِنْ فُرِجَتْ اَلَّا اَزُوْرَ الْحَوَانِیَا

''میرا اللہ تعالیٰ سے وعدہ ہے اور میں اس وعدے کو نہیں توڑوں گا اگر اس جنگ میں فتح حاصل ہوگئی تو میں شراب کی دوکانوں کا رخ نہیں کروں گا۔''

یہ اشعار سن کر حضرت سلمیٰ پر رقت طاری ہوگئی —— کہنے لگیں: اے ابو محجن! آپ کو کیوں قید کیا گیا ہے؟ —— کہنے لگے: اللہ تعالیٰ کی قسم! مجھے حرام کھانے یا پینے کی بنا پر قید نہیں کیا گیا —— میں دورِ جاہلیت میں شراب کا رسیا تھا —— میں نے دو شعر کہے جن کی بنا پر حضرت عمر فاروق نے مجھے قید کر دیا —— حضرت سلمیٰ نے پوچھا: وہ کونسے شعر ہیں؟ —— کہنے لگے:

اِذَا مُتُّ فَادْفِنِّیْ اِلٰی اَصْلِ کَرْمَۃٍ
تُرَوِّیْ عِظَامِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ عُرُوْقُھَا

''جب میں مرجاؤں تو مجھے انگور کی بیل کی جڑ کے پاس دفن کرنا، میری موت کے بعد اس کی جڑیں میری ہڈیوں کو سیر کرتی رہیں گی۔''

وَلَا تَدْفِنَنِّیْ بِالْفَلَاۃِ فَاِنَّنِیْ
اَخَافُ اِذَا مَا مُتُّ اَنْ لَّا اَذُوْقُھَا

''مجھے جنگل میں دفن نہ کرنا، کیونکہ مجھے خوف ہے کہ میں مرنے کے بعد اسے چکھ

نہیں سکوں گا۔"

حضرت سلمیٰ نے جب دیکھا کہ جنگ میں شریک نہ ہونے کا انہیں سخت صدمہ ہے ـــــ اور فضیلت جہاد سے محروم ہونا ان کے لئے دکھ کا باعث ہے ـــــ تو ان کا دل بھی نرم ہو گیا ـــــ کہنے لگیں:

"ابو محجن! میں نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا ہے ـــــ میں آپ کے اس عہد پر راضی ہوں کہ آپ اپنی جگہ پر واپس لوٹ آئیں گے۔"

یہ سن کر ابو محجن اتنے خوش ہوئے جیسے فضائے بسیط میں پرواز کر رہے ہوں ـــــ اور پوری دنیا کے مالک بن گئے ہوں ـــــ حضرت سعد کا گھوڑا لیا اور ان کی زرہ زیب تن کر کے دشمن کے لشکر پر بھوکے شیر کی طرح ٹوٹ پڑے ـــــ دیکھتے ہی دیکھتے دشمن کی صفیں الٹ دیں ـــــ مجاہدین حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ یہ کون ہے؟ ـــــ حضرت سعد نے انہیں پہچان لیا، اس کے باوجود انہیں مسلمانوں کی فوج کے ساتھ دادِ شجاعت دینے کا موقع دیا ـــــ اسی دن شام کے وقت حضرت سعد اپنے مجاہد ساتھیوں کی خیریت دریافت کر رہے تھے ـــــ کہ اچانک انہوں نے دیکھا کہ ابو محجن شراب پی رہے ہیں اور گا رہے ہیں ـــــ اس عظیم مجاہد اور شہسوار کے دوبارہ پرانی معصیت میں مبتلا ہونے پر حضرت سعد جلال میں آ گئے ـــــ اور فرمایا: او اپنی جان کے دشمن! تمہارا ثواب برباد ہو گیا ـــــ تیری پیش قدمی ناقص ہوئی ـــــ کافروں سے جہاد کرنے کے بعد تم اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دے رہے ہو؟ ـــــ کیا تم اپنے لئے اس گھٹیا حرکت کو پسند کرتے ہو؟ ـــــ پھر انہیں شراب پینے پر حد لگائی ـــــ اور قید کر کے ان پر پہرہ لگا دیا ـــــ دوسرے دن ایرانیوں کے کمانڈر رستم نے جنگ کا آغاز کرتے ہوئے چیلنج کیا کہ ہے کوئی میرے مقابل آنے والا؟ ـــــ یکے بعد دیگرے تین شہسوار اس کے مدمقابل آئے اور

اس کے ہاتھوں شہید ہو گئے ـــــ حضرت قعقاع (۴) نے ارادہ کیا کہ وہ خود اس کا مقابلہ کریں ـــــ اچانک ایک شہسوار آندھی اور طوفان کی طرح رستم کی طرف بڑھا ـــــ اور اتنی گرجدار آواز کے ساتھ رستم کو للکارا کہ وہ دہشت زدہ ہو گیا ـــــ ابھی وہ سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ آنے والے شہسوار کا نیزہ اس کے ایک پہلو میں پیوست ہو کر دوسری طرف نکل گیا ـــــ حضرت سعد نے اس شہسوار کے بارے میں پوچھا تو انہیں بتایا گیا کہ وہ ابو محجن ثقفی ہیں ـــــ آپ پلٹ کر اپنے خیمے میں گئے تو دیکھا کہ وہ خیمے میں موجود ہیں اور بیڑیاں اپنے پاؤں میں ڈال چکے ہیں ـــــ حضرت سعد نے فرمایا کہ جب یہ تمہارا انداز ہے تو میں نے تمہیں معاف کیا۔ (یعنی قید ختم)

ابو محجن نے کہا:

میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آیندہ اس خانہ خراب کو کبھی ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں اس وعدے پر ثابت قدمی عطا فرمائی ـــــ ان کا حال درست فرما دیا ـــــ اور ان کا خاتمہ قابل صد رشک ہوا۔

(فتوح الشام۔ واقدی ـــــ کسی قدر تصرف کے ساتھ)

۱۔ ابو محجن ثقفی: عمرو بن حبیب بن عمر مشہور شاعر تھے، شراب کے پکے رسیا تھے، اسی لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں قید کر دیا تھا، بڑے دلاور اور کریم تھے، وفات سے پہلے شراب سے توبہ کر لی تھی، اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے لئے جان لڑا دیتے تھے، کہا گیا ہے کہ ان کی وفات آذربائی جان میں ہوئی، بعض علماء نے کہا کہ جرجان میں فوت ہوئے۔

۲۔ یہ شعر خود حضرت مؤلف (شیخ فرفور) رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے، اس قصیدے کا پہلا مصرع ہے:

اِنَّ الْحَیَاۃَ لَآلَامٌ وَ آمَالُ

۳۔ حضرت سعد بن مالک بن ابی وقاص انصاری عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں، ان دس حضرات میں سے سب سے آخر میں فوت ہوئے، انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں سب

سے پہلے تیر چلانے والے ہیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو چھ حضرات کا بورڈ مقرر کیا تھا حضرت سعد بھی اس کے ممبر تھے، عراق آپ کی کمان میں فتح کیا گیا، حضرت عمر فاروق کی طرف سے آپ کوفہ کے گورنر تھے اور آپ ہی نے کوفہ بسایا تھا، آپ مشہور مستجاب الدعوۃ تھے، جب حضرت سعد حاضر ہوتے تو نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے: یہ ہمارے ماموں ہیں، کوئی شخص ہمیں (ان جیسا) اپنا ماموں تو دکھائے، تاریخ اسلام میں کسی مشرک کا پہلا خون جو بہایا گیا تو وہ ایک مشرک کا خون تھا جسے حضرت سعد نے اونٹ کا جبڑا مار کر زخمی کیا تھا، نبی اکرم ﷺ نے دعا کی: اے اللہ! جب سعد تیری بارگاہ میں دعا کریں تو ان کی دعا قبول فرما، تو آپ جو بھی دعا مانگتے تھے قبول ہوتی تھی، ۵۱ھ میں اور بعض علماء نے کہا کہ اس کے بعد آپ کی رحلت ہوئی، رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔۱۲

۴۔ قعقاع ابن عمرو تمیمی حضرت عاصم کے بھائی تھے، شہرہ آفاق بہادر اور شہسوار تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ لشکر میں قعقاع کی آواز ہزار مردوں سے بہتر ہے، نبی اکرم ﷺ نے حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ آپ نے جہاد کے لئے کیا تیار کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور گھوڑا، فرمایا: یہ تیاری کی انتہا ہے، دمشق اور اکثر عراق کی فتوحات میں شریک ہوئے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: وہ لشکر مغلوب نہیں ہو سکتا جس میں قعقاع ایسے لوگ موجود ہوں، نبی اکرم ﷺ کی رحلت کے وقت حاضر تھے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ انہوں نے سب سے بڑے ہاتھی کا ہونٹ کاٹا تھا، جس کے بعد ایرانیوں کو شکست ہوئی ـــــــ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔۱۲ (اصابہ کسی قدر تصرف کے ساتھ۔)

کیا تمہیں آزاد کر کے خود غلام بن جاؤں

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے غلام کو سو دینار دے کر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجا ــــــ اور فرمایا: اگر وہ تم سے قبول کر لیں تو تم آزاد ہو ــــــ غلام خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا ــــــ وہ اس خیال ہی سے مسرور ہوا جا رہا تھا کہ چند لمحوں کے بعد میری غلامی کا دور ختم ہو جائے گا اور میں بھی آزاد لوگوں کی صف میں شامل ہو جاؤں گا ــــــ اس نے دینار لے جا کر حضرت ابوذر کی خدمت میں پیش کر دئے، لیکن اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ انہوں نے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا ــــــ غلام کو سخت دھچکا لگا، وہ بے ساختہ رونے لگا ــــــ اس نے منّت سماجت کرتے ہوئے عرض کیا: میرے آقا! میری درخواست ہے کہ آپ یہ دینار قبول فرمالیں ــــــ آپ کے قبول فرمانے کا مجھے یہ فائدہ ہوگا کہ میں قیدِ بندگی سے رہا ہو جاؤں گا ــــــ اور آزادی کی نعمت سے سرفراز ہو جاؤں گا۔

غلام کا خیال تھا کہ میرا دکھڑا سن کر حضرت ابوذر پسیج جائیں گے ــــــ اور دینار قبول کر لیں گے اور اس طرح مجھے آزادی کا پروانہ مل جائے گا ــــــ حضرت ابوذر کا دل بھی نہیں چاہتا تھا کہ غلام آزاد کرنے کی فضیلت اور اس پر ملنے والا اجر و ثواب ہاتھ سے جانے دیں ــــــ لیکن انہیں انجام کار کا ڈر تھا ــــــ حکمرانوں کے تحائف قبول کرنے کے نتیجے کا خوف تھا ــــــ وہ جانتے تھے کہ حکمرانوں کے تحفے، حقیقت میں بیڑیاں اور ہتھکڑیاں ہیں ــــــ اس لئے دینار قبول نہیں کئے ــــــ اور غلام کو فرمایا:

غلام! ان دیناروں کے قبول کرنے میں تمہاری آزادی اور میری غلامی مضمر

ہے ـــــ کیا تمہیں آزادی دلا کر خود غلام بن جاؤں؟

غلام پلٹ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا ـــــ اور تمام ماجرا ان کے گوش گزار کر دیا ـــــ حضرت عثمان غنی پہلے ہی جانتے تھے کہ حضرت ابوذر حکمرانوں کے تحفے قبول نہیں کرتے۔

یہ تھے دور اول کے مسلمان، جو حکمرانوں اور ان کے تحائف سے گریز کرتے تھے ـــــ اور زبان حال سے وہی کچھ کہتے تھے جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گورنروں کو فرمایا کرتے تھے:

''تحائف سے بچو، کہ یہ خفیہ رشوت ہے۔''

(صفۃ الصفوۃ، ابن جوزی ـــــ بتصرفٍ)

ا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ـــــ ان کے اور ان کے والد کے نام میں اختلاف ہے، مشہور یہ ہے کہ آپ کا نام جندب اور والد کا نام جنادہ ہے، مشہور صحابی ہیں، سچے اور کھرے لہجے والے اور زاہد تھے، نبی اکرم ﷺ کی معیت میں جہاد کیا، تنہا ہجرت کر کے مدینہ منورہ حاضر ہوئے، لمبا قد، گندم گوں رنگ اور کمزور جسم رکھتے تھے، ربذہ میں سن ۳۱ ھ میں وفات پائی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

عزت صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنے میں ہے

جسے تقویٰ عزت نہ دے اس کی کوئی عزت نہیں ہے

امام شافعی (۱) رضی اللہ عنہ نے مصر تشریف لانے کے بعد سلسلۂ درس و تدریس شروع کیا—— تو ان کی شہرت ہر طرف پھیل گئی—— عوام و خواص دلی طور پر ان کا احترام کرنے لگے—— آپ کا ایک شاگرد تھا، جس کا نام عبداللہ بن عبدالحکم تھا—— اس نے دیکھا کہ میرے استاذ امام شافعی فقر کی زندگی گزار رہے ہیں—— مسجدوں میں گوشہ نشین رہتے ہیں—— اور حکمرانوں کے پاس آمد و رفت نہیں رکھتے—— اس نے عرض کیا: ابوعبداللہ! (امام شافعی کی کنیت) اگر آپ مصر میں قیام کا ارادہ رکھتے ہیں تو آپ کے پاس ایک سال کی خوراک ہونی چاہیے—— نیز سلطانِ وقت کی مجلس میں کبھی کبھار حاضری ضرور ہونی چاہیے، تاکہ آپ کی عزت میں شایان شان ترقی ہو۔

اس کا خیال تھا کہ امام شافعی میرا مشورہ قبول کرلیں گے—— اور میں انہیں شاہی دربار تک پہنچا دوں گا—— لیکن امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو ان لوگوں میں سے تھے جو دستِ سوال صرف اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پھیلاتے ہیں—— اُن علماء کی طرح سلاطین اور حکمرانوں کا قرب تلاش نہیں کرتے جو علمی امانت کے حامل نہیں ہوتے—— اور جن کی زندگی کا ماحصل ہی حکمرانوں کے مقربین کے دولت کدوں کا طواف، ان کی نگاہِ التفات کا حصول اور ان کی بارگاہ میں مقام و مرتبہ کا مل جانا ہوتا ہے۔

امام شافعی نے فرمایا:

ابومحمد! جسے تقویٰ عزت نہ دے، اس کی کوئی عزت نہیں—— میں غزہ میں پیدا ہوا—— حجاز میں پرورش پائی—— حال یہ تھا کہ ہمارے پاس ایک

رات کی خوراک نہیں ہوتی تھی —— لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ ہم نے بھوکے رات گزاری ہو۔

حکمرانوں کے دربار میں جانے کا مشورہ بھی مسترد کر دیا۔

یہ تھے پہلے دور کے قائد علماء —— وہ اللہ تعالیٰ سے غنا کی دولت مانگتے تھے اور قسمت پر راضی برضا رہتے تھے —— وہ صرف تقوای کے ذریعے عزت طلب کرتے تھے —— وہ حکمرانوں کے پاس فقط انہیں نصیحت کرنے یا ان کی راہنمائی یا لوگوں کی حاجت روائی کے لئے جاتے تھے —— ورنہ ان سے دور رہتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ عزت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہے —— اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ذلت ہی ذلت ہے۔

۱۔ امام محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نسب عبد مناف پر جا کر نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مل جاتا ہے، ۱۵۰ھ میں بحالت یتیمی پیدا ہوئے، پھر آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو لے کر مکہ معظمہ منتقل ہو گئیں، نو عمری میں قرآن پاک یاد کر لیا۔ ادب عربی اور شعر کا علم حاصل کیا، فصیح اللسان تھے، سفر کیا اور مدینہ منورہ میں مؤطا امام مالک یاد کیا، پھر تین دفعہ عراق کا سفر کیا، امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام محمد بن حسن شیبانی کی شاگردی اختیار کی اور ان کی کتابوں سے نفع حاصل کیا، پھر مصر چلے گئے اور وہیں ۲۰۴ھ میں وفات پائی، آپ کی املا کی ہوئی کتابوں میں کتاب الام اور الرسالۃ ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ۱۲ فرفور۔ راقم الحروف اور سید وجاہت رسول قادری مدظلہ ۱۹۹۹ء میں جب قاہرہ گئے تو امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزار شریف پر بھی حاضر ہوئے۔ ان کے مزار کے احاطے ہی میں شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی مزار ہے۔ ۱۲ اشرف قادری۔

یہ تھے مسلمان حکمران

جب حضرت عمر بن عبدالعزیز(۱) خلیفہ بنائے گئے تو شعراء کا ایک وفد ان کی خدمت میں حاضر ہوا ـــــ جیسے شعراء کی عادت ہے کہ سلاطین اور حکمرانوں کے پاس جا کر ان کی شان میں قصائد پیش کرتے ہیں ـــــ تاکہ ان کا قرب حاصل کریں اور انعامات سے نوازے جائیں ـــــ کئی دن خلیفۂ وقت کے دروازے پر پڑے رہے، لیکن انہیں ملاقات کی اجازت نہ ملی ـــــ ایک دن رجاء بن حیوہ(۲) ان کے پاس سے گزرے ـــــ رجاء بڑے عالم تھے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے وزیر اور خاص مصاحبین میں سے تھے ـــــ مشہور شاعر جریر نے انہیں دیکھا تو اٹھ کر ان کے پاس گیا اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا:

يَاأَيُّهَاالرَّجُلُ الْمُرْخِيْ عِمَامَتَهُ
هٰذَازَمَانُكَ فَاسْتَأْذِنْ لَنَاعُمَرَا

''اے اپنے عمامہ کا شملہ لٹکانے والے، یہ آپ کا وقت ہے، ہمیں عمر بن عبدالعزیز سے اجازت لے دیں۔''

رجاء حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس چلے گئے ـــــ لیکن شعراء کے بارے میں کوئی بات نہ کی۔

پھر عدی بن ارطاۃ (۳) ان کے پاس سے گزرے ـــــ جریر نے انہیں کہا:

لَاتَنْسَ حَاجَتَنَالُقِّيْتَ مَغْفِرَةً
قَدْطَالَ مُكْثِيْ عَنَ اَهْلِيْ وَاَوْطَانِيْ

جناب! اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے، ہمارا کام بھلا نہ دینا ـــــ مجھے اپنے

اہل وعیال اور وطن سے دور یہاں ٹھہرے ہوئے بہت دیر ہوگئی ہے۔

عدی حضرت عمر ثانی کے پاس حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے:

امیر المؤمنین! شعراء آپ کے دروازے پر حاضر ہیں ـــــ ان کے تیر زہر میں بجھے ہوئے ہیں ـــــ اور ان کی زبانیں قینچی کی طرح چل رہی ہیں۔

حضرت عمر نے فرمایا: عدی! مجھے شعراء سے کیا غرض؟

عدی نے کہا: اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین کو عزت عطا فرمائے! ـــــ رسول اللہ ﷺ کی مدح کی گئی تو آپ نے انعام عطا فرمایا ـــــ آپ کے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں بہترین راہنمائی ہے۔

فرمایا: کس طرح؟

عدی: عباس بن مرداس سُلَمی (۴) نے نبی اکرم ﷺ کی نعت پڑھی تو آپ نے انہیں حُلّہ (دو چادروں کا سیٹ) عطا فرمایا ـــــ اور ان کی زبان کو مخالفت سے روک دیا۔

عمر بن عبدالعزیز: کیا آپ کو ان کا کوئی شعر یاد ہے؟

عدی: جی ہاں!

رَاَیْتُکَ یَـاخَیْـرَ الْبَـرِیَّةِ کُلِّهَـا

نَشَـرْتَ کِتَـابًـاجَـاءَ بِـالْحَقِّ مُعْلِمًـا

اے تمام مخلوق سے افضل واعلیٰ! میں نے دیکھا ہے کہ آپ نے ایسی کتاب پیش کی ہے جو حق کی خبر دینے والی ہے۔

شَـرَعْـتَ لَـنَـا دِیْـنَ الْهُـدٰی بَـعْدَ جَوْرِنَا

عَـنِ الْـحَـقِّ لَـمَّـا اَصْبَـحَ الْحَقُّ مُظْلِمًـا

آپ نے اس وقت ہمیں دینِ ہدایت عطا فرمایا جب حق مخفی ہو چکا تھا اور ہم راہ

حق سے دور جا چکے تھے۔

اَقَمْتَ سَبِيْلَ الْحَقِّ بَعْدَاعْوِجَاجِهٖ
وَكَانَ قَدِيْمًا رُكْنُهٗ قَدْتَهَدَّمَا

آپ نے راہِ حق کو ٹیڑھا ہونے کے بعد سیدھا کر دیا، اور اس کا ستون عرصہ دراز پہلے گر چکا تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا:

عدی! خدا کے بندے ان میں سے دروازے پر کون ہے؟

عدی: فرزدق ہے۔(۵)

عمر بن عبدالعزیز: کیا یہ وہی شاعر نہیں ہے؟ جس نے کہا ہے:

هُمَادَلَّيَانِىْ مِنْ ثَمَانِيْنَ قَامَةً
كَمَا انْقَضَّ بَازٌ اَقْتَمُ الرِّيْشِ كَاسِرُهٗ

جیسے ہی سیاہ اور ٹوٹے ہوئے پروالا باز گرا تو ان دونوں نے مجھے اسی قدم کے فاصلے سے اطلاع دی۔

فَلَمَّا اسْتَوَتْ رِجْلَاهُ فِى الْاَرْضِ قَالَتَا
اَحَىٌّ فَيُرْجٰى اَمْ قَتِيْلٌ نُحَاذِرُهٗ

جب اس کی دونوں ٹانگیں زمین میں سیدھی ہوئیں تو دو عورتوں نے کہا کہ کیا وہ زندہ ہے؟ جس کی امید کی جائے یا مقتول ہے؟ کہ اس سے پرہیز کی جائے۔

عمر بن عبدالعزیز: اللہ کی قسم وہ میرے پاس نہیں آئے گا ـــــــ اس کے علاوہ اور کون ہے؟

عدی: اخطل ہے۔(۶)

عمربن عبدالعزیز: عدی! یہ وہی ہے جس کے یہ اشعار ہیں:

وَلَسْتُ بِصَائِمٍ رَمْضَانَ طَوْعًا
وَلَسْتُ بِآكِلٍ لَحْمَ الْاَضَاحِیْ

میں خوشی سے رمضان کا روزہ نہیں رکھتا اور میں قربانیوں کا گوشت بھی نہیں کھاتا۔

وَلَسْتُ بِزَاجِرٍ عِيْسًا بُكُوْرًا
اِلٰى بَطْحَاءِ مَكَّةَ لِلنَّجَاحِ

میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے جوان کنواری اونٹنیوں کو مکۂ معظمہ کے میدان کی طرف ہانکنے والا نہیں ہوں۔

وَلَسْتُ بِقَائِمٍ بِاللَّيْلِ اَدْعُوْا
قُبَيْلَ الْفَجْرِ حَیَّ عَلَى الْفَلَاحِ

میں رات کو قیام کرنے والا نہیں ہوں، جو فجر سے پہلے "حَیَّ عَلَى الْفَلَاح" کہے (آؤ کامیابی کی طرف)۔

وَلٰكِنِّیْ سَاَشْرَبُهَا شَمُوْلًا
وَاَسْجُدُ عِنْدَ مُبْتَلَجِ الصَّبَاحِ

لیکن میں ٹھنڈی شراب پیوں گا اور صبح روشن ہونے کے وقت سجدہ کروں گا۔

عمربن عبدالعزیز: اللہ کی قسم! وہ میرے پاس نہیں آئے گا ——— وہ پکا کافر ہے ——— ان کے علاوہ دروازے پر کون ہے؟

عدی: احوص ہے۔(۷)

عمربن عبدالعزیز: کیا یہ شعر اسی کا نہیں ہے؟

اَللّٰهُ بَيْنِیْ وَبَيْنَ سَيِّدِهَا
يَفِرُّ مِنِّیْ بِهَا وَاَتَّبِعُهُ

اللہ تعالیٰ میرے اور کنیز کے مالک کے درمیان ہے، وہ مالک اسے لے کر مجھ سے بھاگتا ہے اور میں اس کا پیچھا کر رہا ہوں۔

عمر بن عبدالعزیز: یہ بھی دوسرے شاعروں سے کم نہیں ہے ——— اس کے علاوہ کون ہے؟

عدی: جریر ہے۔

عمر بن عبدالعزیز: کیا یہ وہی شاعر نہیں ہے؟ جو کہتا ہے:

طَرَقَتکَ صَائِدَۃُ الْقُلُوْبِ وَلَیْسَ ذَا
وَقْتُ الزِّیَارَۃِ فَارْجِعِیْ بِسَلَام

دلوں کا شکار کرنے والی رات کے وقت تیرے پاس آئی، حالانکہ یہ زیارت کا وقت نہیں ہے ——— تو خیریت کے ساتھ واپس چلی جا۔

عمر بن عبدالعزیز: اگر کسی شاعر کو ضرور ہی ملاقات کا موقع دینا ہے تو جریر ہی کو بلالو۔

جب جریر حاضر ہوا تو عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا:

جریر! اللہ تعالیٰ سے ڈرو ——— اور صرف حق بات کہو۔

جریر نے یہ اشعار پیش کیے:

اِنَّا لَنَرْجُوْ اِذَا مَا الْغَیْثُ اَخْلَفَنَا
مِنَ الْخَلِیْفَۃِ مَا نَرْجُوْ مِنَ الْمَطَرِ

جب بادل ہمیں پیچھے چھوڑ گئے تو ہمیں خلیفہ سے اسی نوازش کی امید ہے جس کی ہم بارش سے امید کرتے ہیں۔

نَالَ الْخِلَافَۃَ اَوْ کَانَتْ لَہٗ قَدَرًا
کَمَا اَتٰی رَبَّہٗ مُوْسٰی عَلٰی قَدَرٍ

خلیفہ نے خلافت پالی یا خلافت ان کے لئے مقدر تھی، جس طرح تقدیر کے

مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔

هٰذِی الْاَرَامِلُ قَدْ قَضَّیْتَ حَاجَتَهَا

فَمَنْ لِحَاجَةِ هٰذَا الْاَرْمَلِ الذَّكَرِ؟

یہ نادار عورتیں ہیں جن کی حاجت آپ نے پوری کر دی ہے، تو اس نادار مرد کی حاجت کون پوری کرے گا؟

اَلْخَیْرُ مَادُمْتَ حَیًّا لَّا یُفَارِقُنَا

بُوْرِکْتَ یَا عُمَرَ الْخَیْرَاتِ مِنْ عُمَرٍ

جب تک آپ زندہ رہیں گے اس وقت تک بھلائی ہم سے جدا نہ ہوگی، اے نیکیوں کے عمر آپ کو طویل زندگی سے برکت دی جائے۔

جریر کا گمان تھا کہ عام حکمرانوں کی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز بھی مدح سرائی پر گراں قدر انعام دیں گے —— لیکن انہوں نے اس قصیدہ خوانی کو کوئی اہمیت نہ دی —— وہ ان بادشاہوں کی طرح نہ تھے جو مال و دولت اور عہدے دے کر اپنی شان میں قصیدے لکھواتے ہیں —— اور ضمیر فروش قسم کے لوگوں کے ضمیر خریدتے ہیں۔

عمر بن عبدالعزیز: جریر! مجھے یہاں تمہارا کوئی حق دکھائی نہیں دیتا۔

جریر: امیر المؤمنین! آپ بجا فرماتے ہیں —— لیکن میں مسافر بھی ہوں اور اپنے اہل و عیال سے دور بھی۔

عمر بن عبدالعزیز: بندۂ خدا جریر! ہمیں خلیفہ ضرور بنا دیا گیا ہے —— لیکن ہماری ملکیت میں صرف تین سو درہم تھے —— ان میں سے ایک سو عبداللہ (بیٹے) نے لے لئے —— ایک سو اس کی والدہ نے لے لئے ہیں —— اے لڑکے! جو سو درہم باقی ہیں وہ جریر کو دے دو۔

جریر نے سو درہم لے لئے اور کہنے لگے: اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ محبوب ترین مال ہے

جو میں نے حاصل کیا ہے۔

جریر باہر نکلے تو شعراء نے انہیں گھیر لیا ——— اور کہنے لگے کچھ اندر کا حال سناؤ۔

جریر: تمہارے لئے کوئی اچھی خبر نہیں ہے ——— میں ایسے خلیفہ کے پاس سے آرہا ہوں جو فقیروں کو تو دیتے ہیں، لیکن شعراء کو نہیں دیتے ——— اور میں ان سے راضی ہوں ——— اور یہ شعر پڑھا:

رَاَیْتُ رُقَی الشَّیْطَانِ لَاتَسْتَفِزُّہٗ
وَقَدْ کَانَ شَیْطَانِیْ مِنَ الْجِنِّ رَاقِیًا

میں نے دیکھا کہ شیطان کی پھونکیں انہیں کم وزن نہیں کرتیں ——— حالانکہ جنّوں میں سے میرا شیطان بہت پھونکیں مارنے والا ہے۔

یہ تھے تاریخ اسلام کے دور اول کے سلاطین اور حکمران ——— جو مسلم اُمّہ کا مال اسی کے فائدے کے لئے خرچ کرتے تھے ——— حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے اہل و عیال کے خرچ کی قربانی دے دی ——— لیکن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بازپرس کے خوف سے مسلمانوں کے مال میں سے کچھ خرچ نہیں کیا ——— اس طرز عمل سے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب تھے ——— اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو ان سے راضی کر دیا ——— حکمران اپنی رعایا کے جان و مال اور تحفظ کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے:

اللہ کی قسم! اگر کوفہ میں کسی بکری کی ٹانگ ٹوٹ جائے تو اس کے بارے میں بھی عمر سے پوچھا جائے گا ——— رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ

(۱) عمر بن عبدالعزیز اُموی قریش کے اکابر تابعین میں سے ہیں، سلیمان بن عبدالملک کی وفات کے بعد خلیفہ بنائے گئے، انہوں نے لوگوں کے ساتھ بڑا عمدہ رویہ اختیار کیا اور اپنے نانا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی یاد تازہ کر دی، خلافت سے پہلے وہ ناز و نعم میں پلے ہوئے جوان تھے، جب خلیفہ بنے تو خوش حالی کا

لباس اتار پھینکا اور دنیا کی عیش ولذت سے کنارہ کش ہو گئے، ۱۰۱ھ میں زہر خورانی کے نتیجے میں فوت ہوئے۔۱۲صفۃ الصفوۃ بتصرف۔

(۲) رجاء ابن حیوہ ابن جرول الکندی، اپنے زمانے میں اہل شام کے شیخ اور فصیح واعظ و عالم تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی امارت وخلافت کے دوران ان کے مقربین میں سے تھے، انہوں نے ہی سلیمان کو حضرت عمر بن عبدالعزیز کے خلیفہ بنانے کا مشورہ دیا تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ ان کے بہت سے واقعات ہیں، ان کے دلی خیر خواہ تھے، ۱۰۲ھ میں فوت ہوئے۔

(۳) عدی بن ارطاۃ فزاری کی کنیت ابوواثلہ تھی، وہ اہل دمشق کے امیر تھے، بڑے بہادر اور دانش ور تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انہیں ۹۹ھ میں بصرہ کا گورنر مقرر کیا، ۱۰۲ھ میں فوت ہوئے۔

(۴) حضرت عباس بن مرداس سُلَمی جلیل القدر صحابی ہیں، ان کی کنیت ابوہیثم تھی، فتح مکہ اور غزوۂ حنین میں حاضر ہوئے، ان کے والد احد کے دن فوت ہوئے، انہوں نے دور جاہلیت میں شراب اپنے اوپر حرام کر رکھی تھی، وہ موکفۃ القلوب میں سے تھے، بعد ازاں پکے سچے مسلمان بنے، بصرہ کے پاس ایک بستی میں مقیم تھے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں فوت ہوئے۔۱۲اصابہ بتصرف۔

(۵) ابوہمام فرزدق بن غالب تمیمی ۱۹ھ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں پیدا ہوئے، پیدائشی طور پر ہجو کے شاعر تھے، عمر بھر جریر کی ہجو کرتے رہے، آلِ مروان اور ان کے گورنروں کی مدح وستائش کرتے رہے، جب بوڑھے ہو گئے تو وفات سے پہلے توبہ کر لی اور درویشی اختیار کر لی، سو سال کی عمر پا کر ۱۱۰ھ میں بصرہ میں فوت ہوئے۔

(۶) الأخطل: ابومالک غیاث بن غوث تغلبی عربی عیسائی تھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے ابتدائی ایام میں پیدا ہوا، یہ بھی ہجو کا شاعر تھا، ۹۵ھ میں عیسائیت ہی پر مرا۔

(۷) الأحوص: عبداللہ بن عاصم انصری بنوضبیعہ میں سے ہجو کے شاعر اور باوقار شخص تھے، جمیل بن معمر اور نصیب کے طبقے سے تعلق رکھتے تھے، جریر اور فرزدق کے ہم عصر تھے، مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے، دو آنکھوں کے پچھلے گوشے تنگ ہونے کی وجہ سے انہیں ''احوص'' کا لقب دیا گیا، ۱۰۵ھ دمشق میں فوت ہوئے، دیکھئے الأعلام للزرکلی۔

خلیفۂ وقت کی چادر

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے متقی پرہیز گار عالم رجاء ابن حیوہ کو حکم دیا کہ میرے لئے ایک چادر کا کپڑا خرید کر لاؤ —— رجاء ابن حیوہ چھ درہم کا کپڑا خرید کر لائے —— حضرت عمر نے اسے چھو کر دیکھا تو فرمایا: اگر یہ ملائم نہ ہوتا تو میری پسند کے مطابق تھا —— یہ سن کر رجاء کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: کیوں روتے ہو؟

کہنے لگے: امیر المؤمنین! اس سے پہلے آپ صرف امیر تھے، میں آپ کے پاس چھ سو درہم کا شفاف کپڑا خرید کر لایا تھا —— آپ نے اسے چھو کر کہا تھا کہ کپڑا تو میری پسند کا ہے، لیکن اچھی طرح ملائم نہیں ہے —— اور آج جب کہ آپ امیر المؤمنین ہیں، آپ کے پاس چھ درہم کا کپڑا لایا ہوں تو آپ نے اسے چھو کر کہا ہے کہ کپڑا تو مجھے پسند ہے، لیکن یہ ملائم زیادہ ہے۔

حضرت عمر نے فرمایا: رجا سنو! —— میرا دل بھی پُر شوق ہے —— میرا دل فاطمہ بنت عبدالملک کی طرف مائل ہوا تو میں نے اس سے نکاح کر لیا —— میرا دل حکومت کا طلب گار ہوا تو مجھے حکمران بنا دیا گیا —— میرے دل نے خلافت کی خواہش کی تو مجھے خلیفہ بنا دیا گیا —— اب میرا دل جنت کے شوق سے سرشار ہے —— اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں جنت بھی حاصل کر لوں گا۔

رجاء کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز منبر پر تشریف فرما ہو کر خطبہ دے رہے تھے —— میرے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ ان کے لباس کی قیمت کا اندازہ لگایا جائے —— میں نے حساب لگایا تو پگڑی، جُبّہ، قمیص، شلوار، ٹوپی، اوڑھنے والی چادر اور موزوں

کی مجموعی قیمت بارہ درہم سے زیادہ نہ تھی۔

اسلام کے دور اول میں حکمرانوں اوران کے ہم پلّہ لوگوں کے لباس کا یہ حال تھا ـــــ جب وہ دنیا کی چمک دمک سے بے تعلق ہو گئے تو عوام الناس بھی بے نیاز ہو گئے ـــــ اور کیوں نہ ہو؟ مشہور ہے کہ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ عوام اپنے حکمرانوں کے دین پر ہوتے ہیں۔ (ابن الجوزی ـــــ بتصرف)

تبصرہ:۔

اور جب امراء، وزراء اور اراکینِ اسمبلی فضول خرچی اور عیاشی میں مصروف ہوں گے تو عوام میں بھی چمک دمک کی ہوس پیدا ہوگی ـــــ اور جب وہ اپنی خواہشات کو عملی جامہ نہیں پہنا سکیں گے تو کیا ہوگا؟ ـــــ یہی ناں کہ چوری کریں گے، ڈاکہ ڈالیں گے اور قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوگا۔

انعامی بانڈ کی سکیم کا اعلان یہ کیا جاتا ہے کہ چالیس ہزار روپے کا انعامی بانڈ خریدیئے اور دو کروڑ روپے کا انعام حاصل کیجئے، یہ اعلان ہوسِ زر کے پٹرول کو آگ کی تیلی دکھانے کے مترادف ہے، جس کے پاس چالیس ہزار روپے نہ ہوں گے وہ کیا کرے گا؟ ـــــ شرف قادری

اہل علم کی بے قدری

علم کے ضائع ہونے کا بڑا سبب ہے

حج کے موقع پر حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ کی ملاقات ہارون الرشید سے ہوئی ـــــ آپس میں پر لطف گفتگو ہوئی جس سے ہارون الرشید بہت خوش اور مانوس ہوا ـــــ ہارون الرشید اٹھ کر جانے لگا تو حضرت فضیل نے اسے ایک مفید نصیحت گوش گزار کرنے کا فیصلہ کیا ـــــ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے علماء پر واجب فرمایا ہے کہ وہ حکمرانوں کو بطور خیر خواہی نصیحت کریں ـــــ اس لئے ان کے پاس نہ جائیں کہ ان سے جاہ و منصب، دنیا اور مال حاصل کریں ـــــ جیسے کہ آج کچھ ایسے لوگوں نے اسے حلال جان رکھا ہے جو علم کے دعویدار ہیں اور در حقیقت علم سے کوسوں دور ہیں۔

حضرت فضیل نے فرمایا:

امیر المؤمنین! مجھے خوف ہے کہ جس طرح ہمارے ہاں علم ضائع ہو چکا ہے، اسی طرح آپ کی طرف بھی ضائع ہو چکا ہوگا۔

رشید نے کہا: جی ہاں! واقعہ یہی ہے۔

رشید نے یہ نصیحت پلّے باندھ لی ـــــ افعال حج ادا کر کے عراق پہنچا ـــــ تو سب سے پہلے یہ کام کیا کہ تمام شہروں اور فوجی کمانڈروں کو یہ آرڈر بھجوایا کہ علماء، ائمہ اور خطباء کے وظیفوں میں اضافہ کیا جائے ـــــ کیونکہ یہ حضرات امت مسلمہ کے چراغ ہیں ـــــ امت ان ہی سے ہدایت حاصل کرتی ہے ـــــ عام لوگ جس چیز کو بگاڑ دیتے ہیں، یہ حضرات ہی اس کی اصلاح کرتے ہیں۔ رشید نے آرڈر جاری کیا:

❶ جو شخص تمہارے ہاں اذان دینے پر مامور ہو اسے ایک ہزار دینار وظیفہ دو۔

❷— جو شخص قرآن پاک یاد کرلے، پھر علم حاصل کرنے لگے اور علم و ادب کی مجلسوں کو آباد کرے، تو اسے دو ہزار دینار وظیفہ دو۔

❸— جو قرآن پاک کا حافظ ہو، حدیث روایت کرتا ہو اور علم میں فقاہت اور مہارت رکھتا ہو، اسے چار ہزار دینار وظیفہ دو۔

اس مقصد کے لئے موجودہ دور کے نامور علماء و فضلاء اور تجربہ کار حضرات امتحان لے کر گریڈ کا فیصلہ کریں —— تم علماء کی بات سنو اور ان کے حکم کی اطاعت کرو —— کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول مکرم کی اطاعت کرو اور اپنے امر والوں کی۔

اور امر والے وہ اہل علم ہی ہیں جو اپنی دعوت میں مخلص ہیں۔

جب یہ حکم نامہ فوجوں اور شہروں میں پہنچا اور عوام و خواص نے خلیفۂ وقت کے حکم پر عمل کیا تو عظیم علمی انقلاب برپا ہو گیا —— لوگ علم کی بدولت مالدار ہو گئے اور اسے کافی سمجھنے لگے —— عوام و خواص علمی سرچشموں سے خود بھی سیراب ہوتے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتے —— اور علم میں اس طرح دلچسپی لینے لگے جس طرح مالدار مال میں دلچسپی لیتے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک حج کے موقع پر رشید کے ہمراہ تھے اور انہوں نے حضرت فضیل کی گفتگو بھی سنی تھی —— ان کا بیان ہے:

میں نے رسول اللہ ﷺ، خلفاء راشدین اور صحابۂ کرام کے زمانے کے

بعد رشید کے زمانے سے زیادہ عالم، قرآن پاک کے قاری، نیکیوں میں سبقت لے جانے والے اور دین کی حرمتوں کے پاسبان نہیں دیکھے۔

آٹھ سال کی عمر کا بچہ قرآن پاک یاد کر لیتا تھا —— گیارہ سال کا نوعمر بچہ فقہ اور علم میں مہارت حاصل کر لیتا تھا، حدیث روایت کرتا تھا، اور اپنے پاس ذخیرۂ حدیث جمع کر لیتا تھا —— شعراء کے دیوان یاد کر لیتا تھا اور اساتذہ سے باقاعدہ بحث مباحثہ کرتا تھا —— امت مسلمہ میں ایسا انقلاب بپا ہو گیا جس نے جہالت اور سستی کی چادر اتار پھینکی —— خواب غفلت کا پردہ چاک کر دیا —— علم اور اخلاق کی حکمرانی قائم ہوگئی —— اس کے بعد مدارس قائم کئے گئے —— اور ان کے منتظمین اکثر و بیشتر وہ علماء تھے جو سلطان کے کارندے تھے —— انہوں نے ہمارے لئے ایسے زندہ و پائندہ نشانات چھوڑے جو آج بھی ان کے حق میں گواہی دے رہے ہیں —— یہیں سے ملتِ اسلامیہ کا سنہرا دور شروع ہوا جس کی بنیاد تقویٰ پر تھی —— اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ حکمران رعایا کا لیڈر ہوتا ہے، دوسرے لوگ اسی کے طریقے پر چلتے ہیں —— اگر وہ درست ہو تو عوام بھی درست اور اگر وہ بگڑ جائے تو عوام بھی بگڑ جائیں گے۔

تبصرہ :۔ حضرت شیخ محمد صالح فرفور رحمہ اللہ تعالیٰ نے نہایت اہم مسئلے کی طرف توجہ دلائی ہے، آج ہمارے مدارس کی زبوں حالی کسی واقفِ حال سے مخفی نہیں ہے، پرانے مدرسین تیزی سے رخصت ہو رہے ہیں اور نئے اساتذہ ضرورت سے بہت کم تیار ہو رہے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ دینی مدارس کے مدرسین کی بے قدری ہے، طلباء جب اساتذہ کی معاشی اور نفسیاتی کیفیت کا مطالعہ کرتے ہیں (اور یہ مطالعاتی حس ان میں بہت تیز ہوتی ہے) تو برملا کہتے ہیں کہ ہم مدرس نہیں بنیں گے۔ اگر مدرس بنیں گے تو ہمارا حشر بھی وہی ہو

گا جو ہمارے اساتذہ کا ہو رہا ہے۔ ایک وقت وہ تھا جب وقت کے حکمران علم دین اور علماء کی قدر و منزلت کیا کرتے تھے، اس وقت امراء اور وزراء کے بیٹے بھی علم دین کی طرف راغب ہوا کرتے تھے، ارباب مدارس کی ذمہ داری ہے کہ اساتذہ کو بشرط گنجائش زیادہ سے زیادہ سہولتیں فراہم کریں تاکہ مدرسین کی نسل ختم ہونے سے بچ جائے اور نیا خون بھی اس شعبے کو میسر ہوتا رہے۔ ایک دفعہ راقم نے حضرت استاذ الاساتذہ مولانا غلام رسول رضوی رحمہ اللہ تعالیٰ صاحب ''تفہیم البخاری'' سے دریافت کیا کہ جو مدرسین مشاہرہ لے کر علوم دینیہ کی تدریس کے فرائض انجام دیتے ہیں انہیں بھی ثواب ملے گا؟ تو انہوں نے مدرسین کی معاشی حالت کے پیش نظر فرمایا: یہ ناممکن ہے کہ انہیں ثواب نہ ملے۔

یہ بالکل سامنے کی بات ہے کہ جس طبقے کی حوصلہ افزائی کی جائے گی اسی طرف عوام و خواص کا رجحان بڑھ جائے گا، ہمارا دین دار طبقہ نوازتا ہے: نعت خوانوں کو، قوالوں کو، خوش آواز خطیبوں کو، علم و عمل سے بیگانہ پیروں کو، بااثر سیاست دانوں کو اور ارباب اقتدار کو جب کہ ہماری حکومتیں نوازتی ہیں گلوکاروں، گلوکاراؤں، ایکٹروں، ایکٹرسوں، کھلاڑیوں، طبلچوں، خوشامدیوں اور امریکہ کے پسندیدہ ادیبوں، قلم کاروں اور ایڈیٹروں کو ——— ہمارے عوام یا ارباب حکومت کو تحقیق اور محققین اور خاص طور پر دینی ریسرچ سکالروں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، معاف کیجئے پھر اسی طبقے کے افراد زیادہ سے زیادہ پیدا ہوں گے جن کو آپ نوازتے ہیں ایک وقت تھا کہ جامعہ ازہر میں ریسرچ کرنے والوں کو حکومت پاکستان ماہانہ پچاس ڈالر دیا کرتی تھی سنا ہے کہ اب خیر سے وہ بھی بند کر دئے ہیں۔ ۱۲ اشرف قادری

خلیفۂ وقت کی ہدایات فوجی کمانڈر کے نام

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو قادسیہ کے لشکر کا کمانڈر بنا کر بھیجا تو انہیں حسبِ ذیل ہدایات دے کر روانہ کیا:

میں تمہیں اور تمہارے مجاہد ساتھیوں کو حکم دیتا ہوں کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا ـــــ کیونکہ دشمن کے مقابل بہترین سامانِ جنگ اور جنگ میں کام آنے والا مؤثر ترین ہتھیار خوف خدا ہے ـــــ میں تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو یہ بھی حکم دیتا ہوں کہ دشمن کی نسبت تم گناہوں سے زیادہ دور رہنا ـــــ کیونکہ بہ نسبت دشمن کے تمہارے لئے گناہ زیادہ نقصان دہ ہیں ـــــ مسلمانوں کو صرف اس لئے فتح وظفر سے ہمکنار کیا جاتا ہے کہ ان کے دشمن اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہوتے ہیں ـــــ اگر یہ بات نہ ہو تو ہم ان کا مقابلہ نہ کر سکیں ـــــ کیونکہ ہماری تعداد ان کی تعداد کے اور ہمارا سامانِ جنگ ان کے ساز وسامان کے برابر نہیں ہوتا ـــــ اگر ہم نافرمانی میں ان کے برابر ہوں تو فتح ان کی ہونی چاہیے (کیونکہ وہ تعداد اور سامان میں زیادہ ہوتے ہیں) اور اگر ہم گناہوں سے دور ہوں تو ہم اپنی طاقت کی بنا پر نہیں بلکہ فرمانبرداری کی فضیلت کی بنا پر غالب ہوں گے۔

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارے سفر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر محافظ مقرر ہیں ـــــ تم جو کچھ کرو گے وہ ان کے علم میں ہوگا ـــــ تم ان سے شرماؤ ـــــ اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں روانہ ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کام نہ کرو۔ (نہایۃ الارب، بتصرف)

تبصرہ:

یہ تھے تاریخ اسلام کے دور اول کے حکمران ——— انہیں خطرہ رہتا تھا کہ کہیں مجاہدین اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہو جائیں ——— اس لئے انہیں نصیحت کرنے میں کوتاہی نہ کرتے تھے ——— دیکھئے! حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کس طرح صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا:

تم محافظ فرشتوں سے شرماؤ ——— اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کام نہ کرو۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت تبدیل نہیں فرماتا، جب تک وہ اپنی حالت نہ بدلے ——— نیز اللہ تعالیٰ کی اطاعت سب سے بڑی قوت ہے ——— اور اس کی نافرمانی شکست کا پروانہ ہے۔

ایک دفعہ ہارون الرشید اور ملکہ زبیدہ کے درمیان تلخ کلامی ہوگئی ــــــ سلطان نے طیش کے عالم میں کہہ دیا کہ: اگر ہارون الرشید جنتی نہیں ہے تو تمہیں طلاق ہے۔

ملکہ نے ہارون الرشید سے پردہ کرلیا ــــــ اور اس کے بعد اسے اپنا چہرہ تک نہ دکھایا ــــــ اس نے باور کرلیا کہ مجھے طلاق ہو چکی ہے، لہذا پردہ ضروری ہے ــــــ ہارون الرشید نے فقہاء کو جمع کیا اور ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا ــــــ فقہاء کا آپس میں اختلاف ہوگیا اور کوئی عالم بھی تسلی بخش جواب نہ دے سکا ــــــ کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کون جنتی ہے اور کون دوزخی؟ ــــــ رشید نے مختلف شہروں کے علماء وفقہاء کو جمع کیا اور ان کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا ــــــ ان کی آراء بھی مختلف تھیں ــــــ وہ بھی ایسا متفق علیہ جواب پیش نہ کر سکے جس پر ہر کوئی بے ساختہ داد دیتا ــــــ البتہ ان میں سے ایک بزرگ خاموش تھے، انہوں نے گفتگو میں بالکل حصہ نہیں لیا ــــــ وہ مجلس کے آخر میں سر جھکائے خاموشی سے سن رہے تھے ــــــ وہ اپنے زمانے کے یکتا مجتہد امام لیث بن سعد رحمہ اللہ تعالیٰ (۱) تھے ــــــ ہارون الرشید نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا:

حضرت آپ بھی کچھ فرمائیں گے؟

انہوں نے فرمایا:

میں امیر المؤمنین سے تنہائی میں بات کروں گا۔

ہارون الرشید نے علماء کو انعام واکرام سے نواز کر رخصت کر دیا ــــــ پھر امام لیث بن سعد کو اپنے پاس بلا کر کہا:

استاذ! فرمایئے ــــــ آپ کیا فرماتے ہیں؟

استاذ! فرمایئے ——— آپ کیا فرماتے ہیں؟

ہارون الرشید کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ان سے کوئی ایسا فتویٰ مل جائے گا جو اس کی الجھن اور پریشانی کو دور کردے گا۔

ہارون الرشید نے کہا: ارشاد فرمائیں!

لیث: مجھے جان کی امان ہے؟

ہارون الرشید: جی ہاں! ——— امان ہے۔

حضرت لیث نے کہا: قرآن پاک لایا جائے ——— قرآن پاک لایا گیا ——— کہنے لگے: امیر المؤمنین! سورۃ الرحمٰن پڑھیے!

ہارون الرشید نے سورۃ الرحمٰن پڑھی ——— جب اس آیت پر پہنچا:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ۔(۲)

(اور اس شخص کے لئے دو جنتیں ہیں جو اپنے رب کی بارگاہ میں کھڑا ہونے سے ڈرا)

امام لیث نے فرمایا: امیر المؤمنین! ٹھہر جائیں ——— آپ کہیں: اللہ تعالیٰ کی قسم! .... ہارون الرشید یک دم برہم ہوگیا ——— اسے قسم اٹھانے کا مطالبہ بہت گراں گزرا۔

امام لیث نے کہا:

امیر المؤمنین! آپ جان کی امان دے چکے ہیں ——— اور شرط کا پورا کرنا لازم ہے۔

ہارون الرشید نے کہا: اللہ کی قسم! میں اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہونے سے ڈرتا ہوں ——— جب ہارون الرشید نے یہ کلمات کہے تو امام لیث نے فرطِ مسرت سے یہ اعلان کیا: امیر المؤمنین آپ کے لئے ایک جنت نہیں دو جنتیں ہیں ——— کیونکہ اللہ تعالیٰ

کا ارشاد ہے: ''وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ'' اور اس شخص کے لئے دو جنتیں ہیں جو اپنے رب کی بارگاہ میں کھڑا ہونے سے ڈرا۔

ہارون الرشید خوش ہو گیا —— اور اس کی پریشانی دور ہو گئی —— امام لیث کی ذکاوت نے اسے حیران کر دیا —— پردوں کے پیچھے سے تالی کی آواز بلند ہوئی —— ہارون الرشید نے امام کو کہا:

آپ نے شاندار فتوی دیا ہے —— اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے۔

انہیں انعامات اور طرح طرح کے کپڑوں سے مالا مال کر دیا —— مصر کا علاقہ جیزہ انہیں الاٹ کر دیا —— اور حکم جاری کر دیا کہ وہاں شرعی راہنمائی کا حق ان ہی کا ہو گا —— ہارون الرشید کو سب سے زیادہ اس بات نے متاثر کیا کہ امام لیث نے کس لطافت سے حکم کا استنباط کیا؟ —— پھر ان کے اس انداز نے بھی شادمان کیا کہ علماء کے سامنے خلیفہ سے قسم کا مطالبہ نہیں کیا۔

علاوہ ازیں امام لیث محض ہارون الرشید کو بہلانے کیلئے فتوی دینا نہیں چاہتے تھے —— بلکہ ایسا فتوی دینا چاہتے تھے جس سے وہ دلی طور پر مطمئن ہو —— انہوں نے قرآن پاک سے اس نورانی علم کی روح کی بنیاد پر استنباط کیا جس کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کو چاہتا ہے منتخب فرمالیتا ہے۔ (نہایۃ الارب)

تبصرہ:

یہ تھا تاریخ اسلام کا پہلا زمانہ —— جب حکمران اور ارباب اقتدار پیکرِ اخلاص علماء کو اپنا مرجع، اچھا دوست، بندوں اور شہروں کے لئے دین و دنیا میں مفید امور کی مجلس شوریٰ کا ممبر بناتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے:

جب اللہ تعالیٰ کسی حکمران کی بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لئے اچھے مشیر مقرر فرمادیتا ہے ــــــ اگر وہ بھول جائے تو اسے یاد دلاتے ہیں ــــــ اور اگر یاد رکھے تو اس کی امداد کرتے ہیں ــــــ اور جب کسی حکمران کی خرابی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لئے برے مُشیر مقرر فرمادیتا ہے ــــــ اگر وہ یاد رکھتا ہے تو اسے بھلا دیتے ہیں ــــــ اور اگر عمل کرتا ہے تو اس کی امداد نہیں کرتے۔

تبصرہ (۲)

آج کے بعد علماء اور مشائخ کی یہ حالت ہے کہ اگر اربابِ اقتدار انہیں مشیر یا وزیر بنادیں یا کسی خصوصی کانفرنس میں بلالیں تو ان کی زبان سے ستائش اور خوشامدی الفاظ اس روانی سے صادر ہوتے ہیں کہ سنجیدہ اہل علم کا سر بارِ ندامت سے جھک جاتا ہے اور عوام وخواص کی نگاہ میں علماء ومشائخ کا وزن اور وقار کم ہو جاتا ہے، ایسے حضرات سے یہ توقع ہرگز نہیں رکھی جاسکتی کہ اگر حکمران بھول جائیں تو انہیں یاد دلا دیں گے اور اگر یاد رکھیں تو ان کی امداد کریں گے ــــــ شرف قادری

۱۔ ابوالحارث لیث بن سعد عبدالرحمٰن **الفهمی** فقہ اور حدیث میں اہل مصر کے امام تھے، اصلاً خراسان کے تھے، قلقشند میں پیدا ہوئے، قاہرہ میں وفات ہوئی، بڑے سخی اور کریم تھے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: امام لیث امام مالک سے زیادہ فقیہ تھے، ۹۴ھ میں ولادت ۱۷۵ھ میں وفات پائی ــــــ رحمہ اللہ تعالیٰ ورضی عنہ۔ ۱۲ االاعلام للزرکلی۔

۲۔ سورۃ الرحمٰن: ۴۶/۵۵

ایک عالم ربّانی کا دنیا کے ظالم ترین گورنر سے مکالمہ

میری ماں تم سے زیادہ جانتی تھی کہ میرا نام کیا ہے؟

حجاج بن یوسف کے زمانے میں حضرت سعید بن جبیر(۱) رحمہ اللہ تعالیٰ افضل ترین تابعین میں سے تھے ـــــ انہوں نے عبدالملک بن مروان کی بیعت نہیں کی تھی ـــــ اس کے گورنر حجاج نے دیکھا کہ سعید کے موقف میں کوئی لچک نہیں ہے ـــــ وہ کسی سے ڈر کر جھکنا جانتے ہی نہیں ہیں ـــــ اس نے چاہا کہ مال و دولت یا جاہ و منصب کی پیشکش کر کے کسی بھی طریقے سے حضرت سعید کا ضمیر خرید اجائے ـــــ اس نے ان کے سامنے موتی، زبرجد، یاقوت اور مرجان ایسے پتھروں کا ڈھیر لگا دیا ـــــ اور دل میں سوچا کہ اب ہم انہیں اپنی مرضی کے مطابق چلا سکتے ہیں ـــــ اور اب وہ ہم سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے ـــــ اس کے وہم و خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جو سلاطین اور حکمرانوں کی دولت کو جوتے کی نوک پر رکھتے ہیں ـــــ ان کے دل اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی محبت کا شکار نہیں ہوتے ـــــ اور کسی حکومت کے خزانے میں اتنی دولت نہیں ہوتی کہ ان کے ضمیر خریدے جا سکیں ـــــ اس نے دیکھا کہ سعید نے ہیرے جواہرات کے ڈھیر کی طرف اس طرح حقارت سے دیکھا جس طرح کوئی بوڑھا چھوٹے بچے کے کھلونے کو دیکھتا ہے۔

حضرت سعید نے حجاج کے ساتھ جو گفتگو کی وہ گفتگو وہی شخص کر سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضورِ قلب حاصل ہو ـــــ اور وہ اس کے سوا کسی کی پروا نہ کرتا ہو۔

حجاج حیران رہ گیا اور سوچنے لگا کہ کیا کرے؟ ـــــ اور اس بزرگ کے دل کو اپنی دنیا کے جال سے کس طرح شکار کرے؟ ـــــ اس نے طاؤس و رباب طلب کیے

—— اور گمان کیا کہ سعید کی روح سماع کی طرف مائل ہوگی —— اور وہ ترنگ میں آجائیں گے —— حضرت سعید نے جب آلات لہوو طرب کی آوازیں سنیں تو بے ساختہ رو پڑے۔

حجاج نے کہا: سعید! آپ کو کونسی چیز رُلا رہی ہے؟

حضرت سعید نے فرمایا: میرے رونے کا سبب غم اور خوف ہے —— پھونک مارنے سے مجھے عظیم دن کی یاد آگئی ہے —— اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اور صور میں پھونک ماری جائے گی، تو زمین و آسمان کی تمام مخلوق بے ہوش ہو جائے گی، سوائے ان کے جنہیں اللہ تعالیٰ (محفوظ رکھنا) چاہے گا۔ (۲)

حجاج کو معلوم ہوگیا کہ یہ شیخ استقامت کا نادرِ روزگار نمونہ ہے —— یہ تقویٰ و ورع اور موقف کی مضبوطی میں یگانہ ہے —— اس نے سوچا کہ یہاں لالچ تو کارگر نہیں ہوسکا، انہیں خوف زدہ کر کے مطلب حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

حجاج تمہارا نام کیا ہے؟

سعید سعید بن جبیر۔

حجاج تم بھی بد بخت ہو اور تمہاری ماں بھی بد بخت ہے۔

سعید غیب جاننے والا تو نہیں، کوئی اور ہے۔

حجاج تم دنیا ہی میں ضرور بھڑکتی ہوئی آگ میں جاؤ گے۔

سعید اگر میں جانتا کہ یہ تیرے اختیار میں ہے تو تجھے خدا مان لیتا۔

حجاج محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

سعید آپ نبی رحمت اور امام ہدایت ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم۔

حجاج علی (مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بارے میں کیا کہتے ہو؟——وہ جنت میں ہیں یا آگ میں؟۔

سعید اگر میں جنت اور دوزخ میں گیا ہوتا اور وہاں کے لوگوں کو پہچانتا تو ضرور جان لیتا کہ جنتی کون ہے؟ اور دوزخی کون؟

حجاج خلفاء کرام کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

سعید میں ان کا ذمہ دار نہیں ہوں۔

حجاج تمہارے نزدیک ان میں سے کون زیادہ پسندیدہ ہے؟

سعید جو ان میں سے میرے خالق کو زیادہ پسند ہے۔

حجاج ان میں سے خالق کو زیادہ پسند کون ہے؟

سعید یہ وہی جانتا ہے جو ان کے رازوں اور سرگوشیوں کو جانتا ہے۔

حجاج مجھے یہ بات محبوب ہے کہ آپ مجھے سچ بیان کر دیں۔

سعید اگرچہ مجھے تم سے محبت نہیں ہے پھر بھی میں تمہارے سامنے جھوٹ نہیں بولوں گا۔

حجاج کیا وجہ ہے؟ کہ تم اتنی گفتگو کے دوران ایک دفعہ بھی نہیں ہنسے۔

سعید مٹی سے پیدا کی ہوئی مخلوق کیسے ہنسے؟ جبکہ مٹی کو آگ کھا جائے گی۔

حجاج پھر ہم کیوں ہنستے ہیں؟

سعید تمام دل ایک جیسے نہیں ہوتے۔

حجاج سعید! تمہیں کس طریقے سے قتل کروں؟—— تمہیں طریقۂ قتل کے انتخاب کا اختیار رہے۔

سعید حجاج! تم اپنے لئے قتل کا طریقہ منتخب کر لو——اللہ کی قسم! تم مجھے جس طریقے سے بھی قتل کرو گے اللہ تعالیٰ آخرت میں تمہیں اسی طریقے سے قتل کرے گا۔

حجاج کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں معاف کر دوں؟

سعید اگر معافی ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی ـــــ جہاں تک تمہارا تعلق ہے تو تمہارے لئے نہ براءت ہے اور نہ کوئی عذر۔

حجاج انہیں لے جاؤ اور قتل کردو۔

اس کا خیال تھا کہ اس نے یہ حکم دے کر سعید کو دہشت زدہ کردیا ہے ـــــ لیکن ایسے لوگ غیر اللہ کے آگے جھکنا یا موت سے ڈرنا جانتے ہی نہیں ہیں ـــــ وہ تو خلوت وجلوت ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتے ہیں۔

سعید باہر نکلے تو ہنس رہے تھے ـــــ حجاج کو یہ اطلاع دی گئی تو اس نے انہیں واپس بلایا اور پوچھا کہ تمہیں ہنسی کیوں آئی؟

سعید مجھے اللہ تعالیٰ پر تیری جرأت اور تیرے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے تعجب ہوا ہے۔

حجاج چمڑے کا بستر بچھاؤ اور اسے میرے سامنے ذبح کرو۔

سعید میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ـــــ وہ وحدہٗ لاشریک ہے ـــــ اور حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کے عبد مکرم اور رسول معظم ہیں ـــــ میری یہ گواہی محفوظ کرلے یہاں تک کہ تو قیامت کے دن مجھ سے ملے۔

پھر سعید نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دستِ دعا پھیلاتے ہوئے دعا مانگی:

اے اللہ! اسے میرے بعد کسی کو قتل کرنے کی ہمت نہ دینا۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس حال میں ذبح کردیا گیا کہ ان کی زبان ذکر الٰہی سے تر تھی ـــــ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرفِ قبولیت عطا فرمایا ـــــ ان کے بعد حجاج بھی اسی سال مرگیا ـــــ اللہ تعالیٰ نے حضرت سعید رضی اللہ عنہ کے بعد اسے کسی اور کو قتل کرنے کا موقع نہیں دیا۔

کہتے ہیں کہ جب حجاج کا آخری وقت آیا تو وہ بے ہوش ہو جاتا تھا ـــــ جب ہوش میں آتا تو کہتا: میرا سعید بن جبیر کے ساتھ کیا تعلق ہے؟

اس کی وجہ یہ تھی کہ جب وہ سوتا تو خواب میں حضرت سعید کو دیکھتا ـــــ وہ اس کے دائیں بائیں جانب سے کپڑوں کو پکڑ کر کہتے:

او دشمنِ خدا! تو نے مجھے کیوں قتل کیا ہے؟

حجاج دہشت زدہ ہو کر بیدار ہو جاتا اور کہتا:

جس شخص کو بھی میں نے قتل کیا، اس کے بدلے اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک دفعہ قتل کیا ـــــ لیکن سعید بن جبیر کے بدلے مجھے ستر مرتبہ قتل کیا۔

(وفیات الاعیان، کسی قدر تصرف کے ساتھ)

---

(۱) ابوعبداللہ سعید بن جبیر اسدی کوفی تابعی تھے، وہ اصل کے اعتبار سے حبشی اور بنواسد کی اولاد میں سے بنوالحارث کے آزاد کردہ غلاموں میں سے تھے، انہوں نے حضرت عبداللہ ابن عباس اور ابن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے علم حاصل کیا، اہل کوفہ جب ابن عباس کے پاس فتویٰ حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوتے تو آپ فرماتے: تم مجھ سے سوال کرتے ہو؟ حالانکہ تم میں ابن ام حمام یعنی سعید موجود ہیں، ۴۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۵ھ میں شہید کئے گئے۔

(۲) سورۃ الزمر: ۶۸/۳۹

کمالِ عقل کمالِ مروت سے ہے

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ان کے شاگرد تمیم بن عدی یربوعی نے سوال کیا:

اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے!

آدمی کی عقل کس چیز سے مکمل ہوتی ہے؟

انہوں نے فرمایا: جب

1. وہ احسان کرنے میں پہل کرے۔
2. جس چیز کی خود اسے حاجت ہو وہ دوسروں کو بخش دے۔
3. دوسرے کی لغزش معاف کرے۔
4. احسان کا بدلہ احسان سے دے۔
5. معذرت کے مواقع سے بچے۔

تو اس کی عقل مکمل ہے۔

تمیم کہتے ہیں: مجھے ان کی بات بہت اچھی لگی ——— میں نے اسے یاد کرلیا اور پلّے باندھ لیا۔

تمیم کہتے ہیں: پھر کچھ دن کے بعد میں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ سفر کیا ——— اور ہم ایسی جگہ اترے جہاں کھانے کے لئے کچھ میسر نہیں تھا، جسے کھا کر ہم سفر جاری رکھ سکتے ——— ابن عباس نے اپنے کارندے کو فرمایا: اس جنگل میں جاؤ ——— ممکن ہے وہاں تمہیں کوئی چرواہا مل جائے ——— اور اس سے کچھ کھانے پینے کا سامان مل جائے۔

کارندہ چند نوجوانوں کو ساتھ لے کر چلا گیا۔۔۔۔۔۔ دیر تک تلاش کرنے کے باوجود انہیں کوئی چرواہا نہ مل سکا۔۔۔۔۔۔ البتہ دور سے ایک چھوٹا سا خیمہ دکھائی دیا۔۔۔۔۔ وہاں پہنچے تو ایک بڑھیا سے ملاقات ہوئی۔۔۔۔۔ اسے پوچھا کہ ہم کھانا خریدنا چاہتے ہیں، کیا آپ کے پاس مل جائے گا؟۔۔۔ اس نے کہا: میرے پاس کھانا تو ہے، لیکن وہ میرے اور میری اولاد کے لئے ہے۔۔۔۔۔ بیچنے کے لئے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔

ان سے پوچھا کہ آپ کی اولاد کہاں ہے؟۔۔۔۔۔ انہوں نے کہا وہ جانور چرانے گئے ہوئے ہیں۔۔۔۔۔ ان کی واپسی کا وقت ہو چکا ہے۔۔۔۔۔ وہ آیا ہی چاہتے ہیں۔

ان سے پوچھا کہ آپ نے ان کے لئے کیا تیار کیا ہے؟۔۔۔۔۔ کہنے لگیں: میں نے ایک چھوٹی سی روٹی پکائی ہے۔۔۔۔۔ وہ اپنے پاس رکھے ہوئے بچوں کا انتظار کر رہی ہوں۔۔۔۔۔ کارندوں نے کہا: براہِ مہربانی آپ ہمیں آدھی روٹی ہی دے دیں۔۔۔۔۔ اور دل میں سوچا کہ اگر پوری روٹی نہیں دیں گی تو ممکن ہے آدھی ہی دے دیں۔۔۔۔۔ انہوں نے کہا آدھی نہیں، آپ پوری روٹی لے جائیں۔۔۔۔۔ کارندے ان کی بات سن کر حیران رہ گئے۔۔۔۔۔ اور انہیں یہ نکتہ سمجھ نہ آسکا کہ وہ آدھی کی بجائے پوری روٹی دینے پر کیوں تیار ہیں؟

آخر انہوں نے پوچھ ہی لیا کہ بڑی اماں! آپ کے پاس صرف ایک روٹی ہے۔۔۔۔۔ اس کے باوجود آپ آدھی کی بجائے پوری روٹی دینے پر کیوں آمادہ ہیں؟۔۔۔۔۔ انہوں نے کہا کہ آدھی روٹی دینا عیب ہے۔۔۔۔۔ میں ایسا کام نہیں کرنا چاہتی جو مجھے عیب لگائے۔۔۔۔۔ میں فضیلت حاصل کرنے کے لئے سخاوت کرنا چاہتی ہوں۔۔۔۔۔ لہذا پوری روٹی لے لو۔

ان کا تعجب اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔۔۔۔۔ اور انہیں یہ بوڑھی خاتون عظیم ترین دکھائی

دینے لگی ــــ انہیں یوں محسوس ہوا جیسے وہ خاتون ملکہ ہے جو اپنے تخت پر بیٹھی ہوئی ہے ــ اور اس کا خیمہ معمولی سا خیمہ نہیں بلکہ وسیع و عریض میدان میں سجا ہوا کسی تاجدار کا دربار ہے۔

وہ لوگ سراپا حیرت بنے ہوئے واپس ہوئے ــــ بزرگ خاتون نے ان سے نہیں پوچھا کہ وہ کون ہیں؟ اور کہاں سے آئے ہیں؟ ــــ یہ تھی اخلاق کی بلندی اور اللہ تعالیٰ پر توکل کی شاندار مثال۔

کارندے حیرت کی تصویر بنے ہوئے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ــــ انہوں نے معمر خاتون کا پورا واقعہ بیان کر دیا کہ کس طرح انہوں نے آدھی روٹی دینے سے انکار کیا اور پوری دے دی ــــ انہیں بھی تعجب ہوا ــــ حکم دیا کہ اس محترم خاتون کو مکمل اعزاز اور احترام کے ساتھ میرے پاس لاؤ ــــ وہ لوگ پھر اس بزرگ خاتون کے پاس پہنچے اور کہنے لگے: ہمارے صاحب نے آپ کی سخاوت کا تذکرہ سنا ہے، اس لئے وہ آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔

کہنے لگیں: آپ کے صاحب کون ہیں؟ ــــ انہیں بتایا: عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں ــــ تو کہنے لگیں: میں اس نام کو نہیں جانتی ــــ انہیں بتایا گیا: ان کے والد حضرت عبدالمطلب کے بیٹے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں۔

کہنے لگیں: اللہ کی قسم! یہ بلند شرافت اور عظمت کی انتہائی اونچی چوٹی ہے۔

وہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟

کارندوں نے کہا: آپ کے احسان کا بدلہ دینا چاہتے ہیں۔

کہنے لگیں: اس ہاشمی نے وہ دولت ضائع کر دی جو اس کے چچا کے بیٹے نے اسے عطا کی تھی۔

پھر کہنے لگیں: اللہ کی قسم! اگر میں نے کوئی نیکی کی تھی تو میں اس کا کوئی معاوضہ نہیں لوں گی ـــــ کیونکہ یہ تو ہر انسان پر واجب ہے ـــــ میں نے تو کوئی انوکھا کام نہیں کیا تھا۔

ان کی نظروں میں خاتون کی عزت اور وقار میں مزید اضافہ ہو گیا ـــــ انہوں نے کہا: ابن عباس آپ کی زیارت کرنا چاہتے ہیں اور آپ کی گفتگو سننا چاہتے ہیں ـــــ بزرگ خاتون نے کہا کہ میں ان کے پاس جاؤں گی ـــــ کیونکہ میں خود نبی اکرم ﷺ کے خاندان کے فرد اور قریبی رشتے دار کی زیارت کرنا چاہتی ہوں۔

جب وہ بزرگ خاتون تشریف لائیں تو ابن عباس نے انہیں خوش آمدید کہا اور اپنے پاس بٹھایا ـــــ ان سے پوچھا کہ آپ کس قبیلے سے تعلق رکھتی ہیں؟ ـــــ کہنے لگیں: میرا تعلق قبیلۂ کلب سے ہے ـــــ فرمایا: آپ کا کیا حال ہے؟ ـــــ کہنے لگیں: دنیا کی کوئی خوشی ایسی نہیں ہے جو مجھے حاصل نہ ہوئی ہو ـــــ اس وقت قناعت سے زندگی گزار رہی ہوں ـــــ اپنے رشتے داروں کی حفاظت کر رہی ہوں ـــــ اور مجھے توقع ہے کہ آج کل میں دنیا چھوڑ جاؤں گی۔

ابن عباس کو اس خاتون کی گفتگو بہت پسند آئی ـــــ اور انہوں نے بچشم حیرت دیکھا کہ اس نے دنیا کو پس پشت ڈال رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک پر کامل بھروسہ رکھتی ہے۔

فرمایا: یہ بتائیں کہ جب ہمارے کارندے روٹی لے کر آ گئے تھے تو آپ نے اپنے بیٹوں کی واپسی پر ان کے لئے کیا تیار کیا تھا؟

کہنے لگیں: میں نے ان کے لئے ایک عرب شاعر کا یہ شعر تیار کیا تھا:

وَلَقَدْ اَبِيتُ عَلَى الطَّوٰى وَاَظَلُّهٗ
حَتّٰى اَنَالَ بِهٖ كَرِيمَ الْمَاُكَلِ(۱)

میں نے رات دن اپنے پیٹ کو لپیٹ کر رکھا—— تا کہ میں اس کے ذریعے بہترین کھانا حاصل کروں۔

بے آب وگیاہ جنگل میں رہنے والی خاتون کی بلند فکر اور اخلاق عالیہ کو دیکھ کر ابن عباس انگشت بدنداں رہ گئے۔

آپ نے اپنے ایک غلام کو حکم دیا کہ اس خاتون کے ساتھ ان کے خیمے میں جاؤ —— اور جب ان کے بیٹے آجائیں تو انہیں بھی میرے پاس لے آؤ۔

خاتون نے غلام کو کہا: ہمارے صحن میں جاؤ —— تمہاری ملاقات میرے تین بیٹوں سے ہوگی۔

❶ —— ہمیشہ زمین کی طرف دیکھتا ہے —— وقار نے اس کے اردگرد ہالہ بنایا ہوا ہے —— وہ فصیح گفتگو کرتا ہے —— اور جب کسی چیز کو طلب کرتا ہے تو اسے حاصل کر کے رہتا ہے۔

❷ —— تیز نظر والا ہے —— بڑا محتاط —— جب وعدہ کرتا ہے تو اسے پورا کرتا ہے —— اور اگر اس پر ظلم کیا جائے تو وہ ظالم کو کیفر کردار تک پہنچا دیتا ہے۔

❸ —— یوں ہے جیسے آگ کا شعلہ —— یا اس طرح ہے جیسے اس سے قتل کا انتقام طلب کیا جا رہا ہو —— وہ سخت موت ہے اور لاعلاج بیماری۔

جب تم ان کی یہ صفت دیکھو تو انہیں میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر میرے پاس پہنچ جاؤ —— غلام خیمے کے پاس گیا تو وہ تینوں مل گئے —— غلام نے

۱۔ یہ حاتم طائی کے ایک قصیدے کا شعر ہے۔

انہیں پیغام دیا تو وہ تاخیر کئے بغیر حاضر ہو گئے ـــــ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے انہیں اپنے قریب بٹھایا، ان کی عزت افزائی کی اور فرمایا:

میں نے تمہیں اور تمہاری والدہ کو صرف تمہارے احوال کی اصلاح اور تمہاری امداد کرنے کے لئے بلایا ہے۔

خاتون کے بیٹوں نے کہا: جناب احسان کرنے کی چند صورتیں ہی ہوسکتی ہیں:

❶ ـــ درخواست دی گئی ہو ـــــ اور ہماری طرف سے تو کوئی درخواست نہیں دی گئی۔

❷ ـــ کسی اچھے فعل کے بدلے کے طور پر ہو ـــــ جب کہ ہم نے کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا ـــــ ہم نے جو کچھ کیا ہے وہ ہم پر واجب تھا ـــــ اور واجب کے ادا کرنے کا تو شکریہ ادا نہیں کیا جاتا۔

❸ ـــ آپ پہل کرتے ہوئے احسان فرما رہے ہوں ـــــ اگر ایسا ہے تو ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ آپ کی نیکی قبول و منظور فرمائے۔

ابن عباس نے فرمایا کہ انہیں سات ہزار درہم اور دس اونٹنیاں دی جائیں۔

خاتون نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ تم میں سے ہر ایک اپنے ایک ایک شعر کا نذرانہ پیش کرے۔

بڑے لڑکے نے کہا:

شَهِدْتُ عَلَيْکَ بِحُسْنِ الْمَقَالُ

وَصِدْقِ الْفِعَالِ وَطِيْبِ الْخَبَرُ

میں آپ کے بارے میں اچھی گفتگو، کردار کی سچائی اور شاندار خبر کی گواہی دیتا ہوں۔

درمیانے لڑکے نے کہا:

تَبَرَّعْتَ بِالْبَذْلِ قَبْلَ السُّؤَالُ
فِعَالَ كَرِيْمٍ عَظِيْمِ الْخَطَرُ

آپ نے مانگنے سے پہلے جودوعطا کی نہریں بہا کر عظیم الشان سخی کا کردار ادا کیا ہے۔

سب سے چھوٹے نے کہا:

وَحُقَّ لِمَنْ كَانَ ذَافِعْلَهُ
بِاَنْ يَسْتَرِقَّ رِقَابَ الْبَشَرُ

جس کا یہ عظیم کردار ہو وہ اس لائق ہے کہ انسانوں کی گردنوں کا مالک ہو۔

خاتون نے کہا:

فَعَمَّرَكَ اللّٰهُ مِنْ مَّاجِدٍ
وَوُقِّيْتَ مَاعِشْتَ شَرَّالْقَدَرُ

اللہ تعالیٰ آپ ایسے بزرگ کو عمر دراز عطا فرمائے، اور عمر بھر بری تقدیر سے محفوظ رکھے۔

پھر سب نے ابن عباس کو رخصت کیا اور خوشی خوشی واپس چلے گئے ——— وہ ان کے لئے ہر بھلائی کی دعا کر رہے تھے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے انتہائی دکھ اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے تمیم کو فرمایا:

اللہ کی قسم! میری خواہش ہے کہ کاش میرے پاس ان لوگوں کو دینے کے لئے کچھ اور مال ہوتا۔

انہیں اس بات کا صدمہ تھا کہ حسب خواہش ان کی خدمت نہ کر سکے ——— اور ان کے حسنِ معاملہ کا اچھی طرح بدلہ نہ چکا سکے۔

تمیم نے عرض کیا:

آپ نے بڑا اچھا کام کیا اور ان کے معاملے سے بڑھ کر انہیں نوازا ہے ——— آپ نے جو اس سے پہلے فرمایا تھا، آپ کے عمل نے اس کی تصدیق کر دی ہے ——— واقعی آپ کی عقل سب لوگوں سے زیادہ کامل ہے اور آپ مروّت میں سب سے آگے ہیں۔

(وفیات الاعیان بتصرف)

تبصرہ:۔ مہمان نوازی، فراخ دلی، عالی ظرفی اور جود وسخا ان لوگوں کا وطیرہ ہوتا ہے جو تزکیۂ نفس کے مرحلے سے گزر کر اپنے دل کو کسی حد تک پاک کر چکے ہوں، ورنہ محض علم دماغ کو روشن کرتا ہے دل کو نہیں، یہی وجہ ہے کہ محض علم حاصل کرنے والے لوگ اخلاق عالیہ مثلاً حلم، تحمل، بردباری، اصاغر نوازی اور مہمان نوازی ایسے اوصاف سے عاری ہوتے ہیں۔ اقبال نے بجا کہا ہے:

؎ علم و حکمت از کتب دیں از نظر

——— شرف قادری

ایک رات خلیفۂ عباسی منصور نے عبداللہ بن علی، صالح بن علی اور کچھ دیگر افراد کو اپنے دربار میں طلب کیا —— عبداللہ بن علی نے گزارش کی:

امیر المؤمنین! جب عبداللہ بن مروان بھاگ کر خطۂ حبشہ میں نوبہ کے شہروں کی طرف گیا تھا تو اس کے اور شاہ نوبہ کے درمیان عجیب ترین بات چیت ہوئی —— جو مجھے بھول گئی ہے، اگر امیر المؤمنین پسند کریں تو اسے ہمارے سامنے بلائیں اور وہ بات پوچھیں جو مسلمانوں کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے۔

ابوجعفر منصور نے پیغام بھیج کر اسے بلایا۔

اس کے آنے پر کہا کہ تمہارے اور شاہِ نوبہ کے درمیان کیا گفتگو ہوئی تھی؟ ——

اس نے کہا: امیر المؤمنین! جب میں یہاں سے بھاگا تو جو سامان میرے پاس باقی رہ گیا تھا وہ ساتھ لیتا گیا —— جب ان کے علاقے میں داخل ہوا تو میں نے قالین بچھائے اور دوسرا سامان سیٹ کر دیا —— وہاں کے لوگ آتے اور ساز و سامان کی سج دھج کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتے —— یہاں تک کہ ان کے بادشاہ کو بھی اطلاع پہنچ گئی —— وہ خود چل کر آیا اور آکر زمین پر بیٹھ گیا۔

شاہ حبشہ: تم پر شراب حرام ہے، اس کے باوجود تم شراب پیتے ہو؟

میں نے کہا: یہ کام ہمارے غلام اور ملازم اپنی جہالت کی بنا پر کرتے ہیں۔

شاہ حبشہ: تم ریشم اور دیبا پہنتے ہو اور سونے کے زیور پہنتے ہو، حالانکہ یہ سب چیزیں تم پر حرام ہیں۔

میں نے کہا: ہمارا اقتدار جاتا رہا، دولت ساتھ چھوڑ گئی —— ہم نے عجمیوں سے مدد مانگی جو یہ چیزیں استعمال کرتے تھے —— ہم نے بادل ناخواستہ ان کی مخالفت کو پسند نہیں کیا۔

شاہِ حبشہ کچھ دیر سر جھکائے اپنے ہاتھوں کو الٹ پلٹ کرتا رہا ــــــ اور زیرِ لب یہ بات دہراتا رہا کہ ہمارے غلام، ہمارے غلام اور عجمی لوگ ہمارے دین میں مداخلت کر رہے ہیں ــــــ پھر میری طرف دیکھ کر کہنے لگا: حقیقت وہ نہیں جو تم کہہ رہے ہو ــــــ بلکہ یہ ہے کہ تمہیں اقتدار ملا تو تم ظلم پیشہ بن گئے ــــــ اور تمہیں جن کاموں کا حکم دیا گیا تھا تم نے اسے چھوڑ دیا ــــــ اور جن چیزوں سے منع کیا گیا تھا تم ان کی طرف مائل ہو گئے ــــــ تو اللہ تعالیٰ نے تم سے عزت چھین لی اور تمہارے گناہوں کے سبب تمہیں لباسِ ذلت پہنا دیا ــــــ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے ایک عذاب ہے جو مکمل نہیں ہوا ــــــ میں نہیں چاہتا کہ وہ عذاب میرے شہروں میں تم پر نازل ہو ــــــ اس لئے تم یہاں سے چلتے بنو۔

ابوجعفر منصور اٹھ کھڑا ہوا اور اس کی زبان پر یہ آیت جاری تھی:

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا

اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو ہم اس کے خوش حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں، وہ اس بستی میں نافرمانی کرتے ہیں تو اس بستی پر حکم ثابت ہو جاتا ہے اور ہم اسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔

تبصرہ:۔

اسی طرح حکمران جب اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کی مخالفت کرتے ہیں تو ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے ــــــ اللہ تعالیٰ انہیں ذلت و خواری کا لباس پہنا دیتا ہے ــــــ اور ان پر ایسا دشمن مسلط کر دیتا ہے جو ان کے شہروں کی بنیادیں اکھیڑ دیتا ہے اور ان کی چھتیں الٹا دیتا ہے۔

مروج الذہب ــــــ مسعودی
مقدمہ ــــــ ابن خلدون
الجرح والتعدیل ــــــ بتصرف

جب خلافت بنوعباس کی طرف منتقل ہوئی تو بنوامیہ، عباسیوں سے ڈرتے ہوئے روپوش ہو گئے —— ان روپوش ہونے والوں میں ابراہیم بن سلیمان بھی تھا —— خلیفۂ سفاح کا ایک محافظ ابراہیم کا دوست تھا اس نے خلیفہ کے پاس ابراہیم کی سفارش کی —— خلیفہ نے نہ صرف اسے معاف کر دیا بلکہ اپنے مقربین میں شامل کر لیا اور اعزاز و اکرام سے نوازا۔

ایک دن سفاح نے اسے کہا: ابراہیم! مجھے وہ عجیب و غریب بات سناؤ جو تم نے روپوشی کے دنوں میں دیکھی —— ابراہیم نے کہا میں حیرہ کے ایک گھر میں چھپا ہوا تھا، اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ سیاہ جھنڈے کوفہ کی طرف سے حیرہ کی طرف آ رہے ہیں —— مجھے اپنی جان کی فکر لاحق ہوگئی اور میرے خوف میں یک دم اضافہ ہو گیا —— میں نے گمان کیا کہ وہ مجھے ہی گرفتار کرنے آ رہے ہیں —— میں اپنی شکل تبدیل کر کے گھر سے باہر نکلا —— اور یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ کہاں جاؤں اور کہاں روپوش ہوں؟ —— میں راستوں اور دروازوں کو دیکھ رہا تھا —— کہ اچانک میری نظر ایک بڑے دروازے پر پڑی —— میں اس میں داخل ہو گیا مجھے اس کے صحن میں ایک خوبصورت اور خوش اخلاق شخص دکھائی دیا۔

اس نے مجھ سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اور کیا چاہتے ہو؟

میں نے کہا: مجھے اپنی جان کا خوف ہے —— مجھے آپ کی پناہ چاہیے ——

اس نے مجھے خوش آمدید کہا اور اپنے اہل خانہ کے کمرے کے ساتھ ایک کمرہ دکھا دیا ——

جاتا ـــــــ وہ ہر دن فجر کے وقت سوار ہوکر گھر سے جاتا اور دوپہر سے پہلے واپس آجاتا، یہ اس کا روزانہ کا معمول تھا۔

ایک دن میں نے اسے کہا کہ آپ ہر روز سوار ہوکر کہاں جاتے ہیں؟ ـــــــ اس نے کہا کہ ابراہیم بن سلیمان بن عبدالملک نے میرے والد کو قتل کیا ہے ـــــــ مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ حیرہ میں روپوش ہے ـــــــ میں اس کی تلاش میں جاتا ہوں ـــــــ ممکن ہے وہ مجھے مل جائے اور میں اس سے انتقام لے سکوں۔

امیرالمؤمنین! جب میں نے یہ بات سنی تو میرے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی ـــــــ دنیا میری نگاہوں میں تاریک ہوگئی ـــــــ اور میں نے دل میں سوچا کہ میں نے خود موت کے کنوئیں میں چھلانگ لگائی ہے۔

میں نے تحقیق کی غرض سے پوچھا کہ آپ کا اور آپ کے والد کا نام کیا ہے؟ ـــــــ اس نے بتایا تو مجھے محسوس ہوا کہ وہ صحیح کہہ رہا ہے۔

میں نے اپنے دل میں سوچا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ ـــــــ میں بری طرح جال میں پھنس گیا ہوں ـــــــ اللہ کی قسم! میں نے طے کیا کہ میں صرف سچی بات کہوں گا ـــــــ اللہ تعالیٰ مالک ومختار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

میں نے کہا: جناب! میں آپ کا مہمان ہوں ـــــــ آپ کا حق مجھ پر واجب ہے ـــــــ اور آپ کے سامنے سچ بولنا بھی مجھ پر لازم ہے ـــــــ آپ کے احسان کا تقاضا یہ ہے کہ میں آپ کی مطلوبہ شخصیت کی نشاندہی کر دوں۔

میں نے مسکراتے ہوئے کہا کہ میں ہی آپ کا مطلوب ہوں اور آپ مجھے ہی تلاش کررہے ہیں ـــــــ میں ابراہیم بن سلیمان ہوں اور آپ کے والد کا قاتل ـــــــ آپ مجھ سے بدلہ لے لیں۔

میں نے اپنے دل میں کہا: کہ یہ مجھ سے انتقام لے گا ـــــــ اور مجھے قتل کر دے گا۔

لیکن میں نے دیکھا کہ اس کے ہونٹوں پر تبسم کھیل رہا ہے اور وہ گہری نظروں سے مجھے دیکھ رہا ہے ـــــــ میں اس انتظار میں تھا کہ وہ بولے تو مجھے پتا چلے کہ اس نے کیا فیصلہ کیا ہے؟ ـــــــ میرا دل یہی کہہ رہا تھا کہ یہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا ـــــــ اور مجھ سے اپنے باپ کا انتقام لے کر رہے گا۔

آخر خدا خدا کر کے وہ گویا ہوا اور اس کے چہرے سے عفو اور درگزر کے آثار دکھائی دینے لگے ـــــــ کہنے لگا:

کیا آپ روپوشی اور اپنے اہل وعیال اور گھر کی دوری سے تنگ آ گئے ہیں اور مرنا چاہتے ہیں؟

میں نے کہا: جناب! ایسی کوئی بات نہیں ہے ـــــــ حقیقت یہ ہے کہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ سب کچھ سچ سچ آپ کے سامنے بیان کر دوں ـــــــ میں نے آپ کے والد کو فلاں دن قتل کیا اور اس کی وجہ یہ تھی۔

اس نے میری گفتگو اور اپنے والد کا ذکر سنا تو اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں ـــــــ اس نے دیر تک سر جھکائے رکھا ـــــــ میں اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ میں نے اس شخص کو دشمن بنا لیا ہے ـــــــ اور خود اپنی موت کا اہتمام کیا ہے ـــــــ میرے کان اس کی زبان سے نکلنے والے پہلے لفظ کو سننے کے لئے بے چین تھے ـــــــ اس نے سر اٹھایا اور میری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا:

تم میرے والد سے عادل حاکم کے پاس ملاقات کرو گے وہ خود تم سے اپنا بدلہ لے لے گا ـــــــ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں نے تمہیں پناہ دے رکھی ہے، اسے توڑ کر غداری نہیں کروں گا ـــــــ ورنہ عرب مجھے گالی دیں گے اور کہیں گے اس کا ستیاناس! یہ

بڑا غدار ہے۔

لیکن یہ ضرور چاہوں گا کہ تم مجھ سے دور ہو جاؤ —— مجھے خوف ہے کہ کہیں شیطان مجھ پر غالب نہ آجائے اور میں وہ کام کر گزروں جو مجھے پسند نہیں ہے —— اس نے مجھے ایک ہزار دینار پیش کئے، جو میں نے نہیں لئے —— میں وہاں سے چل دیا اور اس کی جوانمردی کو یاد کرتا رہا —— اور آج تک میں اس شخص کی روح کی عظمت اور اس کی گھٹی میں رچی بسی عالی ظرفی کو خراج تحسین پیش کرتا رہتا ہوں۔

امیر المؤمنین! یہ ہے وہ عجیب ترین بات جو میری آنکھوں نے دیکھی۔

(نہایۃ الادب —— کسی قدر تصرف کے ساتھ)

تبصرہ: اربابِ کرم کی یہ روایت اور وضعداری ہے کہ جب کسی پر قابو پا لیتے ہیں تو اسے معاف کر دیتے ہیں —— حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے عرض کیا: یارسول اللہ! قیامت کے دن مخلوق کا کون حساب لے گا؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ۔ اعرابی نے کہا: ربّ کعبہ کی قسم! پھر تو ہم نجات پا جائیں گے، فرمایا: کیسے؟ کہنے لگا: **لِاَنَّ الْکَرِیْمَ اِذَا قَدَرَ عَفَا** اس لئے کہ کریم جب قادر ہوتا ہے تو معاف کر دیتا ہے۔(۱)

---

(۱) یہ حدیث امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی اور فرمایا کہ اس کا ایک راوی محمد بن زکریا الغلابی متروک ہے، یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ موضوع ہے، لیکن یہ مشہور ہے صوفیہ میں، میں اس کی ذمہ داری سے بری ہوں یعنی نہ تو موضوع کہتا ہوں اور نہ ثابت، اس کی تائید ابن ابی الدنیا کی ایک مرسل روایت سے ہوتی ہے۔ کشف الخفاء للعجلونی۔ (۲/۱۱۰) ۱۲ اشرف قادری

جج نے وزیر کی گواہی رد کر دی

وزراء کی عادت ہے کہ بادشاہوں کے سامنے جی حضوری سے کام لیتے ہیں —— اگرچہ اندر سے ان کے مخالف ہی ہوں —— ایسے لوگوں کے ہاں منافقت کا بازار چالو رہتا ہے —— خلیفۂ عباسی ہارون الرشید کا وزیر فضل بن ربیع جب خلیفہ کے پاس حاضر ہوا تو اس نے خلیفہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے کہا کہ جناب! میں تو آپ کا غلام ہوں —— قاضی ابو یوسف نے بھی یہ بات سن لی۔

کچھ عرصہ کے بعد فضل بن ربیع ایک مقدمہ کے سلسلے میں بطور گواہ قاضی ابو یوسف (ا) کے پاس حاضر ہوئے —— انہوں نے فضل کی وزارت، اور خلیفہ کی بارگاہ میں اس کے مقام اور تقرب کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کی گواہی رد کر دی —— اس عظیم قاضی نے دوسرے قاضیوں (ججوں) کے برعکس خلیفہ یا اس کے وزیر کو راضی کرنے کے لئے اپنا ضمیر نہیں بیچا —— بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق حکم جاری کیا —— ان کا یہ طرز عمل شاعر کے ان اشعار کے مطابق تھا۔

دَعْ لِیْ ضَمِیْرِیْ لَسْتُ اَرْجُوْ بَیْعَہٗ
قُلْ لِیْ بِرَبِّکَ ھَلْ یُسَامُ ضَمِیْرُ

میرے ضمیر کو چھوڑ دو، میرا اسے بیچنے کا کوئی پروگرام نہیں ہے۔
تم اپنے رب کی قسم کھا کر بتاؤ: کیا ضمیر کا بھی سودا کیا جا سکتا ہے؟

اِنَّ الْقُصُوْرَ وَفَوْقَھُنَّ قُصُوْرُ
سُکَّانُھَا مَوْتٰی وَھُنَّ قُبُوْرُ

بے شک محلوں پر محلات بنے ہوئے ہیں —— لیکن ان کے رہنے والے

مردے ہیں اور وہ محلات قبریں ہیں۔

خلیفہ ہارون الرشید کو اطلاع ملی کہ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) ابو یوسف نے اس کے وزیر فضل بن ربیع کی گواہی قبول نہیں کی، بلکہ رد کر دی ہے ـــــ تو اس بات کا اس کے دل پر بڑا اثر ہوا ـــــ اور اس نے اس رویئے کو اپنی توہین قرار دیا۔

خلیفہ نے قاضی ابو یوسف کو عتاب کا نشانہ بناتے ہوئے کہا:

ابو یوسف! آپ جانتے ہیں کہ فضل بن ربیع میرا اہم وزیر اور مقرب ہے ـــــ اس کے باوجود آپ نے اس کی گواہی قبول نہیں کی بلکہ رد کر دی ـــــ ایسا کیوں ہوا؟

امام ابو یوسف مرعوب نہیں ہوئے ـــــ کیونکہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی رضا، ہر رضا سے فائق تھی۔

انہوں نے کہا: امیر المؤمنین! میں نے اپنے کانوں سے انہیں آپ کو مخاطب کرتے ہوئے سنا ہے کہ میں آپ کا غلام ہوں ـــــ اگر وہ اپنی اس بات میں سچے ہیں اور واقعی آپ کے غلام ہیں تو غلام کی گواہی مقبول نہیں ہوتی ـــــ اور اگر وہ اپنی اس بات میں جھوٹے ہیں تو بھی ان کی گواہی قابلِ قبول نہیں ہے ـــــ کیونکہ ان کا جھوٹ ثابت ہو چکا ہے ـــــ انہوں نے آپ کی مجلس میں جھوٹ بولنے سے گریز نہیں کیا ـــــ تو میری مجلس میں بطریقِ اولیٰ جھوٹ سے گریز نہیں کریں گے ـــــ یہ وجہ تھی کہ میں نے ان کی گواہی قبول نہیں کی بلکہ رد کر دی ہے۔

امام ابو یوسف یہ کہہ کر خاموش ہو گئے ـــــ اور خلیفہ کے جواب کا انتظار کرنے لگے ـــــ خلیفہ نے اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا، یہاں تک کہ حق اس پر منکشف ہو گیا ـــــ اس کا چہرہ جگمگا اٹھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی ـــــ اس نے امام ابو یوسف کی رائے کو درست قرار دیا ـــــ اور وزراء اور اس قسم کے دوسرے لوگوں کو

بتا دیا کہ بادشاہوں اور امراء کے پاس سچ بولنا چاہیے ـــــــ جھوٹ اور خوشامد کو ترک کر دینا چاہیے جو منافقت کا ایک شعبہ ہے۔

تبصرہ:

قاضی ابو یوسف نے وزیر کی گواہی رد کر دی ـــــــ وہ اس کے نفس کی تذلیل اور توہین کرنا چاہتے تھے ـــــــ جس نے بہت سے قاضیوں (ججوں) اور امراء کی طرح بادشاہ کی بارگاہ میں حاصل ہونے والے فانی تقرب اور فانی دنیا حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔

صاحب توفیق بادشاہ کی عظمت دیکھئے کہ اس نے حق کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا ـــــــ اس نے وزیر کی خوشی یا ناخوشی کی پرواہ نہیں کی ـــــــ نہ صرف قاضی کو برقرار رکھا، بلکہ وزیر کی گواہی کے رد کر دینے پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

ہارون الرشید نے آنے والے امراء اور وزراء کو صحیح سبق سکھا دیا ـــــــ اور اس بات کو پسند نہیں کیا کہ کوئی شخص اسے کہے کہ:

میرے آقا! میں تو آپ کا غلام ہوں۔

سلاطین اور جج ایسے ہی ہونے چاہئیں جو شریعت کے حکم کو سر آنکھوں پر رکھیں ـــــــ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کے حکم کو دل و جان سے تسلیم کریں ـــــــ اور انہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت متاثر نہ کرے۔

○○○○○○○○○○○

---
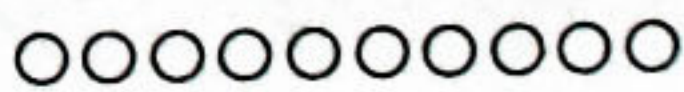
(۱) ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگرد اور قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) ۱۸۹ھ میں فوت ہوئے۔

عالم ربانی خلیفہ وقت کی گرفت میں

جب مہدی خلافت عباسیہ پر مسلط ہوا تو سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ[1] نے اس کی بیعت نہیں کی ــــ مہدی نے انہیں گرفتار کرنے کے لئے پولیس بھیجی تو وہ روپوش ہو گئے ــــ اور طویل عرصہ تک غائب رہنے کے بعد آخر گرفتار ہو گئے ــــ جب مہدی کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے صرف السلام علیکم کہا جیسے عام لوگوں کو سلام دیا جاتا ہے یہ نہیں کہا: السلام علیکم یا امیر المؤمنین! ــــ کیونکہ وہ اسے خلافت کے لائق نہیں سمجھتے تھے ــــ انہوں نے پولیس، فوج اور لاؤ لشکر کی ذرہ برابر پرواہ نہیں کی۔

مہدی اس طرز عمل کو برداشت کر گیا ــــ اور سفیان ثوری کی طرف خندہ پیشانی اور بشاشت کے ساتھ متوجہ ہوا ــــ اس پر ایذا رسانی کی نہیں بلکہ اعزاز و احترام کی علامتیں دکھائی دے رہی تھیں ــــ اس نے سفیان ثوری کو عتاب کے لہجے میں خطاب کیا ــــ اس کا گمان تھا کہ وہ انہیں مرعوب اور خوفزدہ کر دے گا ــــ اس نے کہا:

سفیان! تم ہم سے بھاگتے تھے؟ ــــ تمہارا یہ گمان تھا کہ اگر ہم تمہیں سزا دینا چاہیں تو نہیں دے سکتے ــــ الحمدللہ! اس وقت ہم تم پر غالب آ گئے ہیں ــــ سفیان! تمہارا کیا خیال ہے کہ ہم تمہیں اپنی خواہش کے مطابق سزا دیں گے؟

مہدی کا خیال تھا کہ اس کی دھمکی اور وعید سفیان کو جھکنے پر مجبور کر دے گی ــــ اور وہ اسی مجلس میں خلیفہ کی بیعت اور اطاعت قبول کر لیں گے ــــ لیکن سفیان ثوری کہاں جھکنے اور ضمیر فروشی کرنے والے تھے؟ ــــ وہ خالق کو ناراض کر کے مخلوق کو راضی کرنے کے لئے کب تیار ہونے والے تھے؟

انہوں نے مخلوقات کی ناراضگی پر اللہ تعالیٰ کی رضا کو ترجیح دی ـــــ اور فیصلہ کیا کہ جان جاتی ہے تو جائے، لیکن اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول نہ لی جائے ـــــ انہوں نے مہدی کی طرف توجہ کی اور بلاخوف وخطر وہ بات کہہ دی جسے تاریخ نے اپنے صفحات میں سنہری حروف میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا ہے ـــــ انہوں نے فرمایا:

اگر تو میرے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا چاہتا ہے تو بے شک کر دے ـــــ لیکن یاد رکھ عنقریب قادر و قیوم بادشاہ تیرے بارے میں فیصلہ صادر فرمائے گا ـــــ اور کھرے کھوٹے کو الگ الگ کر دے گا۔

یہ سنتے ہی مہدی کے منافق حاشیہ برداروں کا پارہ چڑھ گیا ـــــ جو ہر وہ کام کر گزرتے ہیں جس سے شاہانِ وقت کا قرب حاصل کیا جا سکے، اگر چہ وہ باطل ہی کیوں نہ ہو ـــــ وہ سفیان کی جسارت، جرأتمندانہ اور تند و تیز جواب پر تلملا اٹھے۔

سفیان نے یہ عظیم جملہ اپنے منہ سے نکالا جوان کے دل کی قوت، حوصلے کی بلندی اور اللہ تعالیٰ پر بے پناہ اعتماد کا اظہار کرتا ہے ـــــ ربیع اپنی تلوار پر ٹیک لگائے خلیفہ کے اس حکم کا منتظر تھا کہ سفیان کا سر قلم کر دیا جائے ـــــ اس کا گمان یہ تھا کہ غیظ و غضب خلیفہ پر غالب آجائے گا اور وہ سفیان کا سر قلم کرنے کا حکم دے دے گا ـــــ یہی کچھ سوچتے ہوئے اس نے کہا:

امیر المؤمنین! اس جاہل کی یہ مجال ہے کہ آپ کے سامنے ایسی گفتگو کرے؟ ـــــ اجازت دیں، میں اس کی گردن اڑا دوں۔

لیکن مہدی سفیان کے قتل پر راضی نہ ہوا ـــــ کیونکہ وہ ان کے علم، اخلاص اور تقویٰ کو جانتا تھا ـــــ اور یہ بھی جانتا تھا کہ انہوں نے میری بیعت نہیں کی تو اس کی وجہ خواہش نفس یا دنیا یا نفس کا کوئی دوسرا مطالبہ نہیں ہے ـــــ بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہی بات ان

کے دل میں ڈال دی ہے —— مہدی نے ربیع کی طرف دیکھا اور کہا: چپ رہ! تیرے لئے بربادی ہو! یہ اور اس جیسے لوگ تو یہی چاہتے ہیں کہ ہم انہیں قتل کر دیں —— ان کو سعادت مل جائے اور ہم بدبخت ہو جائیں —— اور ہماری بدبختی ان کی سعادت کا ذریعہ بن جائے۔

پھر مہدی نے کہا: ان کو یہ آرڈر لکھ کر دو کہ انہیں کوفہ کا قاضی (جج) اور گورنر مقرر کیا جاتا ہے —— کوئی شخص ان کے فیصلے پر اعتراض نہ کرے —— مہدی کا خیال تھا کہ جب امراء اور حکمرانوں کا معاملہ الجھن کا باعث بن رہا ہو تو ان کے ضمیر مال یا عہدہ دے کر خریدے جا سکتے ہیں —— اسی طرح اس نے سفیان کو کوفے کا قاضی مقرر کر کے خرید لیا ہے۔

اسے معلوم نہیں تھا کہ صحیح علم اور ضمیر کی آواز پر عمل کرنے والے دنیا سے بے تعلق ہوتے ہیں اور دنیا کو دوسروں کے لئے چھوڑ چکے ہوتے ہیں، وہ کسی کے آگے نہیں جھکتے اور نہ ہی ان کے ضمیروں کو خریدا جا سکتا ہے —— ہاں یہ الگ بات ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنی خوشی اور اختیار سے کسی کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائیں۔

حکم نامہ لکھا گیا، اس پر مہر لگائی گئی اور سفیان کے سپرد کر دیا گیا —— انہوں نے حکم نامہ لیا، باہر نکلے اور اسے دریائے دجلہ میں پھینک دیا —— انہیں گورنر بننے سے دلچسپی تھی اور نہ جج بننے سے —— وہ مال کے طلب گار تھے اور نہ حکومت کے —— وہ بغداد اور بغداد والوں کو چھوڑ کر جدھر رخ ہوا چلے گئے —— خلیفہ نے ایک تیز رفتار شخص کو ان کے پیچھے بھیجا، لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا۔

تبصرہ:

اللہ تعالیٰ پیکر اخلاص عالم سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رحم فرمائے ——

انہوں نے سلاطین کو عملی درس دیئے جوان کی سچائی، زہد اور معرفت کی نشاندہی کرتے ہیں ——— اسی طرح علماء کو جرأت اور ثابت قدمی کا درس دیا اور بتادیا کہ مومن کی عزت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ——— جیسے ارشاد ربانی ہے:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ (۸/۶۳)

اور اللہ کے لئے عزت ہے اور اللہ کے رسول کے لئے اور مومنوں کے لئے۔

---
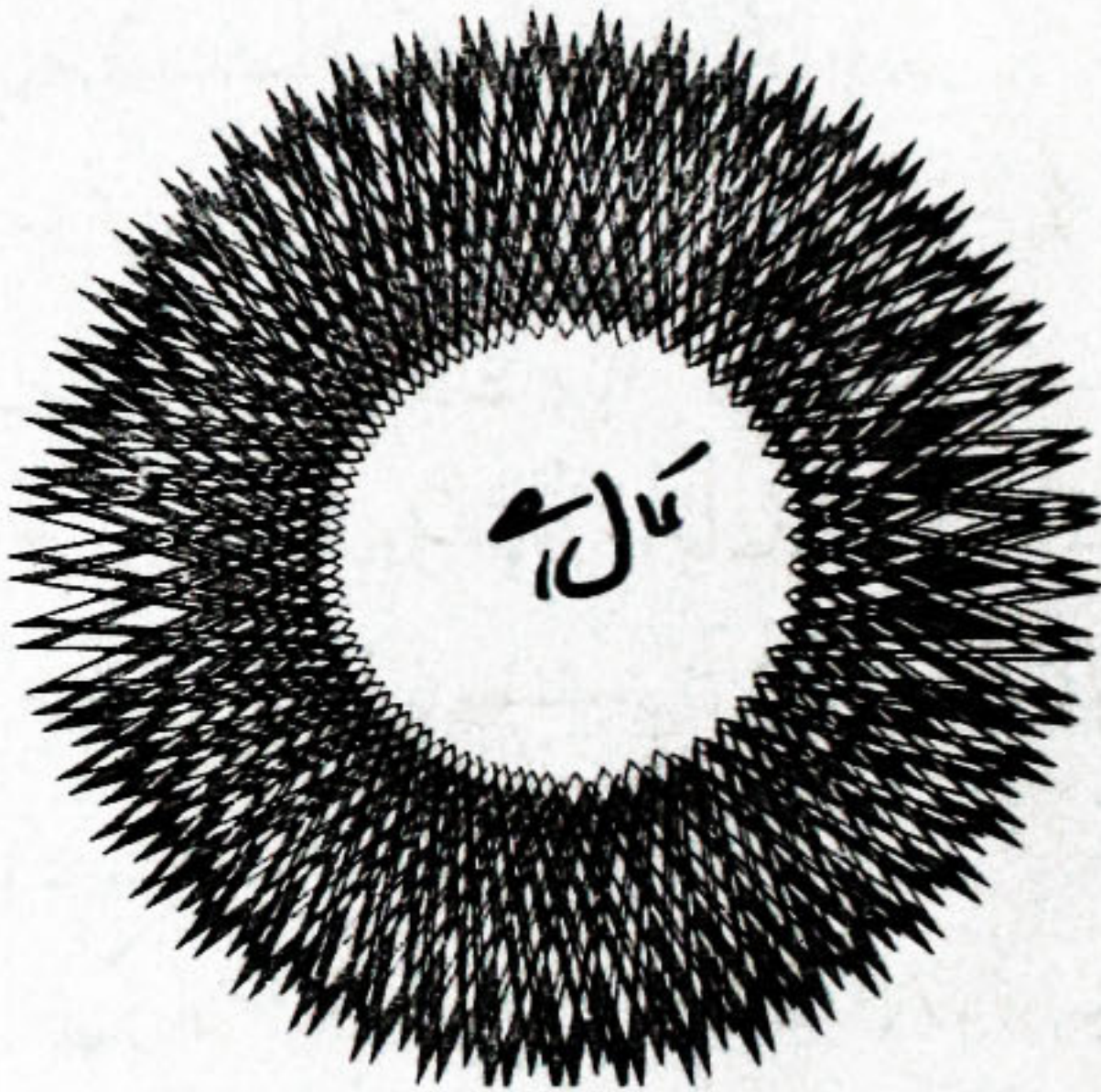
(۱) سفیان بن سعید بن مسروق ثوری، عبد مناۃ کی شاخ بنی ثور سے تھے، یہ امیر المؤمنین فی الحدیث تھے اور دینی علوم اور تقویٰ میں اپنے زمانے والوں کے سردار تھے، کوفہ میں پیدا ہوئے، وہیں نشو ونما پائی، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہے، پھر مہدی نے انہیں طلب کیا تو روپوش ہو گئے اور بصرہ چلے گئے اور روپوشی کے عالم میں ہی فوت ہوئے، ۹۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۶۱ھ میں رحلت فرمائی، رحمہ اللہ تعالیٰ ورضی عنہ۔

جب سلیمان بن عبدالملک مدینہ منورہ حاضر ہوا تو اس نے دریافت کیا کہ یہاں کوئی ایسا شخص ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی زیارت کی ہو؟ ——— تاکہ اس سے گفتگو کر کے سکونِ قلب حاصل کیا جائے ——— اسے حضرت ابوحازم رحمہ اللہ تعالیٰ کی نشاندہی کی گئی ——— وہ نیک، پرہیزگار اور اسلاف کی نشانی تھے ——— خلیفہ اپنے خدام سمیت ان کے گھر حاضر ہوا ——— اور کچھ اس طرح گفتگو ہوئی۔

سلیمان: ابوحازم! کیا وجہ ہے کہ ہم موت کو ناپسند کرتے ہیں؟

ابوحازم: اس لئے کہ تم نے اپنی آخرت برباد کر کے دنیا آباد کر لی ہے ——— اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ تم آبادی کو چھوڑ کر ویرانے میں جانے سے گھبراتے ہو۔

سلیمان: ابوحازم! آپ نے سچ فرمایا ——— یہ بتائیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری کی کیا کیفیت ہوگی؟

ابوحازم: نیک آدمی کی حاضری تو اس طرح ہوگی جیسے کوئی مسافر اپنے گھر والوں کے پاس آ جائے ——— اور گنہگار کی حاضری اس طرح ہوگی جیسے بھاگا ہوا غلام اپنے آقا کے پاس واپس آئے۔

سلیمان بری طرح رونے لگا، یہاں تک کہ اس کی آواز گلے میں پھنس گئی۔

سلیمان: ابوحازم! کاش ہمیں یہ معلوم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے لئے کیا ہے؟ ——— اور قرآن پاک کی کس آیت سے یہ بات ہمیں معلوم ہو سکتی ہے؟

ابوحازم: یہ آیت مبارکہ پڑھیے:

اِنَّ الۡاَبۡرَارَ لَفِیۡ نَعِیۡمٍ وَّاِنَّ الۡفُجَّارَ لَفِیۡ جَحِیۡمٍ (۸۳/۱۴-۱۳)

بے شک نیک لوگ نعمتوں میں اور بدکار دوزخ میں ہوں گے۔

سلیمان: پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت کہاں ہے؟

ابوحازم: نیکوکاروں کے قریب ہے۔

پھر سلیمان نے ارادہ کیا کہ حکماء کی حکمت سے متعلق مسائل کے بارے میں دریافت کرے۔

سلیمان: سب سے زیادہ احمق انسان کون ہے؟

ابوحازم: جو اپنی آخرت کو دوسرے کی دنیا کے بدلے فروخت کرے (یعنی آدمی اپنی آخرت تباہ کرے اور فائدہ کوئی دوسرا اٹھائے)

سلیمان: سب سے مقبول دعا کونسی ہے؟

ابوحازم: مظلوم کی دعا۔

سلیمان: سب سے اعلیٰ صدقہ کون سا ہے؟

ابوحازم: نادار کی کمائی سے دیا جانے والا صدقہ۔

پھر سلیمان نے چاہا کہ ابوحازم سے کوئی نصیحت سنے جسے وہ اپنے دل میں محفوظ رکھے۔

سلیمان: مجھے خصوصی نصیحت فرمائیں۔

ابوحازم: کچھ لوگ اہل ایمان کے مشورے اور ان کے اجماع کے بغیر زمامِ اقتدار ہاتھ میں لے لیتے ہیں ــــــ اور دنیا کے طلب کرنے کے لئے لوگوں کا ناحق خون بہاتے ہیں، پھر دنیا سے کوچ کر جاتے ہیں ــــــ کاش کہ مجھے معلوم ہو کہ انہیں کیا کہا گیا اور انہوں نے کیا جواب دیا؟

ابوحازم نے سلیمان پر چوٹ کی کہ اس نے حقیقی بیعت کے بغیر اقتدار پر قبضہ

کرلیا ہے۔

شیخ نے جو بے باکانہ گفتگو کی اور سلیمان پر چوٹ کی تو اس کا ایک ہم نشین مشتعل ہو گیا ——— اور کہنے لگا:

شیخ تم نے بری بات کہی ہے۔

ابو حازم: تو نے جھوٹ کہا، اللہ تعالیٰ نے علماء سے حق گوئی کا عہد لیا ہے اور انہیں حکم دیا ہے کہ ان پر کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اثر انداز نہ ہو ——— اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا ترجمہ یہ ہے:

اور جب اللہ نے ان لوگوں سے پختہ عہد لیا جنہیں کتاب دی گئی کہ تم یہ کتاب لوگوں کے سامنے بیان کرو گے اور اسے چھپاؤ گے نہیں، تو انہوں نے اسے پسِ پشت ڈال دیا اور اس کے بدلے تھوڑا سا ثمن (مال) خرید لیا، پس وہ بہت ہی برا ہے جو خرید تے تھے۔ (۱۷۸/۳)

سلیمان: ابو حازم! اقتدار کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے؟

ابو حازم: تم اسے جائز طریقے سے حاصل کرو اور اس کے اہل کے سپرد کرو۔

سلیمان: آپ ہماری دنیا حاصل کر سکتے ہیں اور ہم آپ کا قرب حاصل کر سکتے ہیں۔

ابو حازم: اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے محفوظ رکھے۔

سلیمان: کیوں؟

ابو حازم: مجھے خوف ہے کہ میں تمہاری طرف کچھ مائل ہو جاؤں ——— اور اللہ تعالیٰ مجھے دنیا اور موت کا ڈبل عذاب چکھائے۔

سلیمان: ابو حازم! مجھے نصیحت فرمائیں۔

ابو حازم: تم اس معاملے میں اللہ سے ڈرو کہ وہ تمہیں ایسی جگہ دیکھے جہاں سے تمہیں اس نے منع فرمایا ہے ——— یا ایسی جگہ غیر حاضر پائے جہاں اس نے تمہیں حاضر ہونے کا حکم دیا ہے۔

سلیمان: ابو حازم! ہمارے لئے دعائے خیر فرمائیں۔

ابو حازم: اے اللہ! اگر سلیمان تیرا دوست ہے تو اسے دنیا و آخرت میں خیر کی خوشخبری عطا فرما ——— اور اگر تیرا دشمن ہے تو اس کی پیشانی پکڑ کر اسے خیر کے راستے پر لگا دے۔

سلیمان: ابو حازم! مجھے مزید نصیحت فرمائیں۔

ابو حازم: اگر تو اللہ تعالیٰ کا دوست ہے تو تیرے لئے یہی کافی ہے ——— اور اگر تو اس کا دشمن ہے اور تجھے چلّے سے خالی کمان (قضا وقدر کا) سے تیر مارا گیا ہے تو میرا وعظ تجھے کیا فائدہ دے گا؟ ——— یعنی تو عمل بھی کرے گا تو تجھے فائدہ نہیں ہوگا۔

سلیمان: اپنے غلام کو حکم دے کر سو دینار منگواتا ہے اور ابو حازم کو پیش کرتا ہے۔

ابو حازم: نے ان کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا: مجھے ان کی حاجت نہیں ہے۔

تبصرہ:

دور اول کے سلاطین اور امراء کا یہ حال تھا ——— وہ پیکر صدق و اخلاص روحانی علماء کا قرب حاصل کرتے تھے ——— تاکہ ان کے دلوں کی خوشبوؤں اور ان کی عقلوں کے فیصلوں سے مستفید ہوں ——— وہ ایسے ارباب علم و اخلاص کو اپنا مقرب بناتے تھے جو جرأت مند بھی تھے اور عفت مآب بھی، وہ غیور بھی تھے اور خود دار بھی ——— تاکہ جب ارباب اقتدار خطا کریں تو انہیں یاد دہانی کرائیں ——— اور جب راہ راست سے بھٹک جائیں تو انہیں سیدھا کر دیں۔

حضرت ابو حازم رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کو دیکھئے وہ خلیفۂ وقت سلیمان بن عبدالملک کو

نصیحت کرتے ہیں ——— اور اس کا کوئی تحفہ قبول نہیں کرتے ——— انہیں اس بات کا خوف تھا کہ کہیں یہ تحفہ ان کی خالص نصیحت کا معاوضہ نہ بن جائے ——— یہ ربانی علماء جب بادشاہوں اور حکمرانوں سے ملتے تھے تو ریا کاری، چاپلوسی اور بے جا رعایت نہیں کرتے تھے ——— بلکہ انہیں خالص نصیحت کا تحفہ پیش کرتے تھے ——— حکمران اس وقت تک ترقی کرتے رہے۔ جب تک حکمران علماء کے دروازوں پر چل کر جاتے رہے ——— اور اسی میں حکمرانوں اور رعایا کی بھلائی ہے۔

تبصرہ (۲)

مشہور عربی مقولہ ہے:

بِئْسَ الْفَقِیْرُ عَلٰی بَابِ الْاَمِیْرِ
وَنِعْمَ الْاَمِیْرُ عَلٰی بَابِ الْفَقِیْرِ

وہ بُرا فقیر ہے جو امیر کے دروازے پر جائے اور وہ اچھا امیر ہے جو فقیر کے دروازے پر چل کر جائے۔

(قادری)

پیکرانِ اخلاص کے لئے خوشخبری

جب حجۃ الاسلام امام غزالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ[1] نے دنیا سے کنارہ کشی اور بے تعلقی اختیار کی ـــــ اور اپنے نفس کو حقائق کا خوگر بنالیا ـــــ خودنمائی سے گریز کرتے ہوئے اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش میں مصروف ہو گئے ـــــ تو انہوں نے عام آدمیوں جیسا لباس پہنا اور دمشق میں داخل ہو گئے ـــــ مدرسہ سُمیساطیّہ[۲] کے دروازے پر اجازت حاصل کرنے کے لئے بیٹھ گئے ـــــ انہیں ایک فقیر نے اجازت دے دی ـــــ امام غزالی نے ازخود مدرسہ کے وضوخانے کی صفائی شروع کر دی۔

پھر جامع مسجد بنی اُمیہ میں داخل ہو کر ایک کونے میں بیٹھ گئے ـــــ انہوں نے دیکھا کہ علماء کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی ہے ـــــ اور ایک دیہاتی ان سے ایک مسئلہ دریافت کر رہا ہے ـــــ کسی عالم نے اسے تسلی بخش جواب نہیں دیا ـــــ امام غزالی یہ ساری صورت حال دیکھ رہے تھے ـــــ چونکہ کسی عالم نے دیہاتی کو اس کے سوال کا تسلی بخش جواب نہیں دیا تھا اس لئے وہ سراپا حزن وملال بنا ہوا تھا۔

امام غزالی نے جب دیکھا کہ دیہاتی کو جواب نہیں ملا اور وہ حیران وپریشان ہے ـــــ تو انہیں احساس ہوا کہ اب ان پر فتویٰ دینا واجب ہے ـــــ انہوں نے دیہاتی کو اس کے سوال کا جواب دے دیا ـــــ لیکن دیہاتی نے امام غزالی کے معمولی کپڑوں کو دیکھا تو کہنے لگا: اگر بڑے بڑے مفتی میرے سوال کا جواب نہیں دے سکے تو بوسیدہ کپڑوں والا ایک معمولی فقیر میرے سوال کا کیا جواب دے گا؟

جو کچھ امام غزالی کہہ رہے تھے اسے مفتیانِ کرام دیکھ اور سن رہے تھے ـــــ جب دیہاتی اپنی گفتگو سے فارغ ہو گیا تو انہوں نے اس سے پوچھا کہ اس عام سے فقیر

نے تمہیں علم کی کیا بات بتائی ہے؟۔

اس نے جب امام غزالی کا فتویٰ بیان کیا تو مفتیان عظام کی آنکھیں کھل گئیں ــــــ اور انہیں احساس ہوا کہ یہ تو اکابر علماء میں سے ہیں ــــــ اس کے ساتھ ہی ان کے دل میں القا ہوا کہ یہ حجۃ الاسلام امام غزالی کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا ــــــ وہ علماء آپ کے گرد جمع ہو گئے اور انہوں نے اصرار کیا کہ آپ ایک مجلس علمی منعقد کریں تا کہ ہم آپ سے استفادہ کریں ــــــ امام غزالی نے ان شاء اللہ کہتے ہوئے ایک غیر معین دن کا وعدہ کیا ــــــ اور شہرت و ریا کاری سے بچنے کے لئے اسی رات وہاں سے کوچ کر گئے ــــــ پھر دمشق ہی کو چھوڑ گئے ــــــ وہ جس شہر میں بھی گزرے وہاں کے علماء کو یہ کہتے ہوئے اپنے کانوں سے سنا: امام غزالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فرمایا ہے ــــــ انہیں خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں ان کے دل میں تکبر اور خود بینی پیدا نہ ہو جائے ــــــ اس طرح ان کے اعمال برباد ہو جائیں گے ــــــ اور شیطان کا مقصد پورا ہو جائے گا ــــــ کیونکہ تکبر اور خود بینی علماء اور عبادت گزاروں کے اعمال کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔

خلاصۂ گفتگو یہ ہے کہ اخلاص صاحبِ اخلاص کے جوہر کو صاف اور شفاف بنا دیتا ہے ــــــ اور اس کے نفس کو اس قدر پاکیزہ اور مطمئن بنا دیتا ہے کہ وہ جاہ و مال کی محبت میں مصروف نہیں ہوتا ــــــ جب تک اس میں جوہرِ اخلاص چمکتا رہتا ہے اس کی صفائی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

خوش خبری ہے اخلاص والوں کے لئے ــــــ بشارت ہے ان لوگوں کے لئے جو ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرتے ہیں۔

---

(۱) الغزالی: ابو حامد امام محمد بن محمد بن محمد الطوسی، نیک اور غریب باپ کے گھر طوس میں پیدا

ہوئے، ۴۸۴ھ میں بغداد شریف آئے اور مدرسہ نظامیہ میں مسند تدریس (بلکہ منصب صدارت) پر فائز ہوئے، بہت سے علماء نے ان سے علمی استفادہ کیا، ان کا علمی فیض زمین کے اطراف میں پہنچا، ان کی تصانیف مفید اور بڑی تعداد میں ہیں، آخر میں تصوف کی طرف مائل ہو گئے اور تصوف کی متعدد کتب تحریر کیں۔ ۴۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۰۵ھ میں وفات پائی۔

نوٹ: اللہ تعالیٰ کا نظام قدرت دیکھئے کہ جس سال امام غزالی دل برداشتہ ہو کر بغداد سے رخصت ہو رہے تھے اسی سال محبوب سبحانی شیخ سید عبدالقادر جیلانی بغداد میں وارد ہو رہے تھے، جنہوں نے صرف بغداد نہیں بلکہ عالمی سطح پر علمی، ایمانی اور روحانی انقلاب برپا کر دیا۔ ۱۲ اشرف قادری)

(۲) سمیساطیہ یہ نسبت ہے ابوالقاسم علی بن محمد بن یحیی السلمی الحبشی السمیساطی کی طرف، وہ دمشق کے بڑے روٴسا میں سے تھے، یہ مدرسہ جامع بنی امیہ کے پہلو میں تھا، اس کی تعمیر تین سو ہجری کے آخر میں ہوئی، علی بن محمد بن یحییٰ نے اس مدرسہ کو ۴۵۳ھ میں وقف کیا، اس میں محدثین، ماہرین فلکیات اور بہت سے علماء نے فرائض تدریس انجام دیے، اس وقت وہاں ''الجمعیة الغراء'' کا مدرسہ ہے۔ ۱۲ (الدارس التمیمی کسی قدر تصرف کے ساتھ۔)

امام اوزاعی کا تقویٰ

امام عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی رحمہ اللہ تعالیٰ (۱) دمشق سے ساحل جانے کے ارادے سے روانہ ہوئے —— کچھ عرصہ بیروت میں قیام فرمایا —— پھر ارادہ کیا کہ دمشق میں اپنے عزیز واقارب سے ملاقات کر آئیں —— چنانچہ اپنی جائے پیدائش **عُقیبہ** پہنچے اور اپنے بھائی کے پاس ٹھہرے —— ایک شخص نے ان کی خدمت میں رات کا کھانا پیش کیا —— اس دن امام اوزاعی نے روزہ رکھا ہوا تھا —— جب ان کے سامنے دسترخوان بچھایا گیا اور امام نے کھانا کھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا —— تو میزبان نے کہا: جناب! تناول فرمائیں اور ہماری معذرت بھی قبول فرمائیں —— کیونکہ آپ ہمارے پاس تنگ وقت میں تشریف لائے ہیں —— اور ہم آپ کے شایانِ شان اہتمام نہیں کر سکے۔

امام اوزاعی نے ہاتھ اٹھالیا اور ایک لقمہ تک نہیں کھایا —— میزبان اس انتظار میں رہا کہ آپ کھانا کھائیں گے —— لیکن آپ نے صاف انکار کر دیا —— اس کے اصرار کے باوجود آپ نے کھانے کو ہاتھ تک نہ لگایا —— چنانچہ دسترخوان اٹھالیا گیا —— میزبان نے دریافت کیا کہ جناب! آپ نے یہ رویّہ کیوں اختیار کیا؟ —— حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ میرے پاس صرف حلال مال تھا —— اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے آپ کے بعد کوئی مال نہیں کمایا —— امام اوزاعی خاموش رہے —— پھر جب اس شخص نے زیادہ اصرار کیا اور آپ نے دیکھا کہ جواب دیئے بغیر چارہ نہیں —— تو فرمایا: میں وہ کھانا نہیں کھا سکتا جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر کم ادا کیا گیا ہو یا جس پر سرے سے شکر کیا ہی نہ گیا ہو۔

تبصرہ:

ہمیں یہ لائق نہیں کہ ہم ضیافت کے کھانے کو اپنی نگاہوں میں قلیل جانیں —— اور مہمان کے سامنے کھانے کی قلت کی معذرت کریں —— کیونکہ کھانا اگر چہ کم ہو، تاہم اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے —— اور ہم پر اس کا احترام اور شکر واجب ہے۔

(الجرح والتعدیل —— امام ابو حاتم رازی —— کسی قدر تصرف کے ساتھ)

---
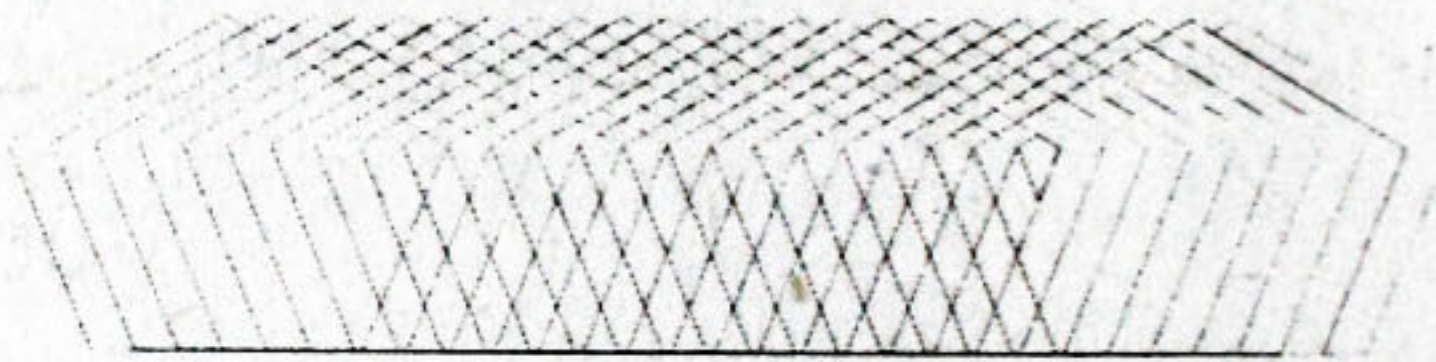
(۱) ابوعمرو عبدالرحمٰن بن عمرو بن محمد اوزاعی، اہل شام کے امام، شام میں ان سے بڑا عالم کوئی نہیں تھا، کہا گیا ہے کہ انہوں نے ساٹھ ہزار سوالات کے جوابات دیئے، بیروت میں قیام پذیر رہے، سفیان ثوری نے ان سے روایت کی، عبداللہ ابن مبارک نے ان سے استفادہ کیا، بعلبک میں پیدا ہوئے۔ پھر شام کی بستی عُقیبہ میں چلے گئے، اس کے بعد بقاع چلے گئے، بعدازاں ان کی والدہ انہیں بیروت لے گئیں، وہیں ۱۵۷ھ میں فوت ہوئے۔۱۲

(وفیات الاعیان۔)

حکمت و دانش

بنوامیہ کے ایک امیر نے ایک تابعی کو کہا:

کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہماری اطاعت کا حکم نہیں دیا؟ —— ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اللہ کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے امر والوں کی۔

تابعی نے فرمایا:

کیا تم نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت ترک نہیں کر دی؟ —— جب تم نے حق کی مخالفت کی ہے تو تمہاری اطاعت کا کیا مطلب؟ (۱) —— اللہ تعالیٰ کا تو فرمان ہے:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ

(سورۃ النساء: ۵۹/۴)

پس اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو۔

مطلب یہ ہے کہ جب کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو معاملے کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف لوٹانا واجب ہے —— نہ کہ خود ساختہ قوانین اور نظاموں کی

طرف —— کیونکہ ان نظاموں کے بنانے والے انسان ہیں —— اور ہوسکتا ہے کہ ان کے بنانے میں غلطی کر جائیں —— جب کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ غلطی نہیں کرتے۔

ابن قیم اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اُولِی الْاَمْر (امر والے) سے مراد علماء ہیں۔

انہوں نے یہ بھی کہا:

تحقیق یہ ہے کہ حکمرانوں کی اطاعت اس وقت کی جائے گی جب وہ شریعت اور علم کے مقتضا کے مطابق حکم دیں گے —— اس وقت ان کی اطاعت علماء کی تبعیت میں فرض ہے —— تو جس طرح علماء کی اطاعت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے تابع ہے —— اسی طرح حکمرانوں کی اطاعت علماء کی اطاعت کے تابع ہے —— کیونکہ یہ علماء ہی ہیں جو حق کو جانتے ہیں اور اس پر عمل کرنے کے لئے اسے حکمرانوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

(زادالمعاد۔ بتصرف)

حضرت فاروق اعظم کی دانشمندانہ وصیتیں

۱۔ جو شخص اپنا راز چھپا کر رکھتا ہے، اختیار اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

۲۔ سب سے زیادہ عقل مند شخص وہ ہے جو سب سے زیادہ لوگوں کی معذرت قبول کرتا ہے۔

۳۔ دراہم اپنی گردنیں ظاہر کئے بغیر نہیں رہتے (یعنی روپیہ پیسہ اپنے آپ کو ظاہر کر کے رہتا ہے۔)

۴۔ کسی شخص کے اخلاق پر اعتماد کرنے سے پہلے اسے غصے کی حالت میں آزما لو۔

۵۔ کوئی بھی شخص تکبر اسی وقت کرتا ہے جب اسے اپنی کسی کمزوری کا احساس ہوتا ہے۔

۶۔ حرکت کا ترک کرنا غفلت ہے۔ (یعنی آدمی کو ہر دم متحرک رہنا چاہیے)

۷۔ بہت دفعہ ایک نظر شہوت کا بیج بو دیتی ہے —— اور ایک گھڑی کی شہوت طویل غم کا باعث بنتی ہے۔

۸۔ عقل مند وہ نہیں ہے جو خیر اور شرّ کے درمیان فرق کو جانتا ہو —— عقل مند وہ ہے جو یہ جانتا ہو کہ ادنیٰ درجے کا شرّ کونسا ہے؟

۹۔ میں تمہیں بیکار رہنے کے نتیجے سے ڈراتا ہوں —— کیونکہ یہ ناپسندیدہ امور کے جمع کرنے میں نشے سے بھی زیادہ مؤثر ہے۔

۱۰۔ جس میں تین خصلتیں نہ ہوں اسے ایمان بھی فائدہ نہیں دیتا —— (۱) وہ حوصلہ ہے جس کے ذریعے جاہلوں کی جہالت کو رد کیا جائے —— (۲) وہ پرہیزگاری ہے جو اسے حرام کاموں سے روکے۔ (۳) وہ اخلاق ہیں جن کے ذریعے لوگوں سے اچھی طرح پیش آئے۔

۱۱۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو فرمایا: اپنے نسب کو سامنے رکھو، تم اپنے رشتے داروں سے صلہ رحمی کرو گے —— جو اچھے اشعار یاد نہیں کرتا وہ کوئی حق ادا نہیں کر سکتا اور نہ ہی ادب کا اعتراف کرے گا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی
اور میدانِ جنگ میں طلبِ علم

[یہ وہ مقام ہے جہاں کسی نے حدیث نہیں سنی]

یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا مقولہ ہے ـــــ وہ علم کے محبّ بھی تھے اور طالب بھی ـــــ وہ حالتِ جنگ میں صفوں کے درمیان چکر لگاتے ہوئے بھی علماء سے حدیث شریف سنا کرتے تھے ـــــ اور مذکورہ بالا مقولہ دہرایا کرتے تھے ـــــ وہ اس پر فخر کیا کرتے تھے ـــــ اور اپنی اولاد کو علم کے طلب کرنے اور حدیث شریف کے یاد کرنے کی دعوت دیا کرتے تھے ـــــ یہاں تک کہ وہ اپنی اولاد کے ساتھ علماء سے دین کا فہم حاصل کرنے اور ان کے اخلاق کی اقتدا کرنے کے لئے ان کی مجلسوں میں حاضر بھی ہوا کرتے تھے ـــــ یہ حال تھا صاحب حطّین، عیسائیوں کے حملوں کا منہ توڑ جواب دینے والے سلطان ناصر صلاح الدین ایوبی کا رضی اللہ تعالیٰ عنہ وَ اَرْضَاہُ۔

سلطان صلاح الدین ایوبی اپنے دو بیٹوں کے ہمراہ حدیث سننے کے لئے عظیم عالم، محدث کبیر ابو طاہر سلفی (۱) رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں (اسکندریہ) حاضر ہوئے ـــــ اپنے بیٹوں کے ہمراہ ان کے سامنے بیٹھے ـــــ تاکہ بادشاہوں اور عوام کو علم اور علماء کی تعظیم اور ان سے فیض حاصل کرنے کا ادب سکھائیں۔

اس عظیم بادشاہ نے اسکندریہ کے عالم اور جلیل القدر محدث ابو طاہر سلفی سے صرف علم حاصل نہیں کیا بلکہ ان سے اجازت بھی طلب کی، نامور محدث نے انہیں اجازت عطا فرمائی ـــــ سلطان دوسرے بادشاہوں اور امراء پر فخر کرتے تھے کہ میں نے علماء کی خدمت کی اور ان سے علم حاصل کیا ـــــ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے راویوں سے

خدمت کی اوران سے علم حاصل کیا——اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے راویوں سے استفادہ کیا ہے۔

(وفیات الاعیان—— کسی قدر تصرف کے ساتھ)

تبصرہ:

ماضی کے عظیم سلاطین، حکمرانوں اور بادشاہوں کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ علماء کے دروازوں پر حاضر ہوتے تھے——اوران کے سامنے شاگردوں کی صف میں بیٹھتے تھے——تاکہ اپنے آپ کو علم کے طلباء اور رسول اعظم ﷺ کی حدیث کے روایت کرنے والوں کے گروہ میں شامل کرسکیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جب حکمران اور بادشاہ دین دار عالم ہو اور اہل علم کے پاس آمدورفت رکھتا ہو تو عوام اس سے انتہائی محبت رکھیں گے اور اس کی بہت فرمانبرداری کریں گے——اور جب وہ علم اور اہل علم سے دور ہو تو رعایا کے دل اوران کی روحیں اس سے دور ہوں گی——وہ عوام کی اطاعت اور فرماں برداری سے محروم کردیا جائے گا——کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے ہر شے اس کی اطاعت کرتی ہے۔

---

(۱) شیخ الاسلام عمادالدین حافظ احمد بن محمد بن سِلَفہ (سین کے نیچے زیر اور لام پر زبر) اصبھانی جرواءانی ۴۷۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۷۶ھ میں وفات پائی۔

(دیکھئے: طبقات الحفاظ للذھبی ج ۴ ص ۱۲۹۸——اور الاعلام للزرکلی۔)

یا علم یا جسمانی راحت

ابوالحسن علی بن ابراہیم رازی خطیب نے الجرح والتعدیل اور علوم الحدیث کے مصنف عبدالرحمٰن بن محمد رازی کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا:

عبدالرحمٰن علماء اور مشائخ سے علم حاصل کرنے کے لئے شام، مصر، اسکندریہ اور بغداد گئے ـــــ ان کا بیان ہے کہ ہمارے سات ماہ اس طرح گزرے کہ ہم نے شوربے کی ایک بوند نہیں چکھی ـــــ دن کے وقت علماء اور اساتذہ کی خدمت میں حاضری دیتے ـــــ رات کے وقت کتابیں نقل کرتے اور ان کا اصل کے ساتھ مقابلہ کرتے ـــــ ایک دن میں اور میرا ساتھی ایک بزرگ کے پاس حاضر ہوئے ـــــ ہمیں بتایا گیا کہ وہ بیمار ہیں ـــــ ہمیں ان کے گھر کے پہلو میں مچھلی فروش کے پاس ایک مچھلی دکھائی دی جو ہمیں بہت پسند آئی ـــــ ہم نے وہ مچھلی خرید لی ـــــ جب گھر پہنچے اور اسے بھوننے کا ارادہ کیا تو ایک استاذ ہماری مجلس میں تشریف لے آئے ـــــ ہم نے مچھلی اسی طرح چھوڑ دی اور استاذ کی خدمت میں حاضر ہو گئے ـــــ تین دن اسی طرح گزر گئے ـــــ ہمیں خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں مچھلی خراب ہی نہ ہو جائے ـــــ ہم چونکہ علم حاصل کرنے میں مصروف تھے اور قیمتی اوقات کو علم ہی کے لئے صرف کرنا چاہتے تھے ـــــ اس لئے ہمیں اسے بھوننے کا موقع نہ مل سکا چنانچہ ہم نے کچی ہی کھالی۔

اس جگہ شیخ محدث عبدالرحمٰن رازی نے تاریخی جملہ کہا، جسے تاریخ نے اپنے صفحات میں محفوظ کر دیا ـــــ انہوں نے فرمایا:

"جسمانی راحت کے ساتھ علم حاصل نہیں کیا جا سکتا۔"

مسلمان کا تشخص ممتاز ہونا چاہیے

حضرت عمر بن خطاب ؓ فوج اور فوجی کمانڈروں کو خصوصی نصیحتیں بھیج کر ان کی دیکھ بھال کرتے رہتے تھے ـــــ اور یہ نصیحتیں فوجیوں کے لئے بہترین ذخیرہ ہوا کرتی تھیں۔

آپ نے دیکھا کہ عربوں نے روم اور ایران کے علاقے فتح کر لئے ہیں ـــــ اور دعوت کا جھنڈا اٹھائے دنیا کے کناروں تک اسلام کا پیغام پہنچا رہے ہیں ـــــ انہیں خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں وہ زاہدانہ انداز اور دنیا سے بے رغبتی ترک کر کے عیش وعشرت میں مبتلا نہ ہو جائیں ـــــ کہیں ایسا نہ ہو کہ عجمیوں کے اخلاق وعادات اپنا لیں اور ان کے کپڑے پہننے لگیں ـــــ اور خود بھی ان جیسے ہو جائیں ـــــ قوموں میں کمزوری اس وقت جڑ پکڑتی ہے، جب وہ دوسری قوموں کی تقلید کرنے لگتی ہیں ـــــ لباس، عادت اور زبان میں ان کی پیروی کرنے لگتی ہیں ـــــ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پیروی کرنے والوں کی شخصیت مقتداؤں کے درمیان پگھل جاتی ہے ـــــ اور چونکہ ان کی شخصیت تقلید کی کٹھالی میں پگھل جاتی ہے اس لئے ان کی ثقافت بھی برباد ہو جاتی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارادہ کیا کہ مسلمان عرب اپنی ان عادات اور روایات کا تحفظ کریں جن میں انہوں نے اپنے شہروں میں نشوونما پائی ہے اور اسلام نے انہیں پاکیزہ بنایا ہے ـــــ حقیقت یہ ہے کہ یہ روایات صحیح قوت کا سرچشمہ اور فتح ونصرت کا عنوان ہیں ـــــ حضرت فاروق اعظم نے چند سطروں میں افواج کو حکم دیا کہ عربوں کی روایات کا تحفظ کریں اور مسلمانوں کے اخلاق کو سختی سے اپنائیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

اما بعد! تہبند باندھو، اوپر کی چادریں استعمال کرو اور جوتے پہنو——موزے اور شلواریں پھینک دو——تم اپنے جد امجد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے کپڑے پہنو!——عجمیوں اور سرمایہ دار لوگوں کا لباس مت پہنو——تم دھوپ میں رہنے کی عادت ڈالو، کیونکہ یہ عربوں کا حمام ہے——درشت مزاج بنو، کھردرے کپڑے پہنو!——رکابیں کاٹ دو اور چھلانگ لگا کر گھوڑے پر سوار ہونا سیکھو——اور ہدف پر نشانہ لگانے کی مشق کرو۔

یہ وہ جامع نصیحت ہے جو امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے لشکروں کے کمانڈروں کو بطور آرڈر جاری فرمائی——انہیں خوف تھا کہ اگر ان کاموں کو چھوڑ دیا گیا تو دشمنوں کے سامنے فوجیوں کی حسی اور معنوی قوتیں کمزور پڑ جائیں گی۔

آپ نے فرمایا: [فَـاتَّـزِرُوْا..........] افواج کو تہبند، اوپر والی چادر اور جوتے استعمال کرنے کا حکم دیا——کیونکہ یہی عربوں کا لباس ہے——اور انہیں عجمیوں کی طرح کڑھائی کی ہوئی فاخرانہ شلواریں اور قیمتی موزے پہننے سے منع فرمایا——کیونکہ انہوں نے جس اسلامی لباس کا حکم دیا تھا وہ عیش و عشرت سے دور ہے——نرم، ملائم اور فاخرانہ لباس پہننے سے مردوں میں عورتوں اور ہیجڑوں والے اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں——انسان سستی اور تن آسانی کا شکار ہو جاتا ہے——نیز مشکلات پیش آنے پر بزدل ہو جاتا ہے——حضرت فاروق اعظم نے فوجیوں کو کسی بھی معاملے میں عجمیوں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا——تاکہ ان کا اسلامی، عربی اور بدوی تشخص برقرار رہے——اور ان کے قدم اندھی تقلید کے باعث پھسل نہ جائیں——مسلمان کی شخصیت اسلامی، منفرد اور بلند و بالا ہے، جس پر وہ بجا طور پر فخر کر سکتا ہے——مسلمان اگر اس شخصیت کو بھلا دے گا تو وہ دشمنوں کو خوف زدہ کر دینے والی عظیم ترین معنوی قوت

سے محروم ہو جائے گا——پس لباس، روایات اور زندگی کے طور طریقوں سے غیروں، خاص طور پر دشمنوں کی اندھی تقلید مسلمانوں کو مقتدی بنا دے گی، مقتدا نہیں بننے دی گی——عامۃ المسلمین کو ہر بھلائی ان کے پیچھے چلنے میں نظر آئے گی——اور یہ اس طرح پگھل کر فنا ہو جائیں گے جس طرح نمک پانی میں فنا ہو جاتا ہے۔

اسی طرح جب دشمن دیکھے گا کہ تم اس کی تقلید اور پیروی کر رہے ہو تو وہ تمہیں حقیر جانے گا——اس کی نگاہ میں تمہارا مقام حقیر ہو جائے گا اور تمہاری ہیبت اس کے دل میں کم ہو جائے گی——بالفاظِ دگر ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ جب آپ نے اپنی ذات اور شخصیت کو کھو دیا تو آپ نے اپنے ہاتھ سے بہت بڑا ہتھیار ضائع کر دیا۔

حضرت فاروق اعظم نے افواج کو مضبوط جوتوں کے پہننے کا حکم دیا——قیمتی اور ہلکے پھلکے موزے پہننے سے منع فرمایا——تاکہ پیدل چلنے سے ان کی ہڈی مضبوط ہو——اور دادِ شجاعت دینے اور میدان جنگ میں ان کے پاؤں جہاد کے لئے مضبوط ہوں (نرم و نازک جوتے پہننے والا میدانِ جنگ میں مطلوبہ ثابت قدمی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔)

اسی طرح امیر المؤمنین نے سپاہیوں کو حتی الامکان دھوپ میں رہنے کا حکم دیا——تاکہ ان کے اجسام تندرست اور توانا رہیں——کیونکہ دھوپ بہت سی بیماریوں کا علاج ہے——مجاہدین ایسے شہروں میں جا پہنچے تھے جن کی فضا جنگلوں والی تھی——انہیں خوف محسوس ہوا کہ کہیں شہری آبادیوں کی سایہ دار جگہوں پر رہنے سے مجاہدین شہری بیماریوں میں مبتلا نہ ہو جائیں——علاوہ ازیں وہ نئی فضاء، نئے کھانے اور نئی ہوا سے مانوس نہیں تھے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ تم شہ سواری اور اخلاق و عادات میں اپنے جد امجد معد بن عدنان کا طریقہ اپناؤ——فرمایا:

(تَمَعۡدَدُوۡا وَاخۡشَوۡشِنُوۡا) تم اپنے لباس اور طور اطوار میں درشتی اور کھردرا پن اپناؤ، تاکہ تمہارے اجسام جنگوں کے متحمل ہو سکیں ــــــ اور دشمنوں کے مقابلے کے وقت مشقت، جفاکشی اور گرمی کو برداشت کر سکیں ــــــ رہا نرم و نازک اور عیش و عشرت کا عادی تو وہ اس طرح پگھل جائے گا، جس طرح نمک پانی میں پگھل جاتا ہے ــــــ اس میں اتنی طاقت نہیں ہوگی کہ وہ ثابت قدم رہ سکے اور مصیبتیں برداشت کر سکے۔

آپ نے حکم دیا (اخۡلَوۡلِقُوۡا) کہ ہمیشہ جنگ کے لئے تیار رہو ــــــ بے مقصد فارغ رہ کر اپنی طاقت اور شہسواری کی صلاحیت ضائع نہ کرو ــــــ بلکہ جب بھی جنگ کا پہیہ گردش میں آئے، تم آمادۂ جہاد رہو ــــــ اور ایک آرڈر پر فوراً حرکت میں آجاؤ۔

سیدنا فاروق اعظم نے فرمایا: اِقۡطَعُوا الرُّکَبَ یعنی گھوڑوں کی پشتوں سے رکابوں کو ختم کر دو ــــــ (وَانۡزُوۡا عَلٰی ظُهُوۡرِهَا) یعنی گھوڑوں کی رکابوں میں پاؤں رکھے بغیر چھلانگ لگا کر ان پر سوار ہو جاؤ ــــــ اور رکابوں کے بغیر ان پر سوار ہونے کی عادت ڈالو ــــــ کبھی تمہیں فوری طور پر سوار ہونے کی ضرورت پڑی تو تم جست لگا کر ان پر سوار ہو سکو گے اور سرکش گھوڑے کو قابو کر سکو گے ــــــ طاقت ور بہادروں اور ماہر شہسواروں کا یہی طریقہ ہے ــــــ دشمن جب مجاہدین کو رکابوں کے بغیر ایک جست میں گھوڑوں پر سوار ہوتے ہوئے دیکھیں گے تو ان سے مرعوب ہو جائیں گے ــــــ نیز ان کی چستی اور طاقت سے خوف زدہ ہو جائیں گے۔

نیز افواج کو حکم دیا (ارۡتَمُوا الۡاَغۡرَاضَ) نشانوں پر تیر پھینکو ــــــ اور صحیح نشانے پر تیر مارو ــــــ نشانہ بازی کی مشق کرو ــــــ تاکہ تمہیں جنگ میں کام دے ــــــ اور تم دشمن کو صحیح نقصان پہنچا سکو ــــــ آج فوجیوں کو جنگی مشقیں کروائی جاتی ہیں

ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ راکٹ اور بم برسائیں اور نشانے پر برسائیں۔

رسول اللہ ﷺ تیر اندازی اور گھڑ سواری پر ابھارا کرتے تھے —— حدیث شریف میں ہے: فَمَنْ لَّمْ یَرْمِ فَلَیْسَ مِنَّا جس شخص نے تیر اندازی نہیں کی وہ ہمارے طریقے پر نہیں ہے —— ایک دوسری حدیث میں ہے: رَمْیًا بَنِیْ اِسْمَاعِیْلَ فَاِنَّ اَبَاکُمْ کَانَ رَامِیًا ۔ اے اولاد اسماعیل! خوب تیر اندازی کرو، تمہارے جد امجد بھی تیر انداز تھے —— اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا:

اِرْمِ سَعْدُ اِفِدَاکَ اَبِیْ وَاُمِّیْ

سعد! تیر چلاؤ! تم پر ہمارے والدین فدا ہوں۔

میں نے اسی سلسلے میں ایک قصیدے میں یہ اشعار کہے ہیں:

فَرَمْیًا بَنِیْ اِسْمَاعِیْلَ اِنَّ اَبَاکُمْ
لَقَدْ کَانَ یَوْمَ النَّقْعِ اَکْیَسَ رَامِیًا
فَرَمْیًا فَمَنْ لَّمْ یَرْمِ لَیْسَ بِمُفْلِحٍ
اِذَا اشْتَجَرَتْ بَیْنَ الْخَمِیْسِ الْعَوَالِیَا

اے اولاد اسمٰعیل! خوب تیر اندازی کرو، بے شک تمہارے جد امجد جنگ کے دن ماہر تیر انداز تھے۔

تو خوب تیر اندازی کرو اور جو تیر اندازی نہیں کرتا وہ اس وقت کامیاب نہیں ہوتا جب لشکر میں بلند و بالا نیزے گتھم گتھا ہو جائیں۔

تبصرہ:

یہ اسلامی افواج کے نام سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت ہے ——
ان کا مقصد یہ تھا کہ سپاہِ اسلام کے دلوں میں طاقت، مردانگی اور شہسواری کی روح پھونک

دیں ــــــ انہیں افواجِ اسلام کے بارے میں سب سے زیادہ خوف خوش حالی اور عیش و عشرت کا تھا ــــــ یہ وہ اوصاف ہیں جو ایک مرد کے دل میں ہیجڑہ پن، زنانہ پن اور بزدلی پیدا کر دیتے ہیں ــــــ فوجیوں کے دل عیش و نشاط اور راحت کی طرف مائل ہو جاتے ہیں ــــــ اور اس طرح وہ فریضۂ دعوت ادا کرنے کے قابل نہیں رہتے ــــــ اور شدتِ جنگ میں اپنی ذمہ داری ادا کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔

اسلامی فوجوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تاکیدی حکم پر پورا پورا عمل کیا ــــــ اللہ تعالیٰ نے ان کی قوت میں اضافہ کیا اور عزت میں بھی برکت عطا فرمائی ــــــ انہوں نے روئے زمین کے اطراف و اکناف میں کلمۂ توحید کی تبلیغ کی ــــــ اور جو ان کے مقابل آیا اس کا قلع قمع کر دیا ــــــ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے دنیا کو فتح فرما دیا اور انہیں ان کے مقاصد کے پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائی ــــــ ضروری ہے کہ حکمران اور امراء اپنے لشکروں کو یہی حکم دیں ــــــ اور رغبت کرنے والوں کو اسی میں رغبت کرنی چاہیے۔

تبصرہ (۲): حضرت مصنف نے مسلمانوں میں پائی جانے والی خطرناک بیماری پر تنبیہ فرمائی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ غیر مسلموں کی نقالی مسلمانوں کے تشخص کو تباہ کرنے کا باعث بنتی ہے، جب ہمارے حکمران داڑھی اور پردے کا مذاق اُڑائیں، بغلوں میں کتے لے کر تصویریں کھچوائیں، بیگمات کو بے پردہ زینت محفل بنائیں تو عوام میں اسلامی تشخص اپنانے کا جذبہ کہاں سے پیدا ہوگا اور غیر مسلموں سے مرعوب ہونے کی روایت کب ختم ہو گی؟ کوئی شخص پینٹ کوٹ پہن کر اور نکٹائی لگا کر کسی بڑے سے بڑے افسر کے پاس چلا جائے اور انگریزی میں گفتگو کرے تو وہ افسر اس نیازمندی سے پیش آئے گا جیسے آنے والا افسر ہو اور یہ اس کا ماتحت، انڈیا کی نشریات کا سننا اور انڈین ٹیلیویژن دیکھنا اسی طرح غیر ملکی چینل دیکھنا کسی طرح بھی معیوب نہیں سمجھا جاتا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم بول چال، لباس اور بے حیائی میں ان کی نقالی باعثِ فخر سمجھتے ہیں، دوسروں کا تو کیا رونا خود پاکستانی ٹیلیویژن بے پردگی اور بے حیائی میں دوسروں کے دوش بدوش چلنا ترقی سمجھتا ہے۔ شرف قادری

ابن نُصَیر فاتح اندلس رحمہ اللہ تعالیٰ

انہوں نے اقتدار اور امیر کی نافرمانی پر رب کریم کی رضا کو ترجیح دی

ایک دفعہ خلیفۂ وقت سلیمان بن عبدالملک فاتحِ اندلس موسیٰ ابن نُصیر (۱) پر ناراض ہوگیا ـــــ اس کے حکم پر موسیٰ کو چلچلاتی ہوئی دھوپ میں کھڑا کر دیا گیا ـــــ موسیٰ بھاری جسم کا مالک تھا، تھوڑی دیر کے بعد بے ہوش ہو کر گر پڑا ـــــ جب اسے ہوش آیا تو سلیمان بن عبدالملک نے جلال کے عالم میں غصے سے پھنکارتے ہوئے کہا:

میں نے تمہیں تحریری طور پر آرڈر دیا تھا ـــــ تم نے میرے حکمنامے کو دیکھا تک نہیں ـــــ کیا اسی طرح حکم مانا جاتا ہے؟ ـــــ

اس نے دھمکی دینے کے انداز میں سر ہلایا ـــــ قریب تھا کہ وہ شدت غضب سے پھٹ جائے۔

پھر اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا:

ایک لاکھ دینار لاؤ ـــــ پورے ایک لاکھ دینار نکالو۔

موسیٰ نے کہا:

امیرالمؤمنین! میرے پاس جو مال و اسباب تھا وہ آپ لے چکے ہیں ـــــ آپ نے مجھے نادار بنا دیا ہے ـــــ میں لاکھ دینار کہاں سے پیش کروں؟ ـــــ میں تو فقیر بے نوا ہوں ـــــ میرے پاس ایک ٹیڈی پیسہ بھی نہیں ہے ـــــ حالات زمانہ نے اپنے دانت مجھ میں گاڑ دیے ہیں ـــــ میں اس وقت بالکل خالی ہاتھ ہوں۔

موسیٰ کا خیال تھا کہ سلیمان کو اس کی بے کسی پر ترس آئے گا ـــــ اس نے

سلیمان کے جذبۂ ترحم کو ابھارنے کے لئے پورا زور بیان صرف کر دیا ——— لیکن سلیمان پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا ——— الٹا اس کے طیش میں اضافہ ہو گیا ——— چہرے کے زاویے بدل گئے ——— گلا پھاڑتے ہوئے نیا حکم صادر کیا:

دو لاکھ دینار پیش کرو ——— پورے دو لاکھ ——— ایک بھی کم ہوا تو جرمانہ قبول نہیں ہوگا۔

موسیٰ ایسے جرنیل کی آنکھوں کا پیمانہ چھلک پڑا ——— اسے یوں محسوس ہوا جیسے زمین اپنے مشرق و مغرب سمیت اس پر گر پڑی ہے ——— اس نے گڑگڑاتے ہوئے اور معذرت کرتے ہوئے کہا:

جناب عالی! میں آپ کے سامنے حاضر ہوں ——— میرے پاس مال کہاں؟ ——— میں تو فقیر بے نوا ہو چکا ہوں ——— میں بالکل خالی ہاتھ ہوں، میرے پاس ایک پیسہ تک نہیں ہے۔

عجیب صورت حال تھی ——— بجائے پسیجنے کے اس کی سنگ دلی اور قہر و غضب میں اضافہ ہو گیا ——— اس کی آنکھیں اوپر چڑھ گئیں ——— فرطِ غضب سے اس کی شکل پہچانی نہیں جاتی تھی ——— اس نے چنگھاڑتے ہوئے کہا:

تم مانو یا نہ مانو ——— تمہیں ہر قیمت پر تین لاکھ دینار دینے پڑیں گے۔

پھر اس نے اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ اسے لے جا کر شدید ترین سزا دو ——— پھر اس نے ارادہ کیا کہ اسے قتل کر کے قضیہ ہی ختم کر دیا جائے۔

موسیٰ نے اشک بار آنکھوں سے دائیں بائیں دیکھا ——— وہ اس انتظار میں تھے کہ انہیں کسی طرف سے مدد مل جائے ——— اچانک ان کی نظر سلیمان بن عبدالملک کے وزیر یزید بن مہلب پر پڑ گئی ——— وہ سلیمان کے دربار میں بڑا معزز مقام رکھتے تھے

——موسیٰ نے ان کی پناہ طلب کی——انہوں نے خلیفۂ وقت سے درخواست کی کہ آپ موسیٰ کو میرے سپرد کر دیں——خلیفہ نے کہا: میں اسے آپ کے سپرد کرتا ہوں، لیکن شرط یہ ہے کہ آپ تین لاکھ دینار ادا کر دیں——یزید نے یہ خطیر رقم ادا کر دی اور موسیٰ کو پورے اعزاز اور احترام کے ساتھ اپنے گھر لے آئے۔

اب امیر موسیٰ ابن نُصیر یزید بن مہلب کے مہمان تھے——ایک رات دیر تک گفتگو ہوتی رہی——یزید نے موسیٰ سے دریافت کیا:

ابو عبدالرحمٰن! یہ تو بتائیں کہ آپ نے اپنی جان ہلاکت میں کیوں ڈال دی تھی؟——آپ نے اپنی عزت اور اقتدار کے مقام کو برقرار کیوں نہیں رکھا؟——اگر اپنے مقام کو بحال رکھتے تو آپ سربراہ ہوتے، ماتحت نہ ہوتے——آپ حکمران ہوتے، تابع فرمان نہ ہوتے——اور آپ اس حالت کو بھی نہ پہنچتے جس تک کہ آپ پہنچ چکے ہیں۔

موسیٰ کچھ دیر تک سر جھکائے مسکراتے رہے——پھر انہوں نے سر اٹھایا تو ان کے چہرے پر اخلاص اور وفا کی شعائیں جگمگا رہی تھیں——جو گفتگو انہوں نے کی وہ ان کے دل سے نکلی تھی اور ان کا چہرہ ان کے دل کا آئینہ بن گیا۔

کہنے لگے:

اللہ کی قسم! اگر میں دائرۂ فرمانبرداری سے نکلنا چاہتا یا سرکشی دکھانا چاہتا تو وہ میری گرد کو بھی نہ پا سکتے تھے——لیکن میں نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو اختیار کیا اور امیر المؤمنین کی اطاعت کے ترک کرنے کو ایمان کے تقاضے کے خلاف جانا۔

یہ وہ گفتگو ہے جو موسیٰ بن نصیر کے دل کی ترجمان تھی——ان کا دل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول معظم ﷺ کی اطاعت، اخلاص اور ایمان سے لبریز تھا——انہوں نے قید، ذلت، عذاب اور فقر برداشت کر لیا، مگر وقت کے مسلمان حکمران کی نافرمانی اور

بغاوت کا راستہ اختیار نہیں کیا۔

موسیٰ ابن نُصیر صرف تاریخ اسلام کے جلیل القدر فاتحین میں سے نہیں ہیں ــــــ بلکہ دنیا کے عظیم ترین اور نامور جرنیل ہیں ــــــ انہوں نے بربروں پر غلبہ پایا ــــــ بربر قوم حملوں کی شدت اور سفا کی میں شہرۂ آفاق ہے ــــــ انہوں نے بے شمار حملے کر کے ہر طرف فتنہ و غارت گری کی آگ بھڑکا رکھی تھی ــــــ یہ لوگ بارہ دفعہ سے زیادہ مرتبہ اسلام سے برگشتہ ہوئے ــــــ موسیٰ ابن نصیر انہیں دفع کرتے رہے ــــــ یہاں تک کہ ان میں نرمی پیدا ہوئی ــــــ وہ مشرف با سلام ہوئے اور دل و جان سے حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے ــــــ یہ موسیٰ ابن نصیر ہی تھے جن کے ذریعہ بربروں کا ایمان مستحکم ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ افریقہ اور مغرب اقصیٰ میں اسلام کا پھیلاؤ اس عظیم فاتح اور جرنیل کا ممنون ہے ــــــ جس نے بربر کے شہروں کے فتح کرنے، دین اسلام کی اشاعت، اور ان میں اقتدار کے مستحکم کرنے پر اکتفا نہیں کیا ــــــ بلکہ اندلس کی طرف متوجہ ہوا، اسے فتح کیا اور اس کے شہروں پر قبضہ مضبوط کیا ــــــ حالانکہ اس وقت اُن کی عمر پچھتر سال تھی ــــــ اس عمر میں آدمی پر بڑھاپا چھا جاتا ہے اور اس کا عزم کمزور پڑ جاتا ہے۔

عجیب ترین بات یہ ہے کہ بڑی بڑی فتوحات میں موسیٰ ابن نصیر اور طارق بن زیاد کی فوجوں کی تعداد تیس ہزار سے زیادہ نہیں تھی ــــــ انہوں نے اندلس پر حملہ کیا اور اسے پاؤں تلے روند ڈالا ــــــ اگر کوئی دوسرا جرنیل تین لاکھ مجاہدین کی فوج لے کر بھی حملہ آور ہوتا تو دشمن پر اتنی بڑی کامیابی حاصل نہ کر پاتا جو موسیٰ نے مختصر فوج کے ساتھ مختصر سی مدت میں حاصل کی۔

پھر لطف کی بات یہ ہے کہ ان کے پیش نظر صرف اندلس نہیں تھا ــــــ بلکہ اس عظیم جرنیل کی آرزو یہ تھی کہ میں پورے یورپ کو فتح کروں ــــــ اور اسے روندتے

ہوئے قسطنطیہ تک پہنچ جاؤں ـــــــ پھر وہاں سے مشرق کا رخ کروں اور شام کے شہروں کو فتح کروں ـــــــ لیکن موت نے انہیں اپنے منصوبے پورے نہ کرنے دیئے۔

وہ کہا کرتے تھے:

افسوس! اگر میری فوج میرا کہنا مانتی تو میں ان کے ذریعے روم اور اس کے شہروں اور تمام علاقوں کو فتح کر ڈالتا۔

اللہ تعالیٰ موسیٰ ابن نُصیر پر رحمتیں نازل فرمائے ـــــــ انہوں نے ہر قسم کی سختی، مصیبت اور ناداری برداشت کی ـــــــ لیکن مسلمان سلطان وقت کی نافرمانی کے لئے تیار نہیں ہوئے ـــــــ یہ سب نتیجہ تھا اس ایمان کا جوان کے دل میں راسخ تھا ـــــــ اور اللہ تعالیٰ کے خوف کا جوان پر حاوی تھا ـــــــ اور اس اخلاص کا جس پر وہ پیدا ہوئے تھے۔

---

(۱) موسیٰ ابن نصیر لخمی اہل حجاز میں سے تھے، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ۱۹ھ میں پیدا ہوئے، انہیں بچپن ہی میں دودھ کے ساتھ جہاد کا شوق پلا دیا گیا تھا، جوان ہوئے تو جنگ کا بھڑکتا ہوا شعلہ تھے، بڑے بہادر، صاحبِ دانش، دلیر، کریم النفس، متقی، زاہد اور یکے از تابعین تھے، خلیفہ ولید بن عبدالملک کے حکم پر ۸۹ھ میں افریقہ کے گورنر بنائے گئے، اس وقت ان کی عمر ستر سال سے زیادہ تھی، ۹۸ھ میں مدینہ طیبہ کے قریب وادی القریٰ میں ۸۷ سال کی عمر میں فوت ہوئے، اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔

کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

الملک الصالح کا دربان عفو وامان کا علامتی رومال لے کر سلطان العلماء عزؒ بن عبدالسلام کی خدمت میں حاضر ہوا——بادشاہ کے دربان نے عرض کیا:

حضرت استاذ العلماء! آپ جن مناصب پر فائز تھے، آپ ان پر دوبارہ فائز ہو سکتے ہیں——بلکہ آپ کی عزت وتکریم میں اضافہ ہوسکتا ہے——شرط صرف اتنی ہے کہ آپ اپنے رویئے میں لچک اختیار فرمائیں——اور بادشاہ کے ہاتھ کو بوسہ دے دیں۔

دربان کا خیال تھا کہ شیخ یہ کام تو بخوشی انجام دے دیں گے——اس کی دانست میں ترغیب کا یہ تیر اپنے نشانے پر لگا تھا——کیونکہ جب کوئی اٹل ارادے کا مالک کسی دنیادار کے آگے جھکنے سے انکار کردے تو وہ اس کو شکار کرنے کے لئے مکروفریب کا جال پھینکتے ہیں——اسے کسی عہدہ کی پیشکش کرتے ہیں، مال کا لالچ دیتے ہیں یا پھر عورت پیش کرتے ہیں——لازمی بات ہے کہ کوئی شخص کتنا ہی سرپھرا کیوں نہ ہو وہ ان میں سے کسی نہ کسی جال میں پھنس ہی جائے گا——ہوسکتا ہے تینوں جال پھینکے جائیں اور وہ ان تینوں میں پھنس جائے۔

نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

دنیا میٹھی اور سرسبز ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں خلیفہ بنائے گا اور دیکھے گا کہ تم کس طرح عمل کرتے ہو؟——لہذا دنیا سے بچو اور عورتوں سے بچو۔(۱)

لیکن خوددار، عظیم اور مطمئن نفوس جو دنیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا ہر شے سے بے نیاز ہوتے ہیں——دنیا کی دولت اور جاہ ومنصب ان کے رویئے میں فرق نہیں لا سکتے——ان کی عظمت تو تنگی اور مشکل حالات میں ہی ظاہر ہوتی ہے۔

شیخ نے جب دربان کی چکنی چپڑی اور ترغیب آمیز گفتگو سنی تو وہ یک دم جنگل کے بادشاہ شیر کا روپ دھار گئے ـــــــ ان میں کمزوری اور نرمی نام کی کوئی چیز نہ تھی ـــــــ ان کے دل میں ایمان کی عزت جوش میں آ گئی ـــــــ وہ عزت جو اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم ﷺ کی عزت کا فیضان تھی ـــــــ انہوں نے دربان کے منہ پر صاف لفظوں میں کہہ دیا:

اے مسکین! بادشاہ کے ہاتھ کو بوسہ دینا تو دور کی بات ہے ـــــــ میں تو اس بات پر بھی راضی نہیں کہ بادشاہ میرے ہاتھ کو بوسہ دے۔

پھر پورے جلال کے ساتھ طیش بھری آواز میں فرمایا:

اے لوگو! تم ایک وادی میں ہو اور ہم دوسری وادی میں ہیں ـــــــ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں جس ذلت میں مبتلا کیا ہے، مجھے اس سے محفوظ رکھا ہے۔

دربان نے شیخ کی یہ گفتگو سنی تو حیران اور ششدر رہ گیا ـــــــ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مجھے اس قسم کی گفتگو سننی پڑے گی ـــــــ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اس کے سر پر چٹان گر پڑی ہو ـــــــ اسے یہ سجھائی نہیں دیتا تھا کہ وہ کیا کرے؟ اور کیا کہے؟ ـــــــ شیخ اپنی عزتِ نفس، ایمان کی سچائی اور اللہ تعالیٰ پر وثوق کی بدولت اس کے حواس پر چھا چکے تھے۔

دربان شیخ کی بات سن کر خاموش رہا ـــــــ دیر تک خاموش رہنے کے بعد دھیمی اور عاجزانہ آواز کے ساتھ گویا ہوا ـــــــ وہ کوشش کر کے بلند آواز میں گفتگو کرنا چاہتا تھا تاہم اس کی آواز میں خوف، ذلت اور عاجزی کی جھلک صاف طور پر محسوس کی جا سکتی تھی ـــــــ جناب عالی! بادشاہ نے حکم دیا ہے کہ اگر آپ میری پیشکش کو قبول نہ کریں تو آپ کو

قید کر دوں ——— آپ کا کیا ارادہ ہے؟

اس کا خیال تھا کہ میری دھمکی شیخ کے دل پر اثر انداز ہو گی ——— شیخ کی تمام بیبا کی رخصت ہو جائے گی ——— انہیں اپنی مرضی کے مطابق چلانا آسان ہو جائے گا ——— اور شیخ نہ چاہتے ہوئے بھی راضی ہو جائیں گے۔

لیکن شیخ کی قوت اور ثابت قدمی میں مزید اضافہ ہو گیا ——— گویا ان پر وحی نازل ہوئی ہو جس نے ان کے دل کو تقویت بخش دی ——— یا ان پر الہام نازل ہوا ہو جس کی بنا پر وہ نہ بادشاہ کی پروا کرتے ہیں اور نہ سزا کی ——— اور ان کی نگاہوں میں دنیا اور دنیا والوں کا نام و نشان مٹ چکا ہو ——— وہ پاکیزہ نفوس اکابر جن کے دل دنیا کی محبت سے خالی تھے اور وہ دنیا سے کہیں بلند و بالا تھے، ان پر اکثر یہ کیفیت طاری ہوتی تھی ——— شیخ سخت طیش میں آ گئے، یوں معلوم ہوتا تھا کہ ابھی پھٹ پڑیں گے ——— پورے جلال کے ساتھ فرمایا:

تمہیں اختیار ہے، جو چاہے کر لو ——— ہاں ہاں! جو چاہے سزا دے لو۔

ان سے پوچھا تک نہیں کہ وہ کیا کریں گے؟ ——— شاہ کے کارندوں نے سوچا کہ ان کا علاج سوائے قید کے کچھ نہیں ہے ——— چنانچہ انہیں بادشاہ کے خیمے کے قریب ایک خیمے میں قید کر دیا ——— اور گمان کیا کہ قید ہو کر ان میں نرمی آ جائے گی۔

لیکن شیخ کو اس تنہائی میں لطف آ گیا ——— انہوں نے قرآن پاک کی تلاوت شروع کر دی ——— وہ ٹھہر ٹھہر کر تلاوت بھی کر رہے تھے اور قرآن کریم کے معانی پر غور و فکر بھی کر رہے تھے ——— یوں معلوم ہوتا تھا جیسے خوش قسمتی سے انہیں فرصت و راحت کے یہ لمحات میسر آ گئے ہوں ——— اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اس گوشۂ تنہائی میں خوشبو کا معطر جھونکا عطا فرما دیا ہو۔

الملک الصالح کے پاس اس کے خیمے میں فرنگی بادشاہوں کی میٹنگ ہو رہی تھی
——شاہ نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ اس شیخ کو قرآن پاک پڑھتے ہوئے سن رہے
ہیں؟۔

انہوں نے کہا: ہاں

بادشاہ نے بتایا کہ یہ مسلمانوں کا سب سے بڑا عالم ہے——میں نے
مسلمانوں کے چند قلعے جو تمہارے سپرد کئے تھے، اس پر انہوں نے اعتراض کیا تھا——
اس لئے میں نے انہیں قید کر دیا، دمشق کی خطابت اور دیگر ذمہ داریوں سے بھی برطرف کر
دیا——اب یہ تمہاری وجہ سے قید میں ہیں۔

یہ سن کر شاہانِ فرنگ پر ہیبت طاری ہوگئی کہ یہ وہ عالم ہے جسے دنیا اپنی تمام تر
چمک دمک کے باوجود اپنی طرف مائل نہیں کر سکی——یہ وقت کے بادشاہ سے نہیں ڈرے
——اور انہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کلمۂ حق کہنے
سے باز نہیں رکھ سکی——ان کے دل نے کہا کاش ایسا عالم ہمارے پاس ہوتا تو ہم اس پر
فخر کرتے۔

انہوں نے کہا: اگر یہ عالم پادری ہوتا اور ہمارے پاس ہوتا تو ہم اس کے پاؤں
دھوتے——اور اس کے پاؤں کا دھوون پیتے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرنگی حکمرانوں کو شکست دی——اور مسلمانوں کو فتح و نصرت
سے ہمکنار کیا تو الملک الصالح شیخ عزالدین ابن عبدالسلام کی طرف متوجہ ہوا——لطف
و کرم سے پیش آیا اور ان سے معذرت کی——انہیں دوبارہ مصر کا خطیب اور قاضی بنا دیا،
نیز مسجدوں کی تعمیر کا کام بھی ان کے سپرد کر دیا۔

شیخ ملک صالح سے راضی ہوگئے اور اپنی ذمہ داریاں قبول کر لیں—— کچھ

عرصہ کے بعد منصب قضا سے استعفا دے دیا ـــــ بادشاہ نے بڑے لطف و کرم سے کام لیتے ہوئے انہیں منصب قضا پر قائم رہنے کی اپیل کی جسے انہوں نے قبول کرلیا ـــــ کچھ عرصہ کے بعد پھر انہوں نے استعفا پیش کر دیا ـــــ بادشاہ نے پھر اصرار کیا کہ اس منصب پر بحال رہیں ـــــ لیکن انہوں نے درخواست کی کہ میرا استعفا بہر صورت قبول کرلیا جائے ـــــ بالآخر بادشاہ نے بادل ناخواستہ ان کا استعفا منظور کرلیا۔

تبصرہ:

یہ ہوتے ہیں خوددار نفوس، جنہیں ایمان کا پانی پلایا گیا ہوتا ہے ـــــ اللہ تعالیٰ انہیں ہر زمانے اور ہر جگہ میں عزت عطا فرماتا ہے ـــــ اور بادشاہوں کو ایسی جگہ لاکر کھڑا کر دیتا ہے کہ ان سے ڈرتے ہیں اور ان سے لطف و کرم کی امید رکھتے ہیں ـــــ یہ لوگ مسلم اُمّہ کے لئے شاندار مثال اور مشعل راہ ثابت ہوتے ہیں ـــــ اور ایسا مرجع قرار پاتے ہیں جن سے مصائب اور مشکلوں میں روشنی حاصل کی جاتی ہے۔

[طبقات الشافعیة ـــــ للامام السبکی]

(کسی قدر تصرف کے ساتھ)

لائق صد افتخار جج

کا وقت کے حکمران کے خلاف فیصلہ

حیفا میں ایک یہودی نے سلطان عبدالحمید ثانی عثمانی (۱) کے خلاف مقدمہ درج کروایا کہ سلطان نے میری ملکیتی زمین ناحق مملکت کی املاک میں شامل کر لی ہے ـــــ اس نے حیفا کے خطیب قاضی ابونصر کے محکمہ میں باقاعدہ مقدمہ درج کروایا ـــــ وہ کئی سال سے مختلف قاضیوں کے پاس مقدمہ درج کروا رہا تھا ـــــ چونکہ یہ ایک یہودی کا مقدمہ تھا اور سلطان عبدالحمید کے خلاف تھا، اس لئے کسی قاضی نے اسے قابل توجہ نہ سمجھا۔

جب یہ دعویٰ حیفا کے خطیب اور قاضی کے پاس پہنچا تو انہوں نے فیصلے کے لئے مجلس منعقد کی ـــــ مملکت کی املاک کے وکیل کو طلب کیا اور اسے حکم دیا کہ قانونی دستاویز پیش کرے ـــــ ادھر یہودی کو حکم دیا کہ تمہارے پاس جو ثبوت ہے پیش کرو ـــــ یہودی نے زمین کی ملکیت کی خصوصی دستاویز پیش کر دیں ـــــ سلطان کے وکیل نے اپنے دعوے کے ثبوت کے لئے کوئی ثبوت پیش نہ کیا ـــــ کیونکہ اسے سلطان کے جاہ و منصب اور قوت پر بھروسہ تھا ـــــ اور وہ جانتا تھا کہ قاضی حضرات مملکت کے سربراہوں کے سامنے بے بس ہوتے ہیں ـــــ اس کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ کوئی بڑے سے بڑا قاضی سلطان وقت کے خلاف فیصلہ دے سکتا ہے ـــــ یہ مقدمہ کئی سال سے لٹکتا چلا آ رہا تھا ـــــ ایک کے بعد دوسرے قاضی کے سامنے پیش ہوتا رہا ـــــ جب فیصلہ کرنے کا وقت آتا تو اسے محفوظ کر دیتے ـــــ وہ کاغذات اور رجسٹروں میں گم ہو جاتا اور اس کا نام ونشان تک غائب ہو جاتا۔

قاضی اور خطیب ابوالنصر ہیڈ منشی کی طرف متوجہ ہوئے ـــــ اور اسے حکم دیا کہ سلطان عبدالحمید کے خلاف فیصلہ لکھو ـــــ اور لکھو کہ غصب کی ہوئی زمین مظلوم یہودی کو

واپس کی جائے ـــــــ ہیڈ منشی مارے دہشت کے کانپ اُٹھا ـــــــ اس نے قاضی کی بات پر تعجب کرتے ہوئے قاضی کی طرف دیکھا ـــــــ اور اپنی نگاہیں قاضی کے چہرے پر مرکوز کر دیں ـــــــ گویا اسے یاد دلا رہا ہو کہ غور کر لیں کہ یہ فیصلہ سلطانِ وقت سلطان عبدالحمید کے خلاف ہے(۱) ـــــــ اس نے اپنے دل میں سوچا کہ آج کون سلطان کے خلاف فیصلہ دے سکتا ہے؟ ـــــــ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے فیصلہ تحریر کرنے سے معذرت کر دی ـــــــ قلم قاضی کے سامنے رکھ دیا ـــــــ اور کہنے لگا: جناب قاضی صاحب! مجھے یہ مشکل کام کرنے سے معذور رکھئے! ـــــــ اگر آپ چاہتے ہیں تو خود لکھ لیں جو آپ کے جی میں آئے ـــــــ لیکن قاضی ابوالنصر نے ہیڈ منشی اور اس کی معذرت کی کچھ پروانہ کی ـــــــ وہ چونکہ اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ حق یہودی کی طرف ہے اور اس کے پاس اپنے حق کا ثبوت موجود ہے ـــــــ اس لئے وہ سلطان کو خاطر میں لائے اور نہ اس کے انتقام کو ـــــــ ان کی نگاہوں میں سلطان اور اس کے حاشیہ بردار سب چھوٹے چھوٹے افراد دکھائی دیئے ـــــــ ان کے سامنے حق اس عظمت کے ساتھ جلوہ گر ہوا کہ اس کے منافی ہر شے ان کی نگاہوں سے غائب ہو گئی۔

یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ان پر آسمان سے وحی نازل ہوئی ہو ـــــــ یا ان کے دل میں القاء کیا گیا ہو کہ ہر قیمت پر حق کی حمایت کی جائے ـــــــ اور یہ آیۂ کریمہ ان کی نگاہوں کے سامنے آ گئی ہو جس کا ایک ایک حرف اور معنی پکار پکار کر ان کو متوجہ کر رہا ہو:

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ (النساء: ۴/۱۳۵)

اے ایمان والو! انصاف پر سختی سے قائم رہو، اللہ کے لئے گواہ ہو جاؤ اگرچہ اپنے خلاف گواہی دینی پڑے۔

ایک لمحے بعد قاضی نے فیصلہ کیا، کاغذ اور قلم اٹھایا ـــــــ اور چند کلمات تحریر کئے

جنہیں تاریخ نے نورانی حروف میں صفحۂ دہر پر محفوظ کر دیا ـــــ یہ کلمات قاضیوں (ججوں) اور حکمرانوں کے لئے مشعلِ راہ ہونے چاہئیں ـــــ انہیں ان زرّیں کلمات پر عمل کرنا چاہیے ـــــ اور حالات کیسے بھی ہوں جاہ و مرتبہ اور وقت کے حکمران کی طرف جھکاؤ قبول نہیں کرنا چاہیے۔

قاضی صاحب نے لکھا:

میں نے اپنے دین کو دنیا پر ترجیح دی ہے ـــــ میں نے امیر المؤمنین، خلیفۃ المسلمین، خادم الحرمین الشریفین، سلطان ابن سلطان، غازی عبدالحمید خان ابن سلطان غازی عبدالمجید خان کے نام آرڈر جاری کیا ہے کہ آپ نے اپنے قصد و اختیار سے فلاں فلاں تاریخ کو فلاں یہودی کی جو زمین غصب کی ہے، اسے واپس کر دیں۔

پھر اس تحریر پر مہر لگائی اسے لفافے میں ڈالا ـــــ اور بے خوف و خطر اپنے محکمے سے صادر ہونے والا شرعی حکم سلطان عبدالحمید خان کے نام آستانہ بھجوا دیا ـــــ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والا حکم جاری کیا تھا ـــــ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر عمل کیا تھا:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ

(المائدہ: ۵/۴۴)

اور جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے پس وہی لوگ کافر ہیں۔

ایک دوسری آیت میں ہے کہ وہ ظالم ہیں ـــــ تیسری آیت میں ہے کہ وہ فاسق ہیں۔

حکومت کے افراد میں یہ خبر پھیل گئی کہ حیفا کے قاضی ابوالنصر خطیب نے سلطان کے خلاف غصب کا فیصلہ دیا ہے ـــــ اور اس سے مطالبہ کیا ہے کہ غصب کی ہوئی زمین

اس کے مالک فلاں یہودی کو واپس کی جائے ــــــ یہ کاغذات جس کے پاس بھی جاتے وہ افسوس کرتا اور کہتا: اللہ کی قسم! قاضی ابوالنصر زندہ نہیں رہ سکے گا۔

کوئی کہتا: اے خطیب ابوالنصر اللہ تعالیٰ کی تجھ پر رحمت ہو ــــــ اب تجھے سمندر میں غرق کیا جائے گا اور تو مچھلیوں کی خوراک بن جائے گا ــــــ کیا کسی قاضی کی یہ جرأت ہوسکتی ہے کہ وہ عبدالحمید خان ایسے سلطان کے خلاف فیصلہ دے؟

لیکن قاضی ابوالنصر نے کسی چیز کی پرواہ نہیں کی ــــــ ان کے لئے یہ کافی تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو راضی کرلیا ہے اور اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہی ہے ــــــ انہوں نے معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیا ــــــ وہ جو چاہے کرے ــــــ لوگ انتظار میں تھے کہ یہ تلخ اور ناگوار فیصلہ سلطان کو پہنچے گا تو اسکا ردعمل کیا ہوگا؟

یہ کاغذات سلطان عبدالحمید کو پہنچے ــــــ انہوں نے ان کو خوب غور وفکر سے پڑھا ــــــ اس قاضی کے اخلاص، جرأت اور بلاخوف لومۃ لائم حق کی حمایت سے بہت متاثر ہوئے ــــــ انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا، اس سے رجوع کیا اور توبہ کی ــــــ اور قاضی ابوالنصر کو لکھا:

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے میری رعایا میں ایسے علماء پیدا کئے ہیں کہ جب میں حق سے دور ہوجاؤں تو وہ مجھے حق کی طرف لوٹا دیتے ہیں اور ہدایت سے ہمکنار کرتے ہیں۔

پھر انہیں ترقی دی، ان کی تنخواہ میں اضافہ کیا ــــــ اور ان کی حوصلہ افزائی کی اور انہیں شاباش دی۔

یہ واقعہ میں نے خطیب کے خاندان کے ایک صاحب علم فرد سے سنا۔ (۲)

تبصرہ:

خلافت اسلامیہ کے دور میں تمام قاضی ایسے ہی تھے ــــــ جب حق ان پر واضح

ہو جاتا تھا تو اس پر ڈٹ جاتے تھے اور اس سے تجاوز نہیں کرتے تھے ——— اگر چہ اس سلسلے میں انہیں جان کی بازی لگانا پڑتی ——— اسی طرح حکمران اور سلاطین علماء کی راہنمائی سے فائدہ اٹھاتے اور حق کی پیروی کرتے تھے ——— اگر چہ وہ ان کے خلاف ہی ہوتا ——— اسی لئے عوام اور حکمرانوں کے درمیان قلبی تعلق ہوتا تھا اور دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے ——— اور دونوں جب تک حق پر متفق رہے، انہیں عزت بھی ملی اور قوت بھی ——— اور حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کیا ہے؟۔(۳)

---

(۱) یاد رہے کہ سلطان عبدالحمید ترکی کے وہ حکمران تھے جن کی حکومت تین براعظموں میں پھیلی ہوئی تھی، جب یورپ میں نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ پر فلم بنائی گئی تو سلطان نے یورپ کے سفیر کو بلا کر تلوار میان سے باہر نکالی اور دھمکی دی کہ جب تک یہ فلم بند نہیں کی جاتی اور یورپ کے حکمران معذرت نہیں کرتے اس وقت تک یہ تلوار میان میں نہیں جائے گی، اس دھمکی پر پورا یورپ کانپ اٹھا تھا اور یورپ کے حکمرانوں نے معافی مانگی تھی۔ ۱۲ اشرف قادری

(۲) میرے ہم عصر استاذ، برادر محترم شیخ سہیل خطیب، نے یہ واقعہ لکھ کر مجھے بھجوایا، میں نے اسے معمولی تصرف کے ساتھ تحریر کیا، جیسے کہ آپ کے سامنے ہے۔

(۳) ابوالنصر خطیب: محمد ناصر الدین ابوالنصر ابن شیخ عبدالقادر خطیب قادری حسنی ۲۳/ جمادی الآخرۃ ۱۲۵۳ھ کو دمشق کے محلہ قیمریہ میں پیدا ہوئے۔ ۴/ ربیع الآخر ۱۳۲۴ھ کو وفات پائی۔ وہ فاضل علامہ شیخ ھاشم خطیب رحمہ اللہ تعالیٰ کے والد کے چچازاد بھائی تھے۔ شیخ ابوالنصر بہت سے شہروں میں قاضی رہے مثلاً حیفا، بیروت شام اور مغرب کے شہروں میں بھی قاضی رہے۔ شام کے مشہور ترین علماء میں سے عالم جلیل تھے، علامہ سید محمد امین عابدین صاحب حاشیۂ درمختار (علامہ شامی) کے استاذ شیخ سعید حلبی سے علم حاصل کیا، نیز دمشق میں شیخ محمد العانی سے بھی اکتسابِ فیض کیا، مصر گئے اور علامہ باجوری نیز شیخ ابراھیم السقا وغیرہم سے علمی استفادہ کیا، پھر دمشق آگئے اور تدریس میں مشغول ہو گئے، ان سے علماء کی بڑی جماعت نے استفادہ کیا۔ شیخ ابوالنصر خطیب رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے بہادر اور بلند ہمت تھے، انہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت ان کا راستہ نہ روک سکتی تھی، بڑے بارعب اور صاحب جلالت تھے، ان کی بہت سی کرامات ہیں جو شام اور مغرب میں ظاہر ہوئیں۔ ۱۲

شاہِ حبشہ کے دربار میں

ایک قدسی صفات گروہ مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلا گیا ـــــ انہیں خوف تھا کہ ظالم اور سرکش لوگ انہیں فتنے میں مبتلا نہ کر دیں ـــــ انہوں نے صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کے لئے ہجرت کی تھی ـــــ ان کی ہجرت کا مقصد سیر و سیاحت تھا اور نہ ہی دنیا کا حصول ـــــ کسی عورت سے نکاح کرنا بھی ان کے پروگرام میں شامل نہ تھا ـــــ انہوں نے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہجرت کی تھی ـــــ وہ چاہتے تھے کہ ہم بغیر کسی روک ٹوک کے کہہ سکیں کہ ہمارا رب اللہ ہے ـــــ اور ہم زمین میں دین اسلام کی اشاعت کر سکیں۔

جب یہ حضرات شاہِ حبشہ نجاشی کے پاس پہنچے تو انہوں نے حبشہ میں سیاسی پناہ لے لی ـــــ اس مقدس جماعت میں رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام حضرت جعفر بن ابی طالب[1] اور دیگر حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل تھے ـــــ قریش نے ان کے پیچھے نجاشی کے پاس وفد بھیجا، تاکہ یہ حضرات پناہ حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں ـــــ ایک دفعہ نجاشی انہیں واپس قریش کے پاس بھیج دیں ـــــ پھر قریش انہیں جو سزا دینا چاہیں گے دے دیں گے ـــــ اس وفد میں عبداللہ بن ابی ربیعہ[2] اور عمرو بن عاص[3] شامل تھے ـــــ جب یہ وفد نجاشی کے شاہی دربار میں حاضر ہوا تو عمرو بن عاص نے انہیں درخواست پیش کرتے ہوئے کہا:

ہمارے کچھ کم عقل بچے آپ کے پاس آ گئے ہیں ـــــ انہوں نے اپنی قوم کا دین چھوڑ دیا ہے ـــــ وہ آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے ـــــ انہوں نے ایک نیا اور من گھڑت دین اختیار کیا ہے، جسے ہم پہچانتے ہیں اور نہ ہی آپ ـــــ ان کی

قوم کے معزز افراد یعنی ان کے آباء اور قبیلے والوں نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ انہیں واپس ہمارے پاس بھیج دیں ـــــ وہ بہتر جانتے ہیں کہ اُنہیں اِن پر کیا اعتراض ہے؟

نجاشی نے ان کی گفتگو سنی تو ارادہ کیا کہ ہجرت کر کے آنے والوں کو ان کے سپرد کر دیا جائے ـــــ پھر انہوں نے سوچا کہ حکمت و دانش کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے دوسرے فریق کا موقف بھی سن لیا جائے ـــــ اور ان کے دلائل کی سماعت بھی کی جائے ـــــ عادل اور منصف حکمران کا یہی انداز ہونا چاہیے کہ وہ تحقیق سے پہلے فیصلہ نہ دے۔

نجاشی نے رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام کو پیغام بھیج کر بلایا ـــــ وہ آئے تو ان سے پوچھا:

یہ کونسا دین ہے؟ جسے تم نے اپنی قوم کو ناراض کر کے اختیار کیا ہے ـــــ تم نہ تو میرے دین میں داخل ہوئے ہو اور نہ ہی اس ملک کے کسی دوسرے دین میں داخل ہوئے ہو ـــــ آخر یہ کونسا دین ہے جو تم نے اختیار کیا ہے؟

یہ وہ سوال تھا جو نجاشی نے اپنے بھرے دربار میں صحابۂ کرام کے سامنے پیش کیا ـــــ قریش کا گمان تھا کہ یہ لوگ خوف زدہ ہو جائیں گے ـــــ ان کو پناہ سے نکال کر عمرو بن عاص اور ان کے ساتھیوں کے سپرد کر دیا جائے گا ـــــ وہ انہیں قریش کے سپرد کر دیں گے ـــــ اور قریش ان کو عبرت ناک سزا دیں گے۔

لیکن جرأت مند اور پیکرِ ایمان صحابی جن کو راہِ خدا میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت متاثر نہیں کر سکتی تھی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پوری جماعت کے نمائندے بن گئے ـــــ اور انہوں نے اس بات کی پروا نہیں کی کہ کیا ہوگا؟ ـــــ کیونکہ ان کے سینے میں خالص ایمان موجزن تھا ـــــ اور انہیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ

فرماتا ہے وہ ہو کر رہتی ہے —— اور وہ جس چیز کا ارادہ نہ فرمائے وہ ہو ہی نہیں سکتی۔

انہوں نے پوری فصاحت و بلاغت اور جامعیت سے لبریز جواب دیا:

اے بادشاہ! ہم سراپا جاہلیت تھے —— بتوں کی عبادت کرتے تھے —— مردار کھاتے تھے —— بدکاریوں کا ارتکاب کرتے تھے —— قطع رحمی ہمارا معمول تھا —— پڑوسیوں کو اذیت دینا ہمارا شعار تھا —— ہم میں سے طاقت ور کمزور کو کھا جاتا تھا —— ہم اسی ڈگر پر چل رہے تھے کہ رحمت باری تعالیٰ نے ہماری یاوری فرمائی —— ہم میں سے عظیم رسول مبعوث فرمایا —— ہم ان کے عالی نسب، صداقت اور امانت کو جانتے ہیں —— ان کی پاکدامنی کی تو فرشتے قسم کھا سکتے ہیں —— انہوں نے ہمیں اللہ وحدہٗ لاشریک کو واحد یگانہ ماننے اور اس کی عبادت کی دعوت دی —— انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اور ہمارے آباء واجداد اللہ تعالیٰ کے سوا جن بتوں اور خود ساختہ معبودوں کی عبادت کرتے تھے انہیں اٹھا کر باہر پھینک دیں۔

انہوں نے ہمیں سچ بولنے، امانت کے ادا کرنے، صلہ رحمی، خوش اخلاقی اور پڑوسی کی عزت کرنے کا حکم دیا —— حرام کاموں اور ناحق خون ریزی سے بچنے کی تاکید فرمائی —— ہمیں بدکاریوں، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور عفت مآب عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگانے سے منع کیا —— ہمیں حکم دیا کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں —— ہمیں نماز، زکوٰۃ، اور روزے رکھنے کا حکم دیا —— ہم ان پر ایمان لائے ان کی تصدیق کی اور ان احکام کی پیروی کی جو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے تھے —— ہم نے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور اس کے ساتھ کسی شے کو شریک نہیں کیا —— اور جو کچھ حضور ﷺ نے ہم پر حرام کیا اسے حرام جانا —— اور جو کچھ ہمارے لئے حلال قرار دیا اسے حلال جانا۔

ہماری قوم نے ہم پر چڑھائی کی ـــــ ہمیں طرح طرح کے عذابوں اور فتنوں میں مبتلا کیا ـــــ انہوں نے سر توڑ کوشش کی کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کو چھوڑ کر بت پرستی کو دین بنالیں ـــــ اور ہمیں مجبور کیا کہ جن خبیث اشیاء کو ہم پہلے حلال جانتے تھے اب بھی انہیں حلال مانیں ـــــ جب انہوں نے ہم پر ظلم کیا، جبر وتشدد کے پہاڑ توڑے، ہمارا جینا دوبھر کر دیا، ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان حائل ہونے کی کوشش کی ـــــ تو ہم آپ کے ملک میں آ گئے اور آپ کی رعایا بن گئے۔

پھر حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کی ابتدائی آیات کی تلاوت کی ـــــ نجاشی پر گریہ طاری ہو گیا، بے ساختہ رونے لگے اور آنسوان کے رخساروں پر بہنے لگے۔

پھر نجاشی نے کہا:

یہ اور جو کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام لائے تھے دونوں ایک ہی سرچشمے سے نکلے ہوئے نور ہیں۔

نجاشی نے قرآن پاک سنا تو ان کے دل میں ایمان کا نور جگمگا اٹھا ـــــ انہیں خوشی ہوئی کہ انہوں نے توقف سے کام لیا اور مسلمانوں کو قریش کے سپرد کرنے میں جلد بازی سے کام نہیں لیا۔

پھر عبداللہ ابن ابی ربیعہ اور عمرو بن عاص کی طرف متوجہ ہو کر انہیں حکم دیا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! میں انہیں تمہارے سپرد نہیں کروں گا ـــــ آپ کی بھلائی اسی میں ہے کہ یہاں سے شرافت سے رخصت ہو جائیں۔

تبصرہ:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ

يَحۡتَسِبُ (سورۃ الطلاق:۶۵/۲)

جوشخص اللہ کی نافرمانی سے بچتا ہے، اللہ اس کے لئے نکلنے کا راستہ بنادیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے کہ اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔

حضرت جعفر طیارؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نجاشی کے سامنے اپنے ایمان کی حقیقت کو نہیں چھپایا ——— کیونکہ ان کا اٹل عقیدہ یہ تھا کہ بندوں کے دل اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہیں ——— وہ جس طرح چاہتا ہے ان میں تصرف فرماتا ہے ——— انہوں نے پوری للٰہیت سے بات کی اور سچ کہا ——— اللہ تعالیٰ نے نجاشی کا دل مسلمانوں کو قریش کے حوالے کرنے سے پھیر دیا ——— اور دشمنانِ اسلام کو خائب وخاسر لوٹا دیا۔

---

(۱) حضرت جعفر بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم کی کنیت ابوعبداللہ ہے، یہ نبی اکرم ﷺ کے چچازاد بھائی اور حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سگے بھائی تھے، اسلام کی طرف سبقت کرنے والوں میں سے تھے، نبی اکرم ﷺ نے ان کو اور حضرت معاذ بن جبل کو بھائی بنایا تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے افضل انسان ہیں۔ نبی اکرم ﷺ انہیں ابوالمساکین کی کنیت سے یاد فرمایا کرتے تھے، حبشہ ہجرت کر کے گئے، نجاشی اور ان کے متبعین ان کے ہاتھ پر ایمان لائے، غزوۂ موتہ میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۲۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ کا نام عمرو تھا، بعض علماء نے کہا کہ حذیفہ تھا "ذو الرمحین" (دو نیزوں والے) کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے، کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی، ان کا نام بُجیر تھا، نبی اکرم ﷺ نے اسے تبدیل فرمادیا۔ جب صحابۂ کرام ہجرت کر کے حبشہ گئے تو قریش نے انہیں عمرو بن عاص کے ہمراہ حبشہ بھیجا تھا۔ یہ ماں کی طرف سے ابوجہل کے بھائی تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۔ عمرو بن عاص بن وائل بن ہاشم قریشی سہمی، امیر مصر کی کنیت ابوعبداللہ اور ابومحمد تھی، تاریخ اسلام میں عرب کے نابغۂ روزگار دانشور تھے، فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے وابستہ رہے۔ ۹۹ سال عمر پائی ۴۳ھ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بیس سال بعد وفات پائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

وزیر منکوتمر نے اپنا دربان قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) ابن دقیق العید کے پاس بھیجا ——— اور مطالبہ کیا کہ میری گواہی کو دو گواہیوں کے برابر قرار دیا جائے ——— ابن دقیق نے یہ مطالبہ مسترد کر دیا۔

انہوں نے کہا: وزیر کی گواہی سے کیا ثابت ہوگا؟

دربان نے کہا: جناب عالی! کیا آپ کے نزدیک وہ عادل اور معتبر نہیں ہیں؟

جسٹس صاحب نے مسکراتے ہوئے یہ شعر پڑھا:

یَقُوْلُوْنَ هٰذَا عِنْدَنَا غَیْرُ جَائِزٍ
وَمَنْ اَنْتُمُوْ حَتّٰی یَکُوْنَ لَکُمْ عِنْدُ ؟!

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ کام ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے، ان سے پوچھا جائے کہ تمہاری حیثیت کیا ہے؟ کہ تمہیں یہ کہنے کا حق ہو کہ "ہمارے نزدیک" یہ مسئلہ اس طرح ہے۔

اور خاص طور پر یہ مصرع بار بار پڑھا:

وَمَنْ اَنْتُمُوْ حَتّٰی یَکُوْنَ لَکُمْ عِنْدُ ؟

پھر قاضی صاحب نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! جو کچھ تمہارا امیر کہہ رہا ہے اس کے بارے میں میرے پاس شرعی گواہی قائم نہیں ہے ——— لہذا کسی شے کے بارے میں کبھی بھی فیصلہ نہیں کروں گا۔

پھر دربان کو کہا:

بسم اللہ ——— آپ جا سکتے ہیں۔

دربان ناکام ونامراد اٹھ کر چلا گیا ـــــ لیکن وہ کہہ رہا تھا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ اسلام ہے ـــــ اللہ تعالیٰ کی قسم یہ اسلام ہے ـــــ دنیا اس وقت تک خیر کے ساتھ رہے گی، جب تک ایسے پاکیزہ صفات قاضی موجود رہیں گے، جنہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت گرفت میں نہیں لیتی۔

وزیر کو اطلاع ملی تو اس نے قاضی صاحب سے معذرت کی ـــــ لیکن انہوں نے وزیر کی معذرت قبول نہیں کی ـــــ وہ اپنے اس موقف پر قائم رہے کہ انہیں وزیر اور اس کے حکم کی پروا نہیں ـــــ دوسرے دن قاضی صاحب حسب معمول قلعہ پر تشریف لے گئے ـــــ وزیر کے دفتر کے پاس سے گزرے ـــــ وہاں وزیر صاحب اپنے نوکروں چاکروں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے ـــــ ان کا ایک ایک دربان حاضر ہوا ـــــ اور کہنے لگا: جناب عالی! وزیر صاحب آپ کے بیٹے ہیں ـــــ وہ برکت حاصل کرنے کے لئے آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں ـــــ لیکن قاضی صاحب نے کسی کی طرف توجہ نہیں دی ـــــ وزیر کے کارندے بار بار درخواست پیش کر رہے تھے اور اصرار کر رہے تھے ـــــ لیکن قاضی صاحب جلال کے عالم میں بے رخی کا مظاہرہ کر رہے تھے ـــــ پھر ان کی طرف متوجہ ہو کر بلند آواز سے گویا ہوئے:

اسے کہہ دو! کہ تمہاری اطاعت مجھ پر واجب نہیں ہے۔

ہاں پھر سن لو! کہ تمہاری اطاعت مجھ پر واجب نہیں ہے۔

پھر اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ گواہ ہو جاؤ کہ میں نے اپنے آپ کو منصب قضا سے معزول کر دیا ہے ـــــ اسے کہو کہ اس منصب پر کسی دوسرے کو مقرر کر دے ـــــ ہاں ہاں! میں جا رہا ہوں، کسی دوسرے کو قاضی بنا دے ـــــ اور وزیر سے ملاقات کئے بغیر واپس آ گئے ـــــ اپنے گھر میں داخل ہوئے اور دروازے کو اندر سے تالا

لگا دیا۔۔۔۔۔اپنے نائبوں کو پیغام بھیج دیا کہ وزیر کے کہنے کے مطابق ہرگز فیصلہ نہ کرو۔۔۔۔۔ کیونکہ وہ شریعت اسلام کا مخالف ہے۔۔۔۔۔لہذا اس کی اطاعت صحیح نہیں ہے۔۔۔۔۔شہر میں یہ خبر پھیل گئی کہ قاضی ابن دقیق العید نے وزیر کی منشا کے مطابق فیصلہ کرنے سے انکار کر دیا ہے۔۔۔۔۔اور خود استعفادے کر گھر میں بیٹھ گئے ہیں۔۔۔۔۔بادشاہ وقت منصور حسام الدین کو اس خبر سے بڑا صدمہ پہنچا۔۔۔۔۔اس نے وزیر منکوتمر کو ڈانٹ پلائی۔۔۔۔۔اس دور کے عظیم عالم شیخ نجم الدین حسین اور اپنے کچھ درباریوں کو قاضی صاحب کے پاس بھیجا۔۔۔۔۔اس وفد نے قاضی صاحب کے سامنے بادشاہ کی معذرت پیش کی۔۔۔۔۔اور پرزور انداز میں بتایا کہ بادشاہ نے آپ کا استعفا قبول نہیں کیا۔۔۔۔۔وہ آپ کا دلی احترام کرتے ہیں اور آپ کا مطالبہ پورا کرتے ہیں۔۔۔۔۔قاضی صاحب نے معذرت قبول کر لی ۔۔۔۔۔اور وفد کے ہمراہ دربار شاہی میں جانے کے لئے تیار ہو گئے۔۔۔۔۔جب بادشاہ نے انہیں دیکھا تو بہت خوش ہوا۔۔۔۔۔آگے بڑھ کر گرمجوشی سے استقبال کیا۔۔۔۔۔قاضی صاحب کا ہاتھ پکڑ کر اشارہ کیا کہ تختِ شاہی پر بیٹھ جائیں۔۔۔۔۔قاضی ابن دقیق العید نے اپنے آستین سے کپڑے کا ایک ٹکڑا نکالا اور تخت پر بچھا دیا۔۔۔۔۔اور اس پر بیٹھ گئے۔۔۔۔۔بات یہ تھی کہ تختِ شاہی پر ریشمی کپڑا اچھا ہوا تھا۔۔۔۔۔قاضی صاحب نے بادشاہ کو عملی سبق دیا۔۔۔۔۔گویا وہ زبان حال سے کہہ رہے تھے کہ یہ حرام ہے۔۔۔۔۔تمہارے لئے اس پر بیٹھنا جائز نہیں ہے۔۔۔۔۔بادشاہ قاضی صاحب کا غصہ ٹھنڈا کرنے لگا۔۔۔۔۔وزیر کی طرف سے معذرت بھی کئے جا رہا تھا۔۔۔۔۔لطف وکرم پر مشتمل گفتگو کر کے انہیں منصب قضا دوبارہ قبول کرنے پر آمادہ کرنے لگا۔

شاہ نے صاف لفظوں میں کہہ دیا۔

آپ جو چاہیں فیصلہ دیں۔۔۔۔۔ کوئی شخص آپ پر اعتراض نہیں کر سکتا۔

قاضی صاحب نے بادشاہ کی پیشکش کے مطابق منصب قضا دوبارہ قبول کر لیا۔

پھر شاہ نے منکوتمر کی طرف سے معذرت کرتے ہوئے اس کی طرف اشارہ کیا اور کہا:

یہ منکوتمر آپ کا بیٹا ہے ــــــ اس کا خاص خیال رکھیں۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اسے نیکی کی توفیق عطا فرمائے ــــــ یہ بہرحال آپ کا بیٹا ہے۔

قاضی صاحب نے گہری نظروں سے منکوتمر کی طرف دیکھا ــــــ گویا اپنی فراست سے اس کے دل کی تحریرات کو پڑھ رہے ہوں ــــــ اس کے علاوہ کبھی اپنے دونوں ہاتھوں کو کھولتے اور کبھی انہیں الٹا کر کے دیکھتے ــــــ اس کے ساتھ ہی کبھی دائیں جانب اور کبھی بائیں جانب دیکھتے ــــــ پھر بادشاہ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے:

مَایَجِیئُ مِنْهُ شَیئٌ ؟ یہ کسی کام کا نہیں؟ یہ کونسا اچھا کام کرے گا؟

تین دفعہ یہ جملہ دہرایا۔

(وفیات الاعیان ــــــ کسی قدر تصرف کے ساتھ)

تبصرہ:

تاریخ اسلام کے ابتدائی دور میں ایسے ایسے قاضی ہوا کرتے تھے ــــــ جو برملا کلمۂ حق کہہ دیتے تھے اگرچہ کڑوا ہو ــــــ وہ دین کے راستے میں اپنی دنیا کو قربان کر دیتے تھے ــــــ حق کے خلاف کسی سے موافقت نہیں کرتے تھے ــــــ اور فیصلے میں کسی کی رورعایت نہیں کرتے تھے ــــــ امراء اور وزراء بھی غیر عادل ہوتے تو ان کی گواہی رد کر دیتے تھے ــــــ جب کہ اُسی دور میں بہت سے بڑے بڑے لوگ، امراء اور کمزور دل نام نہاد علماء (حقیقی علماء نہیں) ارباب حکومت کی چاپلوسی کرتے تھے اور ان کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے ــــــ تاکہ انہیں مال، مرتبہ اور دنیاوی منصب حاصل ہو جائے جو کسی وقت بھی ہاتھ سے جا سکتا ہے۔ (یہ تو پرانے زمانے کی بات ہے، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اب کیا حالت ہوگی۔ ۱۲ اشرف قادری)

واصل بن عطاء[1] کا اہم خطبہ

عربی خطبہ میں حرف ''راء'' ایک دفعہ بھی نہیں آیا

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جو قدیم اور بے کنار ہے ـــــ وہ باقی ہے اس کی کوئی انتہا نہیں ـــــ وہ اپنے قرب میں بلند ہے ـــــ تمام تر بلندی کے باوجود قریب ہے ـــــ کوئی مکان اس کا احاطہ نہیں کرتا ـــــ تمام مخلوقات کی حفاظت اس کے لئے کوئی مسئلہ نہیں ـــــ اس نے جو کچھ پیدا کیا کسی ماڈل کو سامنے رکھے بغیر پیدا کیا ـــــ ہر چیز کو ابتداءً پیدا کیا ـــــ اسے نہایت شاندار بنایا ـــــ ہر چیز کو حسن اور زیبائی عطا کی ـــــ جو چاہا اسے پورا کیا ـــــ اپنی حکمت کو بے حجاب کیا ـــــ ہر چیز اس کے خدا ہونے کی گواہ ہے ـــــ وہ ہر عیب سے پاک ہے ـــــ اس کے حکم کو کوئی روک نہیں سکتا ـــــ اس کے فیصلے کو کوئی رد نہیں کر سکتا ـــــ ہر شے اس کی عظمت کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہے ـــــ ہر شے اس کی حکمرانی کے آگے عاجز و بے بس ہے ـــــ اس کا فضل ہر شے کا احاطہ کئے ہوئے ہے ـــــ ایک ذرّے کے برابر بھی کوئی چیز اس کے فضل سے خارج نہیں ـــــ اور وہی سننے جاننے والا ہے۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے ـــــ اس کا ہر نام مقدس ہے ـــــ اس کی نعمتیں عظیم ہیں ـــــ وہ ہر مخلوق کی صفات سے بلند و بالا ہے ـــــ اس کی بارگاہ قدس تک وہموں کی رسائی نہیں ـــــ کوئی عقل اور سمجھ اس کا احاطہ نہیں کر سکتی ـــــ اس کی نافرمانی کی جاتی ہے اس کے باوجود وہ درگزر فرماتا ہے ـــــ اس کی بارگاہ میں دعا کی جاتی ہے جسے وہ قبول فرماتا ہے ـــــ بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہ معاف فرماتا ہے ـــــ وہ ہر اس کام کو جانتا ہے جو بندے کرتے ہیں۔

میں برحق گواہی دیتا ہوں اور سچی بات کہتا ہوں ــــــ پورے خلوص اور دل کی گہرائی سے کہتا ہوں کہ حضرت محمد بن عبداللہ، اللہ تعالیٰ کے عبد مکرم نبی معظم، منتخب اور برگزیدہ ہیں ــــــ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی مخلوق کی طرف روشن دلائل، ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ــــــ آپ نے احکام کی تبلیغ کی اور امت کی خیر خواہی فرمائی ــــــ آپ نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں اس طرح جہاد کیا کہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت آپ کے راستے میں حائل نہیں ہو سکی ــــــ اور کسی گمان کرنے والے کا گمان آپ کا راستہ نہ روک سکا ــــــ آپ پوری استقامت کے ساتھ اپنے طریقے پر قائم رہے ــــــ اپنے مشن کے لئے اپنی پوری توانائی صرف کر دی ــــــ یہاں تک کہ آپ کی رحلت کا وقت آ گیا ــــــ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پاک پر وہ افضل و اکمل، پاکیزہ ترین اور اجلیٰ و اعلیٰ رحمتیں نازل فرمائے جو اس نے اپنے برگزیدہ ترین انبیاء کرام اور ملائکہ عظام پر نازل فرمائیں ــــــ بلکہ اس سے کئی گنا زیادہ بے شک وہ تعریف کیا ہوا، بزرگی والا ہے۔

اے اللہ کے بندو! میں تمہیں اور اپنے آپ کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو ــــــ اس کی فرمانبرداری کرو ــــــ اس کی نافرمانی سے بچو ــــــ میں تمہیں ان کاموں کی ترغیب دیتا ہوں جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں ــــــ اور اس کے مقربین کے زمرے میں شامل کر دیں ــــــ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا بہترین زادِ راہ اور قیامت کے دن بہترین ذخیرہ ہے ــــــ تمہیں دنیا کی زندگی اپنی زیب و زینت، مکروفریب، لذتوں کے حملوں اور آرزوؤں کی خواہشات کے ساتھ ہرگز نہ الجھا دے ــــــ کیونکہ یہ سامان بہت تھوڑا اور مدت بہت مختصر ہے ــــــ اس دنیا کی ہر چیز زائل ہو جائے گی ــــــ تم نے اس کے کتنے حیران کن شعبدے دیکھے ہیں؟ ــــــ اس نے

تمہیں شکار کرنے کے لئے کتنے جال بچھائے ہیں؟۔۔۔۔۔اس نے کتنے ایسے لوگوں کو ہلاکت کی وادیوں میں دھکیل دیا؟ جنہوں نے اس پر اعتماد کیا اور اس کی طرف مائل ہوئے ۔۔۔۔۔اس نے ایسے لوگوں کو میٹھی چیزیں چکھائیں اور ان میں زہر ملا دی۔۔۔۔۔وہ بادشاہ کہاں ہیں؟ جنہوں نے شہر آباد کئے۔۔۔۔۔مضبوط قلعے تیار کئے۔۔۔۔۔مستحکم گیٹ بنائے۔۔۔۔۔تیز رفتار گھوڑے تیار کئے۔۔۔۔۔شہروں کے مالک بنے۔۔۔۔۔انہوں نے خانہ زاد غلاموں سے خدمت لی۔۔۔۔۔دنیا نے انہیں کجاووں سمیت ضبط کر لیا۔۔۔۔۔اپنے سینے کے نیچے کچل دیا۔۔۔۔۔دانتوں سے چبا ڈالا۔۔۔۔۔انہیں وسعت کی جگہ تنگی۔۔۔۔۔عزت کی جگہ ذلت دی۔۔۔۔۔بقا کی بجائے فنا سے دوچار کیا۔۔۔۔۔وہ قبروں میں جا بسے ۔۔۔۔۔ان کے جسم کیڑوں نے کھا لئے۔۔۔۔۔اب صرف ان کے گھر دکھائی دیتے ہیں ۔۔۔۔۔ان کی یادگاریں ہی ملتی ہیں۔۔۔۔۔خود ان میں سے کوئی بھی دکھائی نہیں دیتا۔۔۔۔۔کسی کی آواز سنائی نہیں دیتی۔۔۔۔۔اللہ تعالیٰ تمہیں سلامت رکھے تم سفر خرچ تیار کر لو ۔۔۔۔۔بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔۔۔۔۔اے اصحاب عقول! اللہ سے ڈرو، تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں ان لوگوں میں شامل فرمائے جو اس کی نصیحتوں سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔۔۔۔۔اپنے حصۂ آخرت اور سعادت کے لئے عمل کرتے ہیں۔۔۔۔۔اور گفتگو کو توجہ سے سن کر اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں۔۔۔۔۔یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا فرمائی ہے اور یہی ارباب دانش ہیں۔ بے شک ایمانداروں کے لئے بہترین قصہ اور متقین کے لئے بلیغ ترین نصیحت اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔۔۔۔۔جس کی آیات بڑی پاکیزہ اور دلائل بہت واضح ہیں۔۔۔۔۔جب تمہارے سامنے اس کی تلاوت کی جائے تو تم اس کے احترام میں خاموش ہو جاؤ۔۔۔۔۔اور اس امید پر سنو کہ تم کامیاب ہو

جاؤ گے ——— میں قوت والے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، گمراہ شیطان سے ——— بے شک اللہ تعالیٰ ہی سننے جاننے والا ہے ——— آپ فرما دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے ——— اللہ بے نیاز ہے ——— نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے ——— اور اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو حکمت والی کتاب اور روشن وحی سے فائدہ عطا فرمائے ——— ہمیں اور آپ کو دردناک عذاب سے محفوظ رکھے ——— ہمیں اور آپ کو جنّات النعیم میں داخل فرمائے۔

۱۔ ابوحذیفہ واصل بن عطا غزّال بنو مخزوم کے آزاد کردہ غلام، معتزلی اور علم کلام کے ایک امام تھے، ان کے ہمنواؤں کو معتزلہ کا لقب اس لئے دیا گیا کہ وہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے حلقۂ درس سے الگ ہوگئے تھے (اور اہل سنت سے الگ ایک مکتب فکر کے بانی قرار پائے، اعتزال کا معنی ہے الگ ہونا) معتزلہ کا ایک فرقہ "واصلیہ" ان کی طرف منسوب ہے، مدینہ منورہ میں ۸۰ھ میں پیدا ہوئے، بصرہ میں پلے بڑھے اور ۱۳۱ھ میں فوت ہوئے، ان کی زبان میں لکنت تھی، جس کی بنا پر ان کے لئے "حرف راء" کا تلفظ دشوار تھا، یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے کلام میں راء کے لانے سے اجتناب کرتے تھے۔ ۱۲ فرفور

واصل بن عطاء کے خطبہ سے پوری طرح لطف اندوز ہونے کے لئے عربی خطبہ کا پڑھنا ضروری ہے، اسی میں آپ دیکھیں گے کہ وہ ایک جگہ کے علاوہ کہیں بھی "راء" نہیں لائے۔ کہتے ہیں کہ انہیں زبان و بیان پر اتنا عبور تھا کہ ان کی گفتگو سن کر معلوم ہوتا تھا کہ حرف راء کا وجود ہی نہیں ہے۔ ۱۲ اشرف قادری

اعجاز قرآن

ارباب عقول کا اس امر پر اجماع ہے کہ قرآن پاک نے تمام انسانیت کو مقابلہ کرنے سے عاجز کر دیا ــــــ اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ــــــ اور قرآن پاک کے معجزہ ہونے کا مقصد یہ ہے کہ یہ کتاب برحق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ــــــ اور اسے لانے والے اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں ــــــ مشرکوں نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے ــــــ پھر جتنے منہ اتنی باتیں ــــــ ارشاد باری تعالیٰ ہے: کافروں نے کہا: یہ تو صرف بہتان ہے جو انہوں نے خود بنالیا ہے اور اس پر کچھ اور لوگوں نے انہیں مدد دی ہے (۱) ــــــ کچھ کافروں نے کہا: یہ تو صرف جادو ہے جو اگلوں سے نقل کیا گیا ہے (۲) ــــــ لیکن قرآن کریم نے انہیں چیلنج کیا کہ اس جیسی کوئی کتاب یا اس کی سورت ایسی سورت لا کر دکھاؤ ــــــ چنانچہ ارشاد ربانی ہے: اگر تمہیں اس کتاب کے بارے میں کچھ شک ہے جو ہم نے اپنے خاص بندے پر نازل کی تو تم اس کی مثل سے ایک سورت لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے تمام حمائتیوں کو بلا لاؤ اگر تم سچے ہو ــــــ اگر تم نہ لاسکو اور ہم بتائے دیتے ہیں کہ تم نہ لاسکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، وہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ (۳)

لیکن دنیائے کفر اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز رہی ــــــ ان کی گردنیں قرآن کے آگے جھک گئیں اور ایسی جھکیں کہ پھر نہ اٹھ سکیں (۴) ــــــ ان کی آرزوئیں تشنۂ تکمیل رہ گئیں ــــــ آج تک کوئی ایسا سپوت پیدا نہیں ہوا جو اس کا مقابلہ کر سکے ــــــ اور قیامت تک کوئی شخص اس کی ہمت نہیں کر سکے گا ــــــ جیسے اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: وَلَنْ تَفْعَلُوْا اور تم ہرگز اس کی مثل نہ لاسکو گے۔

قرآن پاک کے معجز ہونے کی وجہ کیا ہے؟ ——— اس میں علماء کا اختلاف ہے ——— بعض کے نزدیک اس لئے معجز ہے کہ اس میں غیبی خبریں دی گئی ہیں ——— بعض کے نزدیک اس لئے کہ ٹھوس اور رواں دواں کلام ہے۔

حضرت مغیرہ ابن شعبہ (۵) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دورِ خلافت میں کوفہ کے گورنر تھے ——— اسی دور میں انہوں نے دنیائے عرب کے نامور شاعر حضرت لبید عامری (٦) رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اسلام لانے کے بعد آپ نے جو کلام لکھا ہے وہ مجھے بھجوائیں ——— انہوں نے جواباً سورۂ بقرہ لکھ کر بھجوادی ——— اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام میں شعر کی جگہ یہ سورت عطا فرمادی ہے (یعنی اس سورت کو پڑھ کر میں نے شاعری چھوڑ دی ہے۔ یہ ہماری کتنی بدقسمتی ہے کہ ہم مسلم اور غیر مسلم شعرا کا کلام بڑے ذوق وشوق سے پڑھتے ہیں اور اپنے رب کا کلام پڑھنے کی ہمیں فرصت نہیں۔ ۱۲ اشرف قادری)

دیکھئے! یہ لوگ فصاحت و بلاغت میں شہرۂ آفاق تھے ——— لیکن قرآن کریم یا اس کی کسی جزء کی مثال لانے سے کس طرح بے بس ہو گئے؟۔

امام خطابی فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کا اعجاز یہ ہے کہ اس کی طرح کوئی کلام دلوں پر اثر انداز نہیں ہوتا ——— اس سلسلے میں فرماتے ہیں: قرآن پاک کے اعجاز کی ایک وجہ وہ ہے جسے خال خال لوگ ہی جانتے ہیں ——— اور وہ یہ ہے کہ یہ دلوں میں انقلاب برپا کر دیتا ہے ——— اور انسانی نفوس اس سے متاثر ہوتے ہیں ——— آپ کو قرآن کریم کے علاوہ کوئی کلام ایسا نہیں ملے گا، خواہ وہ نظم ہو یا نثر جو کانوں سے ٹکرائے تو کبھی دل کو لذت و حلاوت سے معمور کر دے ——— اور کبھی دل پر رعب اور ہیبت طاری کر دے ——— انسانی نفوس اس سے مسرور ہو جائیں اور سینے اس کے لئے اپنے سب دروازے

کھول دیں ـــــــ یہاں تک کہ جب انسانی نفوس اس سے اپنا حصہ حاصل کر لیتے ہیں تو خوش بھی ہوتے ہیں اور انہیں قلق اور اضطراب بھی لاحق ہوتا ہے ــــــ ان پر ایسا خوف و ہراس طاری ہوتا ہے جس سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل دہل جاتے ہیں ــــــ یہ رعب اور خوف ایسا ہوتا ہے جو انسانی نفوس اور ان کے مخفی عزائم اور پختہ عقائد کے درمیان حائل ہو جاتا ہے ــــــ عربوں کے کتنے دلاور اور شہ زور رسول اللہ ﷺ کے دشمن تھے اور آپ کو اچانک حملہ کر کے شہید کرنا چاہتے تھے ــــــ لیکن جونہی انہوں نے قرآن پاک کی چند آیات سنیں تو انہوں نے فوراً اپنی پہلی سوچ کو چھوڑ دیا ــــــ آپ کے ساتھ صلح کر لی، آپ کے دین میں داخل ہو گئے ــــــ اور ان کی دشمنی دوستی میں اور ان کا کفر ایمان میں تبدیل ہو گیا۔

[امام خطابی (۶) کے رسالہ ''البیان'' کا اقتباس]
کسی قدر تبدیلی کے ساتھ

تیرے آگے یوں ہیں دبے لچے، فصحا عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زباں نہیں، نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

(امام احمد رضا)

---

(۱) سورۃ الفرقان: ۲۵/۴

(۲) المدثر: ۷۴/۴

(۳) البقرہ: ۲/۲۳

(۴) ابو عامر مغیرہ ابن شعبہ الثقفی جلیل القدر صحابی ہیں، صلح حدیبیہ سے پہلے اسلام لائے، حدیبیہ اور بیعت رضوان میں حاضر ہوئے، وسیع فکر کے مالک تھے، انہیں ''مغیرۃ الرائی'' کہا جاتا ہے گویا وہ سراپا فکر اور رائے تھے، یمامہ میں حاضر ہوئے، شام اور عراق کی فتوحات

میں حصہ لیا، عرب کے عالی فکر دانشور تھے، پہلے پہل انہوں نے بصرہ کا دفتر قائم کیا۔ ۵۰ھ میں رحلت ہوئی ـــــ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۵) ابو عقیل لبید عامری بڑے شہسوار اور بہادر تھے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں تحریر کیا کہ اپنے تازہ اشعار ارسال کریں، انہوں نے جواباً تحریر کیا کہ میں سورۂ آل عمران یاد کر چکا ہوں، اب شعر کیسے کہہ سکتا ہوں؟ (یعنی شعر و شاعری کی آب و تاب قرآن پاک کے آگے ماند پڑ گئی ہے) ایک سو پینتالیس سال کی عمر میں انکا انتقال ہوا، انہوں نے پچپن سال اسلام میں اور نوے سال جاہلیت میں گزارے، بخاری اور مسلم میں ہے کہ شاعر نے جو بہت ہی سچی بات کہی ہے وہ لبید کی بات ہے۔ ع

اَلَا کُلُّ شَیٔ ماخلا اللّٰہَ بَاطِلٗ سنو ہر شے جو اللہ تعالیٰ کے سوا ہے باطل ہے۔ ۱۲ فرفور

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ولولا الشعرُ بالعلماء یُزرِی
لَکنتُ الیومَ اَشعرَ مِنْ لَبِید

اگر شعر علماء کو عیب نہ لگاتا (یعنی اگر ان کے شایانِ شان ہوتا) تو میں آج لبید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے بڑا شاعر ہوتا۔ ۱۲ اشرف قادری

(۶) ابو سلیمان احمد بن محمد بن ابراہیم الخطابی جلیل القدر عالم تھے، فصاحت و بلاغت اور لغت میں ممتاز مقام رکھتے تھے (عظیم شارح حدیث بھی تھے۔ ۱۲ قادری) قرآن پاک کے اعجاز کے بیان میں ان کا ایک رسالہ ہے (اسی کا اقتباس اوپر مذکور ہوا ہے) ۳۸۸ھ میں ان کی رحلت ہوئی ـــــ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

خوددار لوگ برداشت نہیں کرتے

ہشام بن عبدالملک ایک دن اپنے دور خلافت میں شکار کے لئے نکلا ——— اس نے ایک ہرن کو دیکھ کر اس کا پیچھا کیا ——— یہاں تک کہ ایک مکان کے پاس پہنچا، جہاں ایک لڑکا کھیل رہا تھا۔

ہشام نے اسے کہا:

اے لڑکے! اس ہرن کو پکڑ کر میرے پاس لا۔

اسے معلوم نہیں تھا کہ یہ لڑکا بڑا خوددار ہے ——— ذلت اور توہین کو پسند نہیں کرتا ——— اور ظلم برداشت نہیں کرتا۔

لڑکا تحقیر اور استہزا کے انداز میں مسکرایا ——— اور کہنے لگا:

لگتا ہے کہ تم حیا سے بالکل عاری ہو ——— کیونکہ تم نے مجھے تحقیر کی نگاہ سے دیکھا ہے ——— اور میرے ساتھ توہین آمیز رویہ اختیار کیا ہے ——— تمہاری گفتگو کا انداز جابرانہ ہے ——— اور تمہارا کام گدھوں والا ہے۔

ہشام نے دیکھا کہ یہ لڑکا میری توہین کر رہا ہے ——— تو اس کی آنکھیں اوپر کو چڑھ گئیں ——— چہرہ سرخ ہو گیا پھر شدت غضب سے سیاہ پڑ گیا ——— اس نے چلاتے ہوئے کہا: لڑکے! کیا تو نے مجھے نہیں پہچانا؟ ——— اس کا گمان تھا کہ لڑکے نے اسے نہیں پہچانا ——— اس لئے حد ادب سے آگے نکل گیا ہے ——— اس نے کہا: کیوں نہیں پہچانا؟ ——— تمہاری بے ادبی نے تمہارا مکمل تعارف کرا دیا ہے ——— تم نے سلام کئے بغیر گفتگو شروع کر دی ہے۔

ہشام سمجھ گیا کہ اس نے مجھے نہیں پہچانا ——— اگر پہچان لیتا تو خوف زدہ ہوتا یا شرماتا ——— اور ایسی گفتگو ہرگز نہ کرتا۔

اس نے کہا: میں خلیفۂ وقت ہشام بن عبدالملک ہوں۔

اس سے اس لڑکے کی جرأت اور درشتی میں مزید اضافہ ہو گیا ——— کہنے لگا:

اللہ تعالیٰ تمہیں قرب عطا نہ فرمائے ——— اور دیر تک برقرار نہ رکھے۔

لڑکے کی گفتگو ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ ہر طرف سے گھوڑوں اور فوجیوں نے ہشام کا احاطہ کر لیا ——— ہر شخص کہہ رہا تھا:

السلام علیک یا امیر المؤمنین! السلام علیک یا امیر المؤمنین!

ہشام نے حکم دیا: سلسلۂ سلام بند کرو ——— اس لڑکے کو حراست میں لو ——— اور اسے میری خدمت میں پیش کرو۔

پھر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا ——— لڑکے نے اس کے ساتھ جو اہانت آمیز سلوک کیا تھا اس پر وہ غصے سے کھول رہا تھا ——— یہاں تک کہ وہ لاؤ لشکر کے ساتھ اپنے محل میں پہنچ گیا اور تخت شاہی پر بیٹھ گیا ——— ابھی تک اسکا غیظ و غضب عروج پر تھا، اس میں کچھ بھی تو کمی نہیں ہوئی تھی ——— حکومت کے امراء، وزراء اور منشی آ کر امیر المؤمنین! کہہ کر اسے سلام کر رہے تھے ——— لڑکا خاموشی سے سن رہا تھا ——— اس نے امیر المؤمنین کو سلام بھی نہیں کیا ——— بلکہ آنکھیں بند کئے سر جھکائے کھڑا رہا ——— اسے اس طرح بے تعلقی سے کھڑا دیکھ کر امراء، وزراء اور دربان پیچ و تاب کھا رہے تھے ——— بادشاہوں اور امراء کے چہیتوں اور حاشیہ برداروں میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہوتی جو منافقت سے کام لیتے ہیں ——— دل کھول کر خوشامد کرتے ہیں ——— اور بڑے لوگوں کی خواہشات کے مطابق کام کرتے ہیں ——— اگر چہ انہیں حق کی مخالفت اور باطل کی حمایت کرنا پڑے ——— ان کا مقصدِ زندگی یہ ہوتا ہے کہ سلاطین اور امراء کا قرب حاصل ہو جائے ——— اور ہمیں دولت و اقتدار مل جائے۔

ایک وزیر نے اس لڑکے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

او عرب کے کتے! تو نے امیر المؤمنین کو سلام کیوں نہیں کیا؟

اس کا گمان یہ تھا کہ یہ مجھ سے مرعوب ہو جائے گا ——— جھک جائے گا ———

اسے قابو کرنا آسان ہو گا ——— لیکن اس کا گمان غلط ثابت ہوا ——— اور اس کا تیر خطا گیا

——— لڑکے نے مسکراتے ہوئے اسے جواب دیا:

گدھے کے پالان کے نیچے بچھائے جانے والے کمبل! (اس نے اشارۃ ہشام کو گدھا اور وزیر کو اس کی پشت پر بچھایا جانے والا کمبل قرار دیا)

ایک دوسرے وزیر نے اس کی گفتگو کو کاٹتے ہوئے کہا:

عربوں کے گدھے کے بچے! کیا تیری بیہودگی یہاں تک پہنچ گئی کہ تو امیر المؤمنین کو اس طرح مخاطب کرتا ہے؟

لڑکے نے کہا:

تیری ماں تجھے گم کرے! ——— کیا تو نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول گرامی ﷺ پر نازل کردہ کتاب میں کیا فرمایا ہے؟ ——— ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا (النحل ۱۶/۱۱۱)

جس دن ہر جان اپنی طرف سے جھگڑتی آئے گی۔

جب اللہ تعالیٰ ہر جان کا جھگڑا سنے گا تو ہشام کون ہے؟ کہ اس سے بات نہ کی جا سکے۔

اب تو ہشام کا پارہ آخری ڈگری کو چھونے لگا ——— اس کی زبان قابو سے باہر ہو گئی ——— اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟

اس نے کہا: یہ لڑکا بہت زبان درازی کر چکا ہے۔

مجھے اس کا سر چاہیے ——— مجھے اس کا سر چاہیے۔

منافقین ہر طرف سے دوڑے ——— وہ تو ہشام کی زبان سے اسی بات کے

سننے کے منتظر تھے ـــــــ انہوں نے لڑکے کو اٹھایا اور چمڑے کے بستر پر بٹھا دیا ـــــــ ایک شخص ننگی تلوار لے کر اس کی گردن اڑانے کے لئے کھڑا ہو گیا۔

جلاد نے اجازت لینے کے لئے خلیفہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

آپ کا یہ غلام خود اپنے آپ کو ذلیل کرنے والا اور عنقریب اپنی قبر میں جانے والا ہے ـــــــ کیا میں اس کی گردن ماردوں؟ ـــــــ اور کیا میں اس کے خون سے بری ہوں؟

ہشام نے کہا: ہاں اس کی گردن اڑا دو۔

جلاد نے وہی کلمات دہرا کر اجازت طلب کی ـــــــ ہشام نے دوسری دفعہ بھی اجازت دے دی ـــــــ جلاد نے تیسری دفعہ اجازت طلب کی ـــــــ ہشام نے تیسری دفعہ بھی اجازت دے دی ـــــــ تمام حاضرین یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ وہ لڑکا موت کے بستر پر بیٹھ کر بھی مسکرا رہا ہے۔

ہشام نے کہا اسے کھڑا کرو!

پھر اس نے کہا:

لڑکے! تو زندگی میں جھگڑا کرتا ہے ـــــــ اور موت کے بستر پر مسکرا رہا ہے ـــــــ سچ سچ بتا کہ تو ہمارا مزاح اڑاتا ہے یا اپنا؟

لڑکے نے کہا:

امیر المؤمنین! میری دو باتیں سن لیں ـــــــ اس کے بعد جو چاہیں کریں۔

ہشام نے کہا: کہو۔

لڑکے نے کہا: اللہ کی قسم! یہ میری آخرت کا پہلا اور دنیا کا آخری وقت ہے ـــــــ اللہ کی قسم! اگر مدت کم ہو یا موت کا وقت مؤخر ہو جائے تو آپ کے ساتھ ہم کلام ہونا، چاہے کلام تھوڑا ہو یا زیادہ مجھے نقصان دے گا اور نہ ہی فائدہ دے گا ـــــــ

لیکن امیر المؤمنین! چند اشعار میرے ذہن میں آئے ہیں وہ سن لیں۔

ہشام نے کہا: سناؤ!

اس نے یہ اشعار پڑھے:

نُبِّئْتُ اَنَّ الْبَازَ خَلَّفَ مَرَّةً عُصْفُوْرَ بَرٍّ سَاقَهُ مَقْدُوْرُ

فَتَكَلَّمَ الْعُصْفُوْرُ فِيْ اَظْفَارِهٖ وَالْبَازُ مُنْهَمِكٌ عَلَيْهِ يَطِيْرُ

مَافِيَّ مَايُغْنِيْ لِمِثْلِكَ شَبْعَةً وَلَئِنْ اُكِلْتُ فَاِنَّنِيْ لَحَقِيْرُ

فَتَعَجَّبَ الْبَازُ الْمُدِلُّ بِنَفْسِهٖ عَجَبًا وَّاُفْلِتَ ذٰلِكَ الْعُصْفُوْرُ

- مجھے بتایا گیا ہے کہ ایک دفعہ باز نے جنگل کی چڑیا کو پکڑ لیا، جسے تقدیر گھیر کر لے آئی تھی۔
- چڑیا نے اس کے پنجوں میں گفتگو کی، جب کہ باز اسے پکڑے ہوئے محوِ پرواز تھا۔
- میں بہت ہی حقیر ہوں، اگر مجھے کھا بھی لیا جائے تو مجھ میں اتنا گوشت نہیں ہے، کہ تجھ جیسے باز کا پیٹ بھر سکے۔
- باز جسے اپنے اوپر بڑا ناز تھا حیران رہ گیا اور وہ چڑیا اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔

ہشام ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گیا —— اور اس کی گفتگو سے حد درجہ محظوظ ہوا —— کہنے لگا: اللہ کی قسم! اگر تو ابتداء ہی میں مجھے یہ شعر سنا دیتا اور خلافت کے علاوہ جو بھی مانگتا، میں تجھے دے دیتا —— اپنے غلام کو حکم دیا کہ اس کا منہ موتیوں اور جواہر سے بھر دے —— چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی —— اسے عظیم اور قیمتی انعام دیا، نیز دل کش لباس دیا —— اور وہ خوش خوش عزت واحترام سے رخصت ہو کر اپنے گھر چلا گیا۔

(قصص العرب —— کسی قدر تبدیلی کے ساتھ)

نعیمان

حضرت تمیم داری(۱)ؓ تجارت کے بڑے ماہر تھے ـــــ وہ شام کے شہروں کا سفر کر کے واپس آئے تو حضرت نعیمان (۲)ؓ ان کے پاس آئے ـــــ اور کہنے لگے: کیا آپ ایسا غلام خریدنا چاہتے ہیں؟ جو صاحب فضیلت بھی ہے اور دیندار بھی ـــــ اور اس کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ تجارت کا ماہر بھی ہے ـــــ حضرت تمیم نے فرمایا: ہاں ـــــ میں اسے کس طرح دیکھ سکتا ہوں؟ ـــــ حضرت نعیمان نے کہا کہ جب اسے یہ معلوم ہوگا کہ ہم اسے بیچ رہے ہیں تو وہ راضی نہیں ہوگا ـــــ اور آپ اس سے نفع بھی حاصل نہیں کر سکیں گے ـــــ آپ میرے ساتھ چلیں، میں آپ کو دکھا دیتا ہوں ـــــ لیکن اس کے سامنے کوئی بات نہیں ہونی چاہیے ـــــ وہ ہمیں اپنی سگی اولاد سے بھی زیادہ عزیز ہے ـــــ حضرت تمیم نے فرمایا: مجھے دکھا دو، ممکن ہے میں خرید ہی لوں۔

انہیں نعیمان کے معاملات کا علم نہیں تھا ـــــ ان کے ساتھ مسجد میں داخل ہوئے ـــــ نعیمان نے انہیں ایک بانکا سجیلا اور حسین وجمیل نوجوان دکھایا ـــــ جس کے چہرے بشرے سے ذکاوت ٹپک رہی تھی ـــــ اس کا نام سویط بن عبدالعزیٰ تھا ـــــ تمیم نے اسے دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور وہ نوجوان انہیں بہت پسند آیا ـــــ فرمایا: یہ غلام کتنے میں بیچو گے؟ ـــــ کہنے لگے: ایک سو دینار میں ـــــ فرمایا: مجھے منظور ہے ـــــ لو سو دینار ـــــ اور اب غلام میرے حوالے کرو ـــــ نعیمان ان کے ساتھ مسجد میں گئے اور کہنے لگے: اس غلام کو قبضے میں لے لیں۔

حضرت تمیم آئے اور دیکھا کہ غلام نماز پڑھ رہا ہے ـــــ آپ نے بھی اس کے پاس نماز پڑھی ـــــ اور فرمایا: نماز مختصر کرو ـــــ سویط نے جلدی جلدی نماز پوری کی

——انہیں معلوم نہیں تھا کہ تمیم اُن سے کیا چاہتے ہیں؟——انہوں نے کہا: فرمایئے مجھ سے کیا کام ہے؟—— تمیم نے کہا: تمہارے مالک نے تمہیں میرے پاس بیچ دیا ہے ——سویط یہ بات سن کر حیران اور پریشان رہ گئے—— کہنے لگے: میرا مالک کون ہے؟ —— کہا وہی جس نے مجھ سے تمہارے سو دینار وصول کئے ہیں——سویط نے کہا: کون سے سو دینار؟——اور کس نے مجھے بیچا ہے؟——میں تو آزاد ہوں، میرا باپ بھی آزاد ہے——ان کی آوازیں بلند ہوگئیں، یہاں تک کہ نبی اکرم ﷺ کاشانہ مبارکہ سے باہر تشریف لے آئے——فرمایا: کیا بات ہے؟—— تمیم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اس غلام کے مالک نے یہ غلام میرے پاس فروخت کیا ہے——اور اس کے بدلے مجھ سے سو دینار بھی وصول کر لئے ہیں——لیکن یہ صاحب غلام ہونے سے ہی انکاری ہیں——رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمارا گمان ہے کہ یہ نعیمان ہی کا کام ہے——انہیں ہمارے پاس بلا کر لاؤ۔

جب نعیمان آئے تو فرمایا: بندۂ خدا یہ کیا ہے؟—— کہنے لگے: یارسول اللہ! میرے والدین آپ پر فدا ہوں! میں نے ایک خاتون سے نکاح کیا ہے——میرے پاس اسے نان ونفقہ اور حق مہر دینے کے لئے کچھ نہیں تھا——یارسول اللہ! مجھے وہی ایک سو دینار مل سکے ہیں جو آپ کے علم میں ہیں۔

رسول اللہ ﷺ مسکرائے——اور حضرت تمیم کو فرمایا: سو دینار ہم سے لے لینا۔

(الاصابہ—— کسی قدر تبدیلی کے ساتھ)

---

(۱) ابورقیہ تمیم داری ابن اوس بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی ہیں، پہلے عیسائی تھے، مدینہ منورہ حاضر ہو کر ۹ھ میں اپنے بھائی نعیم سمیت حلقہ بگوش اسلام ہوئے، نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ غزوات میں شریک ہوئے، سب سے پہلے آپ ہی نے مسجدوں میں چراغ روشن کئے اور مسجدوں کو منور کیا، پھر شام

منتقل ہو گئے اور فلسطین میں اقامت اختیار کی۔۱۲الاصابۃ بتصرف۔

۲۔نعیمان بن عمرو بن رفاعہ انصاری صحابی ہیں بدر وغیرہ غزوات میں حاضر ہوئے، نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام کے ساتھ بکثرت مزاح کیا کرتے تھے،ان کے ہنسانے والے مسائل بہت ہیں اور بطور مزاح ان کی زیادتیاں بھی بکثرت ہیں،ان کو نبی اکرم ﷺ برداشت کیا کرتے تھے اور ان کی طرف سے مال بھی ادا کر دیا کرتے تھے۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے دور میں وفات پائی۔رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔۱۲(اصابہ بتصرف۔)

فُکَیہہ سے زیادہ باوفا

فُکیہہ ایک خاتون تھی جس کا تعلق قبیلۂ قیس بن ثعلبہ سے تھا ——— اس کی وفاداری کا قصہ یہ ہے کہ **سُلَیك بن السُّلَکَه** نے بنو بکر بن وائل کے ساتھ جنگ کی ——— بنو بکر کی ایک جماعت اس کے تعاقب میں نکلی ——— ایک جگہ انہیں پانی کے کنارے اس کے پاؤں کے نشانات مل گئے ——— انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! یہ اسی کے پاؤں کے نشانات ہیں ——— وہ لوگ چھپ کر بیٹھ گئے ——— جب سُلیک پانی پر آیا تو انہوں نے تیزی سے نکل کر اس پر حملہ کر دیا ——— وہ لوگ اسے قتل کرنا چاہتے تھے ——— وہ بھاگ کر **فُکیہہ** نامی عورت کے گھر میں داخل ہو گیا ——— اور اسے درخواست کی کہ مجھے دشمنوں سے بچا لو ——— عربوں کی روایت یہ ہے کہ مردوں کی طرح عورتیں بھی کسی کو پناہ دے دیں تو اس کی بھی بڑی عزت و حرمت ہوتی ہے ——— **فُکیہہ** نے اسے پناہ دے دی ——— اور اس خوف سے اسے اپنی قمیص کے نیچے داخل کر لیا کہ کہیں دشمن اسے قتل نہ کر دیں ——— دشمن بھی پہنچ گئے اور انہوں نے مطالبہ کیا کہ اسے ہمارے حوالے کر دیں ——— لیکن خاتون نے صاف انکار کر دیا ——— دشمنوں نے اس کی اوڑھنی تک نوچ لی ——— اور سُلَیک کو چھیننے کی کوشش کی ——— خاتون نے بساط بھر دفاع کیا ——— جب اس نے دیکھا کہ معاملہ میرے بس سے باہر ہے ——— تو اس نے اپنے بھائیوں کو بلا لیا ——— جو تعداد میں دس تھے، طاقت ور اور دلیر ——— انہوں نے اپنی بہن اور اس کے پناہ دینے کے سلسلے میں غیرت کا مظاہرہ کیا ——— انہوں نے ثابت کر دیا کہ ہماری بہن کا پناہ دینا، ہمارا پناہ دینا ہے ——— انہوں نے جان لڑا دی اور سُلَیک کو دشمنوں کے ہاتھ لگنے نہیں دیا ——— دشمنوں نے راہِ فرار اختیار کرنے میں ہی عافیت محسوس کی۔

سُلَیک نے ان کے پناہ دینے کا دل کھول کر شکریہ ادا کیا ـــــ اور ان کی غیرت کو دل کی گہرائی سے خراجِ تحسین پیش کیا ـــــ وہ پلٹ کر اپنے قبیلے میں تو چلا گیا ـــــ لیکن زندگی بھر **فُکیھه** اور اس کے بھائیوں کے پناہ دینے کے گُن گاتا رہا ـــــ جنہوں نے اسے قتل ہونے سے بچالیا تھا اور دشمنوں کے سپرد نہیں کیا۔

(قصص العرب ـــــ کسی قدر تبدیلی کے ساتھ)

تبصرہ:

فُکیھه نے عربوں کے لئے عموماً اور اپنے قبیلے کے لئے خصوصاً قابل صد ستائش کارنامہ اور لائق ہزار تحسین اور تاریخی واقعہ یادگار چھوڑا ہے ـــــ جسے لوگ ایک دوسرے سے نقل کرتے رہے ہیں اور نقل کرتے رہیں گے ـــــ بلکہ اس نے ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر لی ہے ـــــ یہاں تک کہ کہا گیا: اَوْفٰی مِنْ فُکَیْھَةَ ـــــ وہ **فُکیھه** سے زیادہ باوفا ہے۔ (یعنی یہ مقولہ ضرب المثل بن گیا)

امّ دُلامہ مرگئی ــــ ابودُلامہ مرگیا

ابودلامہ نے عباسی خلیفہ امیرالمؤمنین مہدی کے پاس حاضر ہو کر سلام عرض کیا ــــ پھر ایک کونے میں بیٹھ گیا، دل گرفتہ اور غم زدہ ــــ وہ خاموش تھا اور اس کے دونوں رخساروں پر آنسو بہ رہے تھے ــــ مہدی نے پوچھا ابودُلامہ کیا ہوا؟ ــــ تمہیں کیا حادثہ پیش آیا؟ ــــ اس نے پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے کہا کہ امّ دلامہ مرگئی ــــ ام دلامہ مرگئی ــــ اس کی آواز میں اتنا درد تھا کہ اس نے حاضرین کو بھی رلا دیا ــــ مہدی نے کہا: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ــــ بیوی کی وفات پر اس کے صدمے اور غم کو دیکھ کر مہدی بھی غمگین ہوگیا اور اس پر بھی رقت طاری ہوگئی ــــ مہدی نے اسے دلاسہ دیا، اسے حوصلہ بلند رکھنے کی تلقین کی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں مرحومہ کی تیمارداری کا عظیم اجر عطا فرمائے ــــ ابودلامہ زاروقطار روئے جا رہا تھا ــــ اس کے آنسو تھمنے کا نام نہیں لیتے تھے ــــ مہدی نے حکم دیا کہ اسے ایک ہزار درہم دئے جائیں ــــ اور اسے کہا یہ اپنی مصیبت میں صرف کرو ــــ اس نے درہم لئے اور خیر و عافیت کی دعائیں دیتا ہوا چلا گیا ــــ باہر نکلا تو اس کا جھوٹا غم دور ہو چکا تھا۔

گھر گیا تو ام دُلامہ کو کہا کہ تو مہدی کی بیوی خیزران کے پاس جا ــــ جاتے ہی رونا شروع کر دینا اور درد و غم کی مجسم تصویر بن جانا اور اسے بتانا:

ابودلامہ مرگیا ــــ ہائے ابودلامہ مرگیا

ام دلامہ خیزران کے پاس گئی ــــ اجازت طلب کی، اجازت ملنے پر جونہی سامنے پہنچی اس نے بین شروع کر دئے اور یوں ظاہر کیا جیسے اس پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہوں ــــ خیزران نے پوچھا: اُمّ دُلامہ تمہیں کیا ہوا؟ ــــ اس نے سر اٹھایا اور آنسوؤں کی برسات میں ہچکیاں لیتے ہوئے کہا: میری آقا! کیا بتاؤں؟ ابودلامہ مرگیا

——ابودلامہ مجھے بے سہارا چھوڑ گیا——خیزران بھی غمگین ہوگئی——اس نے کہا:
اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن ——لاحول ولاقوۃ الا باللہ——اللہ تمہیں شوہر کی خدمت کرنے کا اجر عظیم عطا فرمائے——اس کے رنج والم کو دیکھ کر وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی——اس نے حکم دیا کہ اسے دو ہزار درہم عطا کیئے جائیں——درہم لے کر اس نے شکریہ ادا کیا اور دعائیں دیتی ہوئی واپس چلی گئی——شاہی محل سے نکلتے ہی اس کے چہرے پر غم اور صدمے کا نام ونشان بھی نہ تھا۔

تھوڑی دیر بعد مہدی محل میں داخل ہوا تو حزن وملال کے آثار اس کے چہرے پر صاف نظر آرہے تھے——خیزران نے اسے کہا: میرے آقا!——کیا آپ کو معلوم ہے؟ کہ آج ابودلامہ فوت ہوگیا ہے——مہدی نے کہا: میری پیاری ملکہ !وہ نہیں اس کی بیوی ام دلامہ فوت ہوگئی ہے——اس نے کہا: نہیں جناب! اللہ کی قسم! ابودلامہ فوت ہوا ہے——اس کی بیوی روتی ہوئی میرے پاس آئی تھی، میں نے اسے دو ہزار درہم دیئے——وہ بری طرح رو رہی تھی اور ابودلامہ پر نوحہ کر رہی تھی——میں نے اسے درہم دیئے تو وہ ہمیں دعائیں دیتی ہوئی چلی گئی۔

مہدی کو یہ واقعہ سن کر سخت تعجب ہوا——اس نے کہا کہ ابودلامہ آج ہی میرے پاس آیا تھا اور ابھی مجھ سے رخصت ہو کر گیا ہے——بالکل تندرست اور توانا تھا——مجھ سے اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے ایک ہزار درہم لے کر گیا ہے——اور میں اب تک اس کی بیوی کی وفات پر افسوس کرتا رہا ہوں۔

اور اب مجھے خود اس کی موت کی خبر دی جارہی ہے——میرا گمان ہے کہ وہ دونوں اس وقت ہنس رہے ہوں گے——اور اپنے کارناموں پر فخر کر رہے ہوں گے——ان دونوں کو بڑی رقم مل گئی ہے——اور ان کے غم خوشیوں میں تبدیل ہوگئے ہیں——یہ سوچ کر مہدی اور خیزران بھی بے ساختہ ہنس پڑے——اور ان کے مضحکہ خیز حیلوں پر تعجب کرنے لگے۔(المحاسن والمساوی——کسی قدر تبدیلی کے ساتھ)

ازہر السمان اور منصور

ازہر سمان نامی ایک شخص نے خلیفۂ وقت منصور کے پاس حاضر ہو کر فقر و فاقہ اور بدحالی کی اس مؤثر انداز میں شکایت کی کہ منصور پر بھی رقت طاری ہو گئی ـــــ اس نے حکم دیا کہ اسے ایک ہزار درہم دے دیے جائیں ـــــ اور حکم دیا کہ ازہر! آیندہ کبھی بھی حاجت لے کر ہمارے پاس نہ آنا ـــــ اس نے کہا: امیر المؤمنین! آپ کے حکم کی تعمیل کی جائے گی ـــــ لیکن دوسرے دن پھر منصور کے دربار میں حاضر ہو گیا ـــــ اس نے پوچھا: ازہر! آج کیا کام ہے؟ ـــــ اس نے کہا: میں امیر المؤمنین کو دعا دینے کے لئے حاضر ہوا ہوں ـــــ منصور مسکرایا اور کہنے لگا: آج بھی تمہارا وہی مقصد ہے جو کل تھا ـــــ حکم دیا کہ اسے مزید ایک ہزار درہم دے دیے جائیں ـــــ اور ساتھ ہی کہہ دیا کہ ازہر! تیسری بار مت آنا! ہمیں تمہاری دعا کی حاجت نہیں ہے ـــــ اس نے کہا: حضور نے بجا فرمایا۔

چند دن کے بعد وہ پھر دربار میں حاضر ہو گیا ـــــ اسے دیکھ کر منصور کو تعجب ہوا ـــــ پوچھا کہ ازہر! کس کام سے آئے ہو؟ ـــــ اس نے کہا: میں نے آپ سے ایک دعا سنی تھی ـــــ میری آرزو ہے کہ وہ دعا آپ سے حاصل کروں، کیونکہ وہ مقبول ہے ـــــ منصور نے ہنستے ہوئے کہا: تم وہ دعا نہ مانگنا ـــــ کیونکہ وہ نامنظور ہے ـــــ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ مجھے تمہاری شکل دوبارہ نہ دکھائے ـــــ لیکن یہ دعا منظور نہ ہوئی ـــــ ایک دفعہ پھر تمہاری شکل دیکھ رہا ہوں۔ ازہر چلا گیا اور پھر کبھی واپس نہ آیا۔

(المحاسن والمساوی ـــــ کسی قدر تبدیلی کے ساتھ)

غیر کا قاتل

جحدر بن ربیعہ نادرِ زمانہ دلاور اور اپنے دور کا نامور ڈاکو تھا ــــ اس نے اہل یمامہ کا ناک میں دم کر رکھا تھا ــــ اس نے ان سے دن کا سکھ چین اور رات کا آرام وسکون چھین لیا تھا ــــ وہ اتنا تیز طرار تھا کہ قابو میں نہ آتا تھا ــــ یمامہ کے امیر نے کسی حیلے بہانے سے اسے گرفتار کرلیا ــــ اور حجاج بن یوسف ثقفی کے پاس بھیج دیا ــــ تا کہ اس کو سزا دے کر اپنے دل کی پیاس بجھالے ــــ اور جو چاہے اسے سزا دے۔

جحدر کی لوٹ مار اور قتل وغارت گری کی خبروں نے حجاج کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی ــــ جب جحدر گرفتار کر کے اس کے پاس لایا گیا اور لوگوں کو اس کی آمد کی خبر ہوئی تو لوگ اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے ٹوٹ پڑے ــــ وہ اس ہیبت ناک درندے کو دیکھنا چاہتے تھے جس کا شہرہ چار دانگ عالم میں پہنچ گیا تھا ــــ وہ خوں ریز اور خونخوار جس کا نام سن کر لوگ کانپ جاتے تھے ــــ لیکن اسے دیکھ کر انہیں انتہائی مایوسی ہوئی ــــ ان کے سامنے لمبا تڑنگا، نحیف ونزار اور چھوٹے سر والا بوڑھا بیٹھا ہوا تھا، جسے کوئی بھی اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں تھا ــــ اس کی کیفیت وہی تھی ((تَسْمَعُ بِالْمُعَيْدِيْ خَيْرٌ مِنْ اَنْ تَرَاهُ)) معیدی سننے کی چیز ہے دیکھنے کی نہیں۔

جب وہ حجاج کے سامنے پیش ہوا تو حجاج نے اسے بنظر حقارت دیکھتے ہوئے کہا:

کیا تو جحدر ہے؟

اس نے باوقار اور ٹھہرے ہوئے لہجے، پورے اطمینان اور فصاحت کے ساتھ کہا:

جی ہاں! میں ہی جحدر بن ربیعہ ہوں۔

حجاج نے دوسرا سوال یہ کیا کہ جحدر! تمہیں ہمارے خلاف کس چیز نے جری کر دیا؟

حجاج کا گمان تھا کہ وہ خوف زدہ ہو جائے گا، نرم ہو جائے گا، ذلت اور جھکاؤ اختیار کرے گا اور معذرت کا راستہ اپنائے گا (یاد رہے کہ وہ دنیا بھر کے ظالم ترین شخص کے سامنے کھڑا تھا، جس نے ایک لاکھ سے زیادہ افراد کو اپنے سامنے قتل کروایا تھا ——— وہ نفسیاتی مریض تھا اور مقتول کو تڑپتے ہوئے دیکھ کر لطف اندوز ہوتا تھا) ——— لیکن جحدر جیسا جہاں دیدہ گرگ باراں اور دلاور بالکل متاثر نہیں ہوا ——— نہ اس میں کسی طرح کی لچک پیدا ہوئی اور نہ ہی اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی ——— اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا:

وَاللّٰهِ مَا اَخْرَجَنَا عَلَيْكُمْ اِلَّا جَوْرُ الزَّمَانِ وَجُرْاَةُ الْجَنَانِ وَظُلْمُ السُّلْطَانِ○

اللہ کی قسم! ہمیں آپ کے خلاف نکالا ہے تو زمانے کے ظلم، دل کی جرأت اور حاکمِ وقت کے ظلم نے۔

حجاج یہ جواب سن کر دہل گیا ——— اسے اتنے کھرے جواب کی توقع نہیں تھی ——— اس نے محسوس کیا کہ یہ شخص موت کو تو کسی حساب ہی میں نہیں لاتا۔

حجاج: تجھے معلوم ہے؟ کہ تیرے معاملے کا انجام کیا ہے؟

جحدر: اگر امیر میرا امتحان لے اور مجھے اپنے شاہ سواروں میں شامل کر لے تو مجھ سے وہ کچھ دیکھے گا جو اسے ششدر کر دے گا۔

حجاج: ہم تمہارا تجربہ کر کے دیکھیں گے ——— لیکن یہ انوکھا تجربہ ہوگا جس کی کوئی مثال نہیں ہوگی۔

جحدر: آپ جو چاہتے ہیں حکم دیں۔

حجاج: یہ ایک سنگ دلانہ تجربہ ہے ——— لیکن میدانِ جنگ میں نہیں۔

جحدر: پھر تو یہ بہت آسان ہوگا۔

حجاج: اس کی جرأت و ہمت پر حیران رہ گیا ——— کہنے لگا: لیکن یہ تجربہ کسی انسان کے ساتھ نہیں ہے۔

جحدر: خوف زدہ ہوئے بغیر، مسکراتے ہوئے کہنے لگا: پھر کسی جن کے ساتھ ہو جائے۔

حجاج: یہ مقابلہ جن کے ساتھ بھی نہیں ہے ——— مقابلہ ایک خونخوار شیر کے ساتھ ہوگا ——— جحدر! ہم تمہیں اچانک حملہ کرنے والے اور غضب ناک شیر کے آگے ڈالیں گے ——— تمہارے پاس سوائے تلوار کے کچھ نہیں ہوگا ——— اگر اس نے تمہیں قتل کر دیا تو ہم تمہارے قتل کی مشقت سے چھوٹ جائیں گے ——— اور تم اپنی کچھ سزا پالو گے ——— اور اگر تم نے اسے قتل کر دیا تو ہم تمہیں معاف کر دیں گے۔

یہ سن کر جحدر کا چہرہ چمک اٹھا ——— اس کے چہرے سے مسرت و شادمانی کی کرنیں نمودار ہونے لگیں ——— جیسے وہ کسی شادی کے ولیمے میں جا رہا ہو ——— اس نے کہا: اللہ تعالیٰ امیر کو بہتری عطا فرمائے! ——— رہائی اور معافی کا وقت قریب آ گیا ہے۔

جحدر کی جرأت و ہمت اور خود اعتمادی نے حجاج کو مزید حیران کر دیا ——— اس نے حکم دیا کہ اسے قید کر دیا جائے ——— اور یمن حکم بھیجا کہ میرے پاس خطرناک قسم کا شیر بھجوایا جائے ——— تا کہ جحدر کو اس کے آگے ڈالا جائے ——— شیر لایا گیا اور اسے تین دن بھوکا رکھا گیا ——— تا کہ اس کے غیظ و غضب میں اضافہ ہو جائے ——— اعلان عام کر دیا گیا کہ فلاں دن جحدر اور شیر کا مقابلہ ہوگا ——— جو دیکھنا چاہے آ جائے ——— دور دراز سے لوگ کھنچے چلے آئے ——— گرمی کا موسم اور چاشت کا وقت تھا ——— سورج کی شعاعیں ان کے جسموں پر اس طرح پڑ رہی تھیں جیسے انگاروں کی طرح جلتی ہوئی تانبے کی تاریں ہوں ——— لیکن لوگ بڑے گڑھے کے گرد سراپا شوق بنے

ہوئے جمع تھے۔۔۔۔۔۔انہیں نہ گرمی کی پرواتھی اور نہ ہجوم سے تنگ تھے۔۔۔۔۔۔انہوں نے ایسا تماشا زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔۔۔۔۔۔ان کے جوش وخروش کو دیکھ کر یوں معلوم ہوتا تھا جیسے عید کا موقع ہو۔

ایک بلند ٹیلے پر حجاج، اس کے کمانڈروں، امراء اور وزراء کے لئے تخت بچھائے گئے۔۔۔۔۔۔اچانک معلوم ہوا کہ جحدر بجلی کی طرح شیر پر جا گرا ہے۔۔۔۔۔۔شیر پوری قوت کے ساتھ دھاڑا۔۔۔۔۔۔جحدر نے جواباً ویسی ہی آواز نکالی۔۔۔۔۔۔اب شیر اس پر عقاب کی طرح جھپٹا۔۔۔۔۔۔جحدر تلوار لہراتے ہوئے اپنی جگہ جم کر کھڑا رہا۔۔۔۔۔۔اب ایک لمحے کی بات تھی، جو اس میں پہل کر جاتا کامیاب رہتا۔۔۔۔۔۔جحدر پھرتی کے ساتھ وار کرنے میں پہل کر گیا۔۔۔۔۔۔اس کی آب دار تلوار شیر کی کھوپڑی کو چیرتی ہوئی گزر گئی۔۔۔۔۔۔شیر ایک دفعہ پھر دھاڑا۔۔۔۔۔۔لیکن اس دفعہ اس کے دھاڑنے میں طاقت کے ساتھ رونے کی آواز بھی شامل تھی۔۔۔۔۔۔یہ اتنا سنسنی خیز مقابلہ تھا کہ لہو دیکھنے والوں کی رگوں میں منجمد ہو کر رہ گیا۔۔۔۔۔۔اچانک کسی نے نعرۂ تکبیر بلند کر دیا۔۔۔۔۔۔ماحول یک دم بدل گیا۔۔۔۔۔۔جو لوگ جحدر کے دشمن تھے وہ دوست بن گئے۔۔۔۔۔۔اور جو اس پر ناراض تھے وہ اس پر فخر کرنے لگے۔

جحدر ایک لحہ میدان میں ٹھہرا۔۔۔۔۔۔بائیں ہاتھ سے پیشانی کا پسینہ پونچھا۔۔۔۔۔۔اور حجاج کی طرف چل دیا۔۔۔۔۔۔حجاج نے اسے شاباش دینے کے لئے اپنے پاس بلایا۔۔۔۔۔۔جب وہ حجاج کے پاس پہنچا تو اس نے جحدر کو تحسین آمیز نگاہوں سے دیکھا۔۔۔۔۔۔اور اس کا ہاتھ پکڑ کر زور سے بھینچا۔۔۔۔۔۔اور کہا:

لِلّٰہِ مَا اَشْجَعَکَ یَا جَحْدَرُ مَا اَشْجَعَکَ

اللہ تعالیٰ کے لئے عظمت ہے۔۔۔۔۔۔جحدر تم کتنے بہادر ہو؟۔۔۔۔۔۔واقعی تم بہت

ہی بہادر ہو۔

میں تمہیں اختیار دیتا ہوں کہ اگر چاہو تو عزت و تکریم کے ساتھ میرے پاس ٹھہرو ——اور اگر چاہو تو میں تمہیں یمامہ بھجوا دیتا ہوں—— لیکن شرط یہ ہے کہ آئندہ تم کسی کو اذیت نہ دو——اور کسی جرم کا ارتکاب نہ کرو۔

جحدر نے کہا: اے امیر! اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے! میں آپ کے پاس قیام کرنے پر کسی چیز کو ترجیح نہیں دوں گا—— میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ میں نافرمانوں اور باغیوں کے خلاف آپ کی برہنہ تلوار بنوں گا۔

حجاج اس کی بات پر بہت خوش ہوا——اس نے صاف محسوس کیا کہ اسے جحدر کی صورت میں مضبوط طاقت مل گئی ہے جو اسے سرنگوں نہیں ہونے دے گی—— جحدر عزت واحترام کے ساتھ حجاج کے پاس رہا—— حجاج نے اس کی بہترین تربیت کی، یہاں تک کہ وہ کارآمد انسان بن گیا۔

چند سال کے بعد یمامہ میں شورش پیدا ہوگئی——وہاں کے لوگ سرکشی دکھانے لگے—— حجاج کو جحدر سے بہتر کوئی آدمی دکھائی نہ دیا، چنانچہ اسے یمامہ کا گورنر بنادیا ——اس نے نافرمانوں کو سیدھا——باغیوں کو نکیل ڈال دی——اور وہاں کا سیاسی نظام سیٹ کر دیا—— جانوں اور مالوں کی حفاظت اور عدالت میں لوگوں کے لئے ایک مثال بن گیا——اور حجاج کی امیدوں کو پورا کر دیا۔

علم کے لئے ایک ساعت کی ذلت

قیامت تک کے لئے عزت

طلباءِ علم کو مستعد بنانے کے لئے اصمعی (۱) اپنی زندگی کا ایک ورق الٹتے ہیں

—— میں طالب علمی کے زمانے میں محتاج اور نادار تھا —— ہمارے دروازے پر ایک سبزی فروش تھا —— میں جب صبح جاتا تو وہ مجھے روک کر پوچھتا تھا: کہاں جا رہے ہو؟ —— میں کہتا: فلاں محدث کے پاس —— اور جب شام کو واپس آتا تو مجھ سے پوچھتا: کہاں سے آئے ہو؟ —— میں اسے بتاتا کہ فلاں مؤرخ یا ماہر لغت کے پاس سے آ رہا ہوں —— وہ مجھے کہتا: برخوردار! میری نصیحت مان لو اور اس پر عمل کرو، کامیاب رہو گے —— تم اپنے آپ کو ضائع نہ کرو —— تم کوئی ذریعۂ معاش تلاش کرو، اس کا تمہیں فائدہ ہوگا —— تمہارے پاس جتنی کتابیں وہ سب مجھے دے دو —— میں وہ سب اس مٹکے میں ڈال کر اوپر سے پانی ڈال دوں گا —— میں ان کا نبیذ بناؤں گا اور دیکھوں گا کہ ان سے کیا بنتا ہے؟ —— اللہ کی قسم! اگر تم اپنی تمام کتابوں کے بدلے مجھ سے ایک اخروٹ مانگو تو میں وہ بھی نہیں دوں گا۔

میں جب بھی اس کی گفتگو سنتا تو اس کے بیہودہ کلام اور ٹھنڈی نصیحت سے بہت تنگ دل ہوتا —— اس نے یہ وطیرہ بنالیا تھا کہ جب بھی میں جاتا یا آتا تو وہ مجھے یہی نصیحت کرتا —— یہاں تک کہ میں نے تنگ آ کر رات کے وقت جانے آنے کا معمول بنا لیا تا کہ اس کا سامنا ہی نہ ہو —— دوسری طرف میری ناداری دن بدن بڑھتی رہی —— حتّٰی کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ میں نے اپنے گھر کی کچھ اینٹیں اور لکڑیاں بیچ دیں —— مجھے روزانہ کا پورا خرچ میسر نہیں ہوتا تھا —— میرے بال لمبے لمبے ہو گئے ——

کپڑے پرانے ہو گئے ـــــ جسم میل کچیل سے بھر گیا ـــــ اتنی آمدن بھی نہیں تھی کہ ضروریات ہی پوری کرلوں۔ میں اپنے معاملے میں حیران تھا ـــــ میری اتنی حیثیت بھی نہ تھی کہ میں اپنا کام چلانے کے لئے کہیں سے قرض ہی حاصل کرلوں ـــــ کیا بے کسی اور بے بسی تھی؟

اچانک امیر محمد بن سلیمان کا خادم میرے پاس آیا ـــــ اور کہنے لگا: جنابِ امیر نے آپ کو یاد کیا ہے۔ میں نے دل میں سوچا کہ امیر اس شخص کو کیا کرے گا؟ جو فقر و فاقہ اور افلاس کی آخری حد کو پہنچ چکا ہے۔

جب اس خادم نے میری خستہ حالی اور بدحالی دیکھی تو جا کر امیر کو اطلاع دی ـــــ کچھ دیر کے بعد واپس آیا، اس کے پاس کپڑوں کا بیگ اور خوشبوؤں کی صندوقچی تھی ـــــ کہنے لگا: امیر نے مجھے کہا ہے کہ میں آپ کو حمام میں لے جاؤں ـــــ اور غسل کے بعد آپ کو نئے کپڑے پہناؤں ـــــ باقی کپڑے آپ کے سپرد کردوں ـــــ اور آپ کو یہ کھانا کھلاؤں ـــــ میں نے دیکھا کہ بڑے دستر خوان پر طرح طرح کے کھانے چنے ہوئے ہیں ـــــ اور آپ کو یہ عمدہ خوشبو لگاؤں ـــــ تاکہ آپ کی روح تروتازہ ہو جائے ـــــ پھر میں آپ کو امیر کے پاس لے چلوں۔

میں یہ بات سن کر بہت خوش ہوا ـــــ اور اس کے لئے دل کی گہرائی سے دعا کی ـــــ اور میں نے اپنے دل میں کہا: پاک ہے وہ جس نے نہایت تنگ حالات میں اسے میرا معاون بنا دیا ہے۔

میں نے اٹھ کر وہ سب کام کئے جو اس نے کہے تھے ـــــ اور ان کاموں سے فارغ ہو کر اس کے ساتھ روانہ ہوا اور امیر محمد بن سلیمان کے پاس پہنچا ـــــ میں نے اسے سلام کیا ـــــ وہ بڑے تپاک سے ملا اور مجھے اپنے قریب بٹھالیا ـــــ اس نے

مجھے اونچی سیٹ پر بٹھایا——اور کہنے لگا:

اے عبدالملک! میں نے آپ کو امیرالمؤمنین ہارون الرشید کے بیٹے کی تعلیم و تربیت کے لئے منتخب کیا ہے—— آپ دربارشاہی میں حاضر ہونے کے لئے تیار ہو جائیں اور دیکھیں کیا ہوتا ہے؟—— میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور ان کے لئے دعا کی ——اور رخصت ہوتے ہوئے کہا کہ میں تعمیل کے لئے تیار ہوں—— میں اپنی کچھ کتابیں لے لوں، پھر امیرالمؤمنین کے پاس حاضر ہو جاؤں گا—— میں نے ضروری کتابیں لیں اور محمد بن سلیمان کے قاصد کے ہمراہ بغداد روانہ ہو گیا—— ہارون الرشید کے دربار میں پہنچ کر میں نے سلام کیا—— انہوں نے مجھے جواب دیا۔

اور کہا: آپ عبدالملک اصمعی ہیں؟

میں نے کہا: جی ہاں

انہوں نے کہا: آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ انسان کی اولاد اس کے دل کی روح اور دل کا پھل ہوتی ہے—— میں نے اپنا بیٹا محمد آپ کے سپرد کیا—— یہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے—— آپ اسے ایسی تعلیم نہ دیں جو اس کے دین کو بگاڑ دے—— ہو سکتا ہے کہ یہ کسی وقت مسلمانوں کا امام بنے۔

اصمعی کو ہارون الرشید کی یہ بات سن کر تعجب ہوا کہ ”آپ اسے ایسی تعلیم نہ دیں جو اس کے دین کو بگاڑ دے“—— انہوں نے اپنے دل میں کہا: بادشاہوں کا اپنے بیٹوں کے لئے ایسا ہی اہتمام ہونا چاہیے—— تا کہ وہ اپنے بزرگوں کے طریقے پر تیار ہوں اور لوگوں کو نفع دیں۔

اصمعی کہتے ہیں: میں نے کہا: حکم کی تعمیل کی جائے گی۔

ہارون الرشید نے اپنا بیٹا میرے سپرد کر دیا—— میں اس کے ساتھ ایک حویلی

میں منتقل ہو گیا جس میں کئی قسم کے خوش کن خدام اور طرح طرح کے بستر تھے ــــــ ہارون الرشید نے ہر ماہ میرا مشاہرہ دس ہزار درہم مقرر کیا ــــــ اور حکم دیا کہ ہر دن میرے لئے پر تکلف کھانا پیش کیا جائے ــــــ میں نے یہ سب کچھ قبول کر لیا ــــــ میرے پاس جو مال جمع ہوتا تھا وہ میں وقتاً فوقتاً بصرہ بھیج دیتا تھا ــــــ اس طرح میں نے اپنا گھر تعمیر کیا ــــــ اور اس کے علاوہ جائداد بھی خرید لی۔

شہزادہ فقہ، ادب، شعر و سخن اور لغت میں کمال کو پہنچا ــــــ عربوں کی تاریخ پر بھی اسے عبور حاصل ہو گیا ــــــ ہارون الرشید نے اس کا امتحان لیا اور خوش ہوا۔

ایک دن کہا: عبدالملک! میں چاہتا ہوں کہ یہ جمعہ کے دن امامت کرائے ــــــ اور جمعہ سے پہلے خطبہ بھی دے ــــــ اس لئے آپ اس کو ایک خطبہ تیار کر دیں۔

چنانچہ جمعہ کے دن شہزادے نے خطبہ دیا اور نماز بھی پڑھائی ــــــ ہارون الرشید اس پر بھی بہت خوش ہوا ــــــ ہر طرف سے میرے پاس ہدیے اور تحفے آئے۔

پھر ہارون الرشید نے اپنے نمائندے کو میرے پیچھے بھیجا اور کہا:

آپ نے شہزادے کی بہت اچھی تربیت کی ہے ــــــ مانگیں! کیا مانگتے ہیں؟

میں نے کہا: اب میں کس چیز کی آرزو کروں؟ ــــــ میں تو پہلے ہی اپنی آرزوؤں کو حاصل کر چکا ہوں ــــــ ہارون الرشید کے حکم پر مجھے ڈھیروں مال، بہت سے کپڑے، عمدہ خوشبوئیں، غلام اور لونڈیاں دی گئیں ــــــ یہاں تک کہ مجھے ہر چیز سے بے نیاز کر دیا۔

میں نے درخواست کی کہ مجھے بصرہ جانے کی اجازت عطا فرمائیں ــــــ نیز وہاں کے گورنر کو تحریری طور پر یہ حکم صادر فرمائیں کہ وہ بصرہ کے تمام عوام اور خواص کو اس بات کا پابند کریں کہ وہ تین دن تک آ کر مجھے سلام کریں ــــــ اور اس کے بعد میرے

ساتھ احترام سے پیش آئیں۔

ہارون الرشید نے میری درخواست کے مطابق حکم لکھ دیا —— پھر میں بصرہ روانہ ہو گیا —— میرا گھر تعمیر کیا جا چکا تھا —— میری جائداد وسیع تھی —— اور میری دولت کا چرچا عام تھا —— بصرہ کا کوئی شخص ایسا نہ رہا جو مجھے سلام کرنے حاضر نہ ہوا ہو —— تیسرے دن میں نے آنے والوں کو غور سے دیکھا —— اچانک میری نظر اس سبزی فروش پر پڑی جو مجھے علم حاصل کرنے پر ملامت کیا کرتا تھا —— اس کے کپڑے میلے، اوڑھنے والی چادر بوسیدہ، جبہ چھوٹا اور قمیص لمبی تھی۔

اس نے مجھے کہا:

عبدالملک تمہارا کیا حال تھا؟

اس نے مجھے زمانہ ماضی کا فقر اور افلاس یاد دلایا —— میں نے اس کی نصیحت کو یاد کیا کہ وہ کس طرح مجھے علم کے چھوڑنے کا مشورہ دیا کرتا تھا —— مجھے اس کی حماقت اور اس بات پر ہنسی آئی کہ اس نے مجھے نام لے کر مخاطب کیا —— جب کہ خلیفۂ ہارون الرشید بھی میرا نام (عبدالملک) لے کر خطاب کیا کرتا تھا۔

میں نے اس کے جواب میں کہا کہ میں خیریت کے ساتھ تھا —— میں نے آپ کی وصیت قبول کر لی تھی —— اور آپ کے کہنے کے مطابق اپنی تمام کتابوں کو مٹکے میں ڈال کر اوپر پانی ڈال دیا تھا —— اور اس میں سے جو کچھ نکلا وہ آپ سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

پھر میں نے بعد میں اس پر احسان کیا —— اسے اپنا وکیل بنا لیا اور اس کے ساتھ اچھی طرح پیش آیا۔

(الفرج بعد الشدۃ —— للتنوخی)

تبصرہ:

یہ اس حقیقت کی بڑی دلیل ہے کہ اگرچہ طالب علم کو ابتدائی دور میں رزق کی کمی سے واسطہ پڑتا ہے ــــ لیکن اس کے لئے مقرر کیا ہوا رزق موت کی طرح لازماً آتا ہے ــــ اس کے لئے صبر ضروری ہے تاکہ اسے ثواب حاصل ہو اور اسے دیکھ کر دوسروں کو بھی سبق ملے۔

شاعر نے سچ کہا ہے:

وَمَنْ یَّصْطَبِرْ لِلْعِلْمِ یَحْظَ بِنَیْلِہٖ
وَمَنْ یَّخْطُبِ الْحَسْنَاءَ یَصْبِرْ عَلَی الْبَذْلِ
وَمَنْ لَّمْ یُذِلَّ النَّفْسَ فِیْ طَلَبِ الْعُلَا
یَسِیْرًا یَّعِشْ دَھْرًا طَوِیْلًا اَخَاذُلِّ

- جو شخص علم کے لئے صبر کرتا ہے وہ علم کے حاصل کرنے میں کامیاب رہتا ہے۔ اور جو شخص کسی حسینہ کو پیغامِ نکاح دیتا ہے وہ خرچ پر صبر کرتا ہے۔
- اور جو شخص بلندیوں کی طلب میں اپنے آپ کو تھوڑی دیر ذلیل نہیں کرتا وہ طویل عرصہ ذلیل ہو کر زندہ رہتا ہے۔

---

(۱) ابو سعید عبدالملک بن قُریب بن علی بن اصمع الباھلی عرب کے عظیم راوی، لغت، شعر اور شہروں کا علم رکھنے والے علماء کے امام تھے، جنگلوں اور دیہاتوں میں بکثرت گھومتے رہتے تھے۔ ہارون رشید انہیں ''شیطان الشعر'' کہا کرتا تھا، اخفش کہتے ہیں کہ میں نے اصمعی سے بڑا شعر کا عالم نہیں دیکھا، لغت اور شعر کے امام تھے، حافظہ غضب کا رکھتے تھے۔ ۱۲۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۱۶ھ میں فوت ہوئے۔

آباد محل کس کام کا؟

ایک دن مامون الرشید اپنے محل کی چھت پر گیا ——— کیا دیکھتا ہے؟ کہ ایک شخص کوئلے کے ساتھ محل کی دیوار پر کچھ لکھ رہا ہے ——— اس نے اپنے ایک نوکر کو حکم دیا: جا کر دیکھو یہ شخص کیا لکھ رہا ہے؟ ——— اور اسے پکڑ کر میرے پاس لاؤ ——— نوکر دوڑتا ہوا گیا اور اسے پکڑ لیا ——— پوچھا کہ کیا لکھ رہے ہو؟ ——— دیوار کی طرف دیکھا تو اس پر یہ شعر لکھا ہوا تھا۔

يَا قَصْرُ جُمِّعَ فِيكَ الشُّؤْمُ وَاللُّؤْمُ
مَتٰى يُعَشِّشُ فِيْ اَرْكَانِكَ الْبُوْمُ

اے محل! تیرے اندر نحوست اور کمینگی جمع کی گئی ہے ——— تیرے گوشوں میں اُلّو کب تک گھونسلہ بناتا رہے گا؟

خادم: تمہیں امیر المؤمنین یاد کر رہے ہیں۔

اجنبی: میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں، مجھے ان کے پاس نہ لے جاؤ!

خادم: تمہیں جانا پڑے گا۔

پھر اسے لے کر مامون کے پاس پہنچ گیا ——— جب یہ اجنبی اس کے سامنے حاضر ہوا تو اس نے کہا: کم بخت! تجھے اس حرکت پر کس چیز نے ابھارا؟ ——— اس نے کہا: امیر المؤمنین! آپ جانتے ہیں کہ اس محل میں کیا کچھ ہے؟ ——— اس میں اموال کے خزانے، پوشاکیں، کھانے پینے کی انواع، بستر اور قالین، دوسرا ساز و سامان، لونڈیاں، خدام اور لڑکے وغیرہ ہیں ——— میں اس وقت اس کے پاس سے گزرا ہوں تو مجھے سخت بھوک لگی ہوئی ہے اور میں بہت ہی تنگدست ہوں ——— میں نے یہاں کھڑے ہو کر

اپنے بارے میں سوچا اور اپنے دل میں کہا: میں بھوکا ہوں، یہ آباد محل میرے کس کام کا؟
——— اگر یہ ویران ہوتا اور میرا یہاں سے گزر ہوتا تو مجھے کوئی لکڑی ہی مل جاتی، پتھر مل جاتا یا کوئی کیل ہی مل جاتا جسے بیچ کر میں اپنی بھوک مٹا سکتا تھا——— کیا امیر المؤمنین کو شاعر کا یہ قول معلوم نہیں ہے؟

اِذَالَمْ یَکُنْ لِلْمَرْءِ فِیْ دَوْلَةِ امْرِیءٍ
نَصِیْبٌ وَّلَاحَظٌّ تَمَنّٰی زَوَالَهَا
وَمَاذَاکَ مِنْ بُغْضٍ لَّهَا غَیْرَانَّهٗ
یُرَجِّیْ سِوَاهَا فَهُوَیَهْوِیْ انْتِقَالَهَا

- جب کسی شخص کے لئے کسی مرد کی دولت میں حصہ اور نصیب نہ ہو تو وہ اس کے زوال کی آرزو کرے گا۔
- یہ اس لئے نہیں کہ اسے اس دولت سے دشمنی ہے، بلکہ اس لئے ہے کہ وہ اس کے ماسوا سے امید رکھتا ہے (یعنی اسے اس دولت والے سے فائدے کی امید نہیں ہاں کسی دوسرے کے پاس چلی جائے تو ممکن ہے فائدہ حاصل ہو جائے) لہذا وہ چاہتا ہے کہ کسی دوسرے کے پاس چلی جائے۔

مامون نے اس شخص کی گفتگو سنی تو مسکرایا——— اسے معلوم ہو گیا کہ یہ شخص ادیب ہے اور محرومیت کا شکار ہے——— بھوک اور ناداری نے اس کی ہڈیوں تک کو متاثر کر دیا ہے——— اس نے ارادہ کیا کہ اس کی ناداری کا علاج ہونا چاہیے——— غلام کو حکم دیا کہ اسے ایک ہزار درہم پیش کرو——— پھر کہا کہ جب تک ہمارا محل اپنے باشندوں کے ساتھ آباد اور اپنی دولت کے ساتھ مسرور رہے گا آپ کو ہر سال یہ رقم ملتی رہے گی۔ (دعا لینے کا کیا خوبصورت انداز ہے؟)

[مجانی الادب ج ۲ ص ۱۸۷——— کسی قدر تبدیلی کے ساتھ]

تبصرہ:

یہ کیسے سلاطین اور امراء تھے؟ــــــ کس طرح فقراء اور مساکین پر شفقت کیا کرتے تھے؟ ــــ خصوصاً جب ادیبوں اور طالب علموں کی ذکاوت اور غیر معمولی استعداد دیکھتے تھے تو انہیں مالی امداد دیتے تھے تاکہ وہ اپنی دنیاوی ضروریات پوری کر لیں ــــــ اس طرح وہ علمی ترقی اور ادبی تحریک کی سرپرستی کرتے تھے۔

تبصرہ(۲):

آج بھی اربابِ اقتدار ادیبوں، کالم نگاروں، دانشوروں اور عالموں کو نوازتے ہیں، لیکن وہ ان کے استحقاق (اور میرٹ) کو نہیں دیکھتے بلکہ یہ دیکھتے ہیں کہ یہ ہمارا حامی ہے یا اسے حامی بنایا جا سکتا ہے یا اس کے پیچھے مؤثر سفارش ہے۔ مولانا قاضی عبدالنبی کوکب قدیم اور جدید علوم کے جامع اور بے باک خطیب تھے جب وہ حکومت پر تنقید کرتے تو یوں معلوم ہوتا کہ ایوانِ حکومت تک دھمک پہنچ رہی ہے، انہوں نے ایک دفعہ کہا کہ صحیح عالم وہ ہے جسے خریدنے کے لئے حکومت کے خزانے میں سرمایہ نہ ہو۔۱۲ اشرف قادری

تم اس لئے غالب آ گئے کہ

اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ تھا

جب ایرانیوں کا عظیم کمانڈر ہرمزان[1] اپنی قوم کے ساتھ مدینہ منورہ آیا تو اس کے سر پر سونے کا تاج تھا ـــــ اس نے ریشم اور دیباج کا لباس پہن رکھا تھا جس پر سونے کے تاروں کی کڑھائی کی ہوئی تھی ـــــ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات کے لئے ان کے گھر گیا تو ان سے ملاقات نہ ہو سکی ـــــ پوچھا کہ وہ کہاں ہیں؟ بتایا گیا کہ وہ مسجد میں کوفہ سے آئے ہوئے ایک وفد سے ملاقات کر رہے ہیں ـــــ مسجد میں گئے تو امیر المؤمنین وہاں بھی نہیں تھے ـــــ واپسی پر مدینہ منورہ کے کچھ بچوں سے ملاقات ہوگئی جو کھیل رہے تھے ـــــ انہوں نے پوچھا: کیا آپ امیر المؤمنین سے ملنا چاہتے ہیں؟ ـــــ وہ مسجد نبوی کی دائیں جانب اپنی چادر کا تکیہ بنا کر آرام فرما رہے ہیں ـــــ جب بتائی ہوئی جگہ پر پہنچے تو دیکھا کہ ان کے پاس کوئی بھی نہیں ہے ـــــ حیرت کی بات یہ کہ مسجد میں بھی کوئی نہیں تھا ـــــ دِرّۂ فاروقی ان کے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔

ہرمزان: عمر کہاں ہیں؟

حاضرین: یہ جو تمہارے سامنے آرام فرما ہیں۔

ہرمزان: ان کے محافظ اور دربان کہاں ہیں؟

حاضرین: ان کا کوئی محافظ اور دربان نہیں ہے، نہ ہی ان کا کوئی دفتر ہے۔

ہرمزان انگشت بدنداں رہ گیا کہ دنیا کی دو سپر طاقتوں کو چیلنج کرنے والا یوں تن تنہا زمین پر آرام کر رہا ہے ـــــ نہ قالین کی حاجت، نہ سیکورٹی کی ضرورت، بے ساختہ

پکار اٹھا کہ انہیں تو نبی ہونا چاہیے۔

حاضرین: یہ نبی تو نہیں ہیں، نبیوں والے کام ضرور کرتے ہیں۔

لوگوں کا ہجوم بڑھ گیا ——— ان کی ملی جلی آوازیں سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیدار ہو گئے ——— ہرمزان کو دیکھا تو فرمایا: ہرمزان ہو؟ ——— حاضرین نے عرض کیا: جی ہاں۔

آپ نے اسے اور اس کے لباس کو غور سے دیکھا اور چند کلمات ارشاد فرمائے، جن کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

میں اہل نار سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں ——— اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتا ہوں ——— تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے اسلام کے ذریعے اسے (ہرمزان) اور اس کے ساتھیوں کو ذلیل کیا ——— اے گروہ مسلمین! تمہیں دنیا ہرگز ناشکرانہ بنادے ——— کیونکہ یہ دھوکہ دینے والی ہے۔

وفد نے کہا: یہ اہواز کا بادشاہ ہے ——— اس کے ساتھ گفتگو فرمائیں۔

فرمایا: اس سے اس وقت تک گفتگو نہیں ہوگی جب تک اس کے زیورات میں سے کوئی چیز موجود ہے ——— زیب و زینت کا تمام سامان اتار دیا گیا ——— صرف اتنا لباس رہنے دیا گیا جو اس کے جسم کو ڈھانپ سکے ——— نیز اسے موٹا کپڑا پہنایا گیا۔

تب آپ نے فرمایا: ہرمزان! بتاؤ! تم نے عہد شکنی کا وبال اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا انجام کیسا پایا؟ ——— بولو!

ہرمزان: زندوں والی گفتگو کروں یا مردوں والی؟

امیر المؤمنین: تو بات کر تجھ پر کچھ حرج نہیں ہے۔

ہرمزان: اے عمر! اے گروہ عرب! جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور تمہیں اپنے حال

پر چھوڑ دیا تھا تو ہم تمہیں قتل کرتے تھے ـــــ کیونکہ اللہ تعالیٰ نہ ہمارے ساتھ تھا اور نہ تمہارے ساتھ ـــــ لیکن اب؟؟

اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ تھا ـــــ اس لئے ہمارے بازوؤں میں جان نہ رہی۔

فاروقِ اعظم نے فرمایا: دور جاہلیت میں تم ہم پر اس لئے غالب تھے کہ تم مجتمع تھے ـــــ اور ہم بکھرے ہوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان پر حکمت و دانش جاری فرمادی ـــــ کیونکہ کسی بھی قوم کا بکھرا ہوا ہونا اس کی ناکامی کا سبب ہے ـــــ اور ان کا مجتمع ہونا فتح ونصرت کا سبب ہے ـــــ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَاتَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْاوَتَذْهَبَ رِیْحُکُمْ

تم آپس میں نہ جھگڑو! ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔

پھر فرمایا:

تیرے پاس بغاوت کرنے اور یکے بعد دیگر معاہدہ توڑنے کا کیا عذر ہے؟

اور کیا حجت ہے؟

ہرمزان: مجھے خوف ہے کہ آپ مجھے بیان کرنے سے پہلے قتل کردیں گے۔

فاروق اعظم: تو اس بات کا خوف نہ کر۔

ہرمزان نے پانی مانگا، اسے پانی لا کر دیا گیا ـــــ اس کا ہاتھ کانپنے لگا۔

ہرمزان: مجھے خوف ہے کہ مجھے پانی پیتے ہوئے قتل کردیا جائے گا۔

فاروق اعظم: تمہارے پانی پینے تک کوئی حرج نہیں ہے۔ (تمہیں قتل نہیں کیا جائیگا)

ہرمزان: پانی زمین پر گرادیتا ہے۔

فاروق اعظم: اسے دوبارہ پانی لا دو ـــ اس کے لئے قتل اور پیاس دو چیزوں کو جمع نہ کرو۔

ہرمزان: کا چہرہ اس شخص کی طرح فرط مسرت سے جگمگا اٹھا جسے گم ہونے کے بعد مقصد پھر سے دستیاب ہو جائے۔

کہنے لگا: مجھے پانی کی ضرورت نہیں ہے ——— میرا مقصد تو امن حاصل کرنا تھا۔

فاروق اعظم: میں تجھے قتل کر کے رہوں گا۔

ہرمزان: امیر المؤمنین! آپ مجھے امن دے چکے ہیں۔

فاروق اعظم: تم جھوٹ بولتے ہو۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا:

امیر المؤمنین! آپ اسے امن دے چکے ہیں۔

فاروق اعظم: ارے بندۂ خدا انس! کیا میں اس جیسے شخص کو امن دوں گا؟

براء بن مالک (۲): ہاں! آپ اسے امن دے چکے ہیں ——— کیا آپ نے اسے یہ نہیں کہا؟ کہ تجھ پر کوئی حرج نہیں، یہاں تک کہ تو مجھے خبر دے۔

فاروق اعظم: ہاں! یہ تو میں نے کہا ہے۔

براء بن مالک: کیا آپ نے اسے یہ نہیں فرمایا کہ تو امن والا ہے یہاں تک کہ تو پانی پی لے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حق کی طرف رجوع کر لیا ——— اور جان لیا کہ وہ اسے امن دے چکے ہیں ——— انہوں نے اپنے آپ کو حق کا پابند کیا اور شریعت کے حکم سے تجاوز نہیں کیا ——— سلاطین اور امراء کو اسی طرح ہونا چاہیے۔

فاروق اعظم نے ہرمزان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم! میں سوائے مسلمان کے کسی سے دھوکا نہیں کھاتا ——— لیکن تو نے مجھے دھوکا دے دیا ہے ———

——اللہ تعالیٰ کو اسی طرح منظور تھا۔

پھر ہرمزان اسلام لے آیا —— حضرت فاروق اعظم نے اسے مدینہ منورہ میں ٹھہرایا اور نگرانی میں رکھا۔

(تاریخ طبری —— کسی قدر تبدیلی کے ساتھ)

تبصرہ:

یہ حال تھا مسلمان حکمرانوں اور رعایا کے معاہدوں کا —— وہ ان کی پاسداری کرتے تھے —— اگرچہ بھول کر یا خطا ہی سے ہو جائیں —— کیونکہ اسلام کی بنیادی تعلیمات ایفائے عہد کا تقاضا کرتی ہیں —— ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمَانَاتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ رَاعُوْنَ (المؤمنون:۲۳/۸)

اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور عہد کی حفاظت کرتے ہیں۔

برخلاف غیر مسلموں کے، کہ انہیں اپنے عہد و پیمان کا اتنا پاس ہرگز نہیں ہوتا۔

---

(۱) ہرمزان ایرانیوں کا ایک بڑا کمانڈر، شہر تُستَر کی فتح کے وقت مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا، اسے امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لایا گیا تو وہ اسلام لے آیا۔

(۲) براء بن مالک بن نضر خزرجی جلیل القدر صحابی اور انتہائی بہادر لوگوں میں سے تھے، یہ حضرت انس بن مالک کے بھائی تھے (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ایک سو افراد کو چیلنج کر کے قتل کیا، مبارزت کے بغیر جنگوں میں جن کو قتل کیا وہ ان کے علاوہ تھے۔ تُستَر کی فتح کے دن حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے میمنہ کے کمانڈر تھے، تُستَر کے مشرقی دروازے پر ۲۰ھ میں شہید ہوئے اور وہیں دفن ہوئے۔

علم اور علماء کی عزت

عظیم الشان سلطنت کا فرماں روا، خلیفۂ عباسی ہارون الرشید اپنے دفتر میں جاتا ہے —— خلیفہ کی تعظیم و تکریم اور خوشنودی کے لئے درباری سرکاری لوگوں کا ایک ہجوم ساتھ ہے —— جو دیکھتا ہے سروقد کھڑا ہوکر تعظیم بجالاتا ہے —— لیکن امام ابوحنیفہ کے شاگرد اور نامور فقیہ، امام محمد بن حسن شیبانی (۱) اپنی جگہ پر بیٹھے رہے —— انہوں نے حرکت تک نہیں کی —— ہارون الرشید نے بھی دیکھ لیا کہ وہ کھڑے نہیں ہوئے، بلکہ بیٹھے رہے ہیں —— وہ چشم پوشی کرتے ہوئے اپنے دفتر میں داخل ہو گیا —— اس کی تعظیم بجالانے والے لوگوں کا ہجوم بھی اس کے ساتھ ہی اندر چلا گیا۔

تاہم اسے امام محمد بن حسن پر غصہ ضرور آیا —— کہ سب لوگ احتراماً کھڑے ہوئے، لیکن وہ کھڑے نہیں ہوئے —— تھوڑے وقفے کے بعد ہارون نے انہیں طلب کیا —— وہ اندر گئے تو ان کے شاگرد پریشان ہو گئے —— کیونکہ جب دوسرے لوگ احتراماً کھڑے ہوئے تھے تو امام محمد کھڑے نہیں ہوئے تھے —— ان کے شاگردوں کا غالب گمان یہ تھا کہ خلیفہ انہیں ضرور سزا دے گا —— لیکن امام محمد تھوڑی دیر خلیفہ کے پاس ٹھہرنے کے بعد شاداں اور فرحاں واپس تشریف لے آئے —— شاگردوں نے پوچھا کہ جتنی دیر آپ خلیفہ کے پاس رہے، وہاں کیا واقعہ پیش آیا؟

کہنے لگے: جب میں خلیفہ کے پاس گیا تو اس نے مجھ سے پوچھا کہ دوسرے لوگ احتراماً کھڑے ہوئے اور میرے ساتھ اندر آئے تھے —— آپ نہ تو کھڑے ہوئے اور نہ ہی اندر آئے —— ایسا کیوں ہوا؟ —— یہ سوال کرتے وقت غیظ و غضب کے آثار اس کے چہرے پر نمایاں طور پر پائے جاتے تھے۔

میں نے کہا: اللہ تعالیٰ تا دیر امیر المؤمنین کو سلامت رکھے ـــــ آپ نے مجھے طبقۂ علماء میں شامل کیا ہے ـــــ آپ نے مجھے صف علماء میں شامل ہونے کے قابل قرار دیا ہے ـــــ میں نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ جس طبقے میں آپ نے مجھے شامل کیا ہے اس سے نکل کر خادموں اور بازاری لوگوں میں شامل ہو جاؤں ـــــ امیر المؤمنین! میں نے آپ کی مخالفت کو پسند نہیں کیا ـــــ آپ کے چچا کے بیٹے اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے:

جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ لوگ اس کے لئے سروقد کھڑے ہوں اسے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالینا چاہیے۔(۲)

اس سے مراد غلماء ہیں ـــــ پس جو شخص خدمت اور بادشاہ کے اعزاز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو یہ اس کی طرف سے عطیہ ہے ـــــ اور جو شخص آپ حضرات سے حاصل کی گئی سنت کی پیروی کے لئے بیٹھتا ہے تو وہ آپ کے لئے زینت ہے۔

ہارون الرشید نے کہا: اے محمد! آپ نے سچ کہا ہے۔

مجھے ایک مسئلے میں مشورہ دیں کہ میں کیا کروں؟

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنو تغلب کے عیسائیوں سے اس شرط پر صلح کی تھی کہ وہ اپنی اولاد کو عیسائی نہیں بنائیں گے ـــــ انہوں نے اپنے بیٹوں کو عیسائی بنایا ہے ـــــ اس لئے انہیں قتل کرنا جائز ہے ـــــ اس مسئلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

ـــــ ہارون الرشید کا ارادہ یہ تھا کہ چونکہ انہوں نے عہد اور ذمہ کی مخالفت کی ہے؟ اس لئے ان کے قتل کا فتویٰ حاصل کیا جائے۔

امام محمد بن حسن فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: امیر المؤمنین! حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں پابند کیا تھا کہ وہ اپنی اولاد کو عیسائی نہ بنائیں ـــــ اس کے

بعد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے انہوں نے بنو تغلب کو بحال رکھا ـــــ ان کے بعد آپ کے چچا کے بیٹے ابوالحسن حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ آئے ـــــ اور وہ علم و تقویٰ کے جس مقام پر ہیں، وہ آپ سے مخفی نہیں ـــــ پھر یہی طریقہ چلتا رہا ـــــ یہ حضرات بعد کے خلفاء سے زیادہ نیک تھے ـــــ امیرالمؤمنین! اس سلسلے میں آپ کو کوئی گناہ لاحق نہیں ہوگا ـــــ اس لئے جو چیز جس حالت پر ہے اسے اسی حالت پر رہنے دیں ـــــ آپ کے لئے پہلے حضرات بہترین مقتدا ہیں ـــــ میں نے آپ کے سامنے علم کا چہرہ بے نقاب کر دیا ہے ـــــ اگر آپ کچھ اور فیصلہ کرنا چاہیں تو آپ کی رائے عالی ہے۔

ہارون الرشید نے امام محمد رضی اللہ عنہ کی گفتگو سنی تو اسے وہ صحیح دکھائی دیے ـــــ اور اس نے فیصلہ کیا کہ بنو تغلب کو ان کے حال پر چھوڑ دینا ہی بہتر ہے ـــــ اس کا دل امام محمد کی رائے پر خوش ہو گیا۔

ہارون الرشید نے کہا:

ہم ان کا معاملہ اسی طرح جاری رکھیں گے جس طرح مجھ سے پہلے خلفاء نے جاری رکھا ـــــ یعنی ہم انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں ـــــ مشورہ بہت اچھی چیز ہے ـــــ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یقینی علم لے کر آتے تھے ـــــ اس کے باوجود آپ اپنے صحابۂ کرام سے مشورہ کیا کرتے تھے ـــــ لیکن آپ اس شخص کے لئے دعا کرتے جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کے معاملہ کا ذمہ دار بنایا ہے ـــــ اور مسلمانوں کا محافظ بنایا ہے ـــــ آپ اپنے شاگردوں سے بھی دعا کروائیں ـــــ میں نے حکم دیا ہے کہ کچھ مال آپ کو پیش کیا جائے، آپ اپنے شاگردوں میں تقسیم کر دیں۔

امام محمد بہت سارا مال لے کر باہر آئے اور اپنے شاگردوں میں تقسیم کر دیا ـــــ

علماء کی بڑی خوشی اور راحت یہی ہوتی تھی کہ ان کے شاگرد راضی اور خوش ہو جائیں۔

تبصرہ:

ہاں! دورِ اول کے علماء کا یہ طریقہ تھا کہ اگر سلطانِ وقت راہِ راست سے بھٹک جاتا تھا تو اس کی ہیبت کی پروا نہیں کرتے تھے ——— ہر صورت میں شریعت ہی کی حمایت کرتے تھے، چاہے نتیجہ کچھ بھی نکلے ——— اصل اطاعت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول گرامی ﷺ کی ہے ——— اس کے بعد وقت کے حکمرانوں کی اطاعت ہے، بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی اطاعت کریں ——— جیسے کہ اُس وقت کے حکمران اپنی خواہشات کی پیروی نہیں کرتے تھے، بلکہ حق کی طرف رجوع کرتے تھے ——— اس شخص سے خوش ہوتے تھے جو ان کی خطا کو درست کرتا تھا ——— اخلاص شعار اور خیر خواہ قسم کے علماء کو بکثرت اپنے پاس جمع کرتے تھے اور انہیں خصوصی ہم نشین اور مشیر بناتے تھے ——— چونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی امداد کی، اللہ تعالیٰ نے ان کی امداد فرمائی۔

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ (سورۃ الحج)

اور اللہ تعالیٰ ضرور اس شخص کی مدد کرے گا جو اس کے دین کی مدد کرے گا۔
بے شک اللہ قوی اور غالب ہے۔

تب تو اللہ تعالیٰ عمر کا پیٹ نہ بھرے

امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لشکر کردوں سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا ـــــ اس لشکر کے کمانڈر سلمہ ابن قیس اشجعی مقرر کیے ـــــ مقابلہ ہوا دشمن کو شکست ہوئی ـــــ اللہ تعالیٰ نے جو مال غنیمت عطا فرمایا سپہ سالار نے لشکر میں تقسیم کر دیا ـــــ مال غنیمت میں ایک نادر روزگار زیور ملا جو حسن اور دلکشی کا شاہکار تھا ـــــ حضرت سلمہ نے مجاہدین کو کہا کہ اگر یہ زیور تم میں تقسیم کیا گیا تو تمہیں اس کا معمولی سا حصہ ملے گا جو کسی کام کا نہیں ہوگا ـــــ اگر آپ حضرات اجازت دیں تو میں یہ خوبصورت زیور امیر المؤمنین کو بھجوا دوں ـــــ امید ہے کہ وہ اس سے محظوظ ہوں گے ـــــ سب نے اس رائے کی تائید کی ـــــ انہوں نے زیور ایک صندوقچی میں رکھا اور اپنی قوم کے ایک شخص کے سپرد کر دیا ـــــ اور اسے حکم دیا کہ لے جا کر خلیفۃ المسلمین عمر بن خطاب کی خدمت میں پیش کر دو ـــــ اور اپنے دل میں سوچا کہ امیر المؤمنین بہت خوش ہوں گے اور اسے خندہ پیشانی سے قبول کریں گے۔

قاصد مدینہ منورہ پہنچا تو سیدنا فاروق اعظم کے پاس حاضر ہوا ـــــ دیکھا کہ خلیفۂ وقت خود امتِ مسلمہ کی خدمت کر رہے ہیں ـــــ چرواہے کی طرح اپنے عصا پر ٹیک لگائے لوگوں کو کھانا کھلا رہے ہیں ـــــ اور کبھی پیالوں کے گرد گھوم رہے ہیں ـــــ قاصد کا بیان ہے کہ مجھے دیکھا تو پوری بشاشت کے ساتھ ملے اور مجھے فرمایا: بیٹھو ـــــ میں عام آدمی کی طرح بیٹھ گیا ـــــ جب لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے اور پیالے اٹھا لئے گئے تو فاروق اعظم اپنے گھر چلے گئے۔

میں بھی ان کے پیچھے گیا، دروازے پر پہنچ کر اجازت طلب کی ـــــ اجازت

ملنے پر اندر داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ چمڑے کے دو گدّوں پر بیٹھے ہوئے ہیں جن میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی ہے —— یہ تھا خلیفۂ وقت کے گھر کا سامان اور یہ تھا ان کا نرم اور گداز بچھونا —— ایک گدّا انہوں نے میری طرف پھینک دیا جس پر میں بیٹھ گیا —— پھر انہوں نے آواز دی: ام کلثوم! ہمارا کھانا بھیج دیں —— مجھے بہت بھوک لگی ہوئی تھی —— میں نے دل میں سوچا کہ اب دل پسند کھانا اور تروتازہ گوشت کھانے کو ملے گا —— زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ حضرت ام کلثوم نے زیتون کے تیل کے ساتھ روٹی بھیج دی جس پر نمک چھڑکا ہوا تھا اور نمک بھی صحیح طرح پسا ہوا نہیں تھا۔

حضرت فاروق اعظم نے مجھے فرمایا: کھاؤ! —— میں نے وہ کھانا کھا تو لیا، لیکن بھوک کے باوجود میرا دل اسے کھانے کو بالکل نہیں چاہتا تھا —— جب کہ فاروق اعظم نے بڑے شوق سے کھانا کھایا، تھوڑا پانی پیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی۔

پھر میں نے عرض کیا: امیر المؤمنین! میں سلمہ ابن قیس کا قاصد ہوں —— فرمایا: سلمہ اور اس کے قاصد کو مرحبا! —— مجھے مہاجرین کے بارے میں بتاؤ! ان کا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا: وہ بالکل خیریت سے ہیں، جیسے کہ آپ چاہتے ہیں —— وہ فتح مند ہیں اور دشمنوں پر غالب ہیں —— پھر انہوں نے پوچھا: کیا مجاہدین کو گوشت، سالن اور گھی میسر ہے؟ —— میں نے کہا: امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سب کچھ میسر ہے —— مجھے تعجب ہو رہا تھا کہ وہ رعایا کے حالات کے بارے میں کتنے فکر مند ہیں؟ پھر میں نے سلمہ کا بھیجا ہوا مکتوب اور وہ قیمتی زیور پیش کیا —— جب آپ نے اس میں جڑے ہوئے نگینے دیکھے، اس کی زیب و زینت اور موتی دیکھے تو اچھل کر کھڑے ہو گئے —— جیسے ان کے پہلو میں بچھو نے ڈنک مار دیا ہو —— پھر اپنا ہاتھ اپنی کوکھ پر رکھ کر کہنے لگے:

تب تو اللہ تعالیٰ عمر کا پیٹ نہ بھرے

تب تو اللہ تعالیٰ عمر کو سیر نہ کرے

یہ زیور واپس کرو ـــــ واپس لے جاؤ ـــــ گویا انہیں ایسی چیز پیش کر دی گئی ہے جوان کے لئے ناقابلِ برداشت ہے ـــــ پھر قاصد کو بلند اور بھاری آواز میں فرمایا:

اللہ کی قسم! اگر اس کی تقسیم سے پہلے مسلمان متفرق ہو گئے تو تمہیں اور تمہارے صاحب کو ایسی ایسی سزا دوں گا ـــــ اسے اس کے مستحقین تک پہنچا دو ـــــ لے جاؤ ان کے پاس۔

قاصد کہتے ہیں: میں نے فاروق اعظم اور ان کی وعید سے ڈرتے ہوئے کانپتے ہاتھوں سے وہ زیور اٹھایا اور صندوقچی میں رکھ دیا ـــــ اور وہاں سے روانہ ہو کر سلمہ کے پاس پہنچ گیا ـــــ اور انہیں کہا: اللہ تعالیٰ تمہیں اس کام میں برکت عطا نہ فرمائے جو تم نے میرے ذمہ لگایا تھا ـــــ قبل اس کے کہ مجھے اور تمہیں کسی ناخوشگوار صورتِ حال سے دوچار ہونا پڑے اسے لوگوں میں تقسیم کر دو ـــــ فوراً تقسیم کر دو۔

تبصرہ:

یہ تھے دورِ اول کے مسلمان حکمران ـــــ وہ مسلمانوں کے مالوں سے اجتناب کرتے تھے ـــــ اگرچہ وہ اموال دل کش اور روح پرور ہی کیوں نہ ہوں۔

جب رعایا اپنے مخلص حکمرانوں میں یہ سچائی، اخلاص اور قربانی دیکھے تو کیوں نہ انہیں دلوں کا نذرانہ پیش کرے گی؟ ـــــ یہی وجہ تھی کہ جب نفوس مادیت سے رہائی پا چکے تھے، بلند فضیلتوں کے لئے چراغ بن چکے تھے اور اندھیروں میں ان سے راہنمائی حاصل کی جاتی تھی، اس وقت اللہ تعالیٰ نے حکمرانوں اور عوام کے درمیان اختلاف ختم کر دیا تھا۔

خاتمہ

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس کے احسان سے نیکیاں مکمل ہوتی ہیں۔ اور صلوٰۃ وسلام ہو ہمارے آقا، ہمارے امام اور ہمارے نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کی آل پاک اور آپ کے صحابہ کرام پر جن کی یادگاریں زندہ و پائندہ ہیں، ان کے راستے پر چلنے والوں اور احسان کے ساتھ ان کی اقتدا کرنے والوں پر۔

حمد وثنا کے بعد! یہ کتاب ''مِنْ نَسَمَاتِ الْخُلُوْد'' سلسلۃ الخلود کا آخری حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے آسان فرمایا، یہ نبی اعظم محمد بن عبداللہ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ کے زندۂ جاوید شاگردوں کے کرداروں سے حاصل کئے گئے ایمان افروز جھونکے ہیں ——— ہم نے یہ اس لئے جمع کئے ہیں تا کہ اس امت کو ان کی قبروں سے اٹھا دیں ——— اور اسے خواب غفلت سے جھنجھوڑنا بھی مقصود ہے ——— کیونکہ نیند بہت لمبی ہوگئی ——— جہالت نے غلبہ پالیا ——— ذلت نے احاطہ کرلیا ——— اور نوبت اس حد تک پہنچ گئی ہے جسے ہم دیکھ رہے ہیں۔

ہوسکتا ہے کہ اس عاجزانہ کوشش کے ذریعے ہم نے اپنی کچھ ذمہ داری پوری کر دی ہو ——— ہم اس امت کے افراد ہیں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے گواہی دی ہے کہ یہ تمام اُمتوں سے افضل ہے ——— ممکن ہے کہ مسلم امۃ اپنی عزت وعظمت کو دوبارہ حاصل کر لے ——— اور اللہ تعالیٰ کی گواہی کے مطابق پھر ''بہترین امت'' کا اعزاز حاصل کرلے۔

قارئین کرام! مجھے امید ہے کہ آپ مجھے (مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کو اور اس کے ساتھ ہی مترجم کو) پس پشت دعاء خیر میں یاد رکھیں گے ——— میرا مقصد اپنی بساط کے مطابق صرف اصلاح ہے ——— مجھے اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے ——— میرا

اسی پر بھروسہ ہے ـــــــ اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اپنے رب کریم کی معافی کا محتاج

محمد صالح فرفور

دمشق

انٹرنیشنل امام احمد رضا کانفرنس، بریڈفورڈ

بین الاقوامی شہرت کی حامل شخصیت پیر سید معروف حسین نوشاہی مدظلہ العالی سرپرستِ اعلیٰ جمعیت تبلیغ الاسلام بریڈفورڈ کی دعوت پر راقم الحروف ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی، پروفیسر محمد صدیق اکبر اور مولانا محمد یٰسین قادری شطاری کی معیت میں بریڈفورڈ حاضر ہوا اور 26 راگست 2001ء کو بریڈفورڈ میں منعقد ہونے والی انٹرنیشنل امام احمد رضا کانفرنس میں شرکت کی اور پونے چار ماہ پیر صاحب کے پاس بطور مہمان قیام کیا، قیام و طعام کا انتظام پیر صاحب نے کیا مولائے کریم انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور اہل سنت کے سروں پر ان کا سایہ دراز فرمائے۔

اسی دوران ۱۲ ررمضان المبارک مطابق ۲۷ رنومبر ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء کو "من نسمات الخلود" کا ترجمہ مکمل ہوا جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

فالحمد للہ تعالیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

بمقام: دفتر جمعیت تبلیغ الاسلام، نمبر 1 ساؤتھ فیلڈ سکوائر، بریڈفورڈ، یو۔کے

ضمیمہ

خدا کو یاد کر پیارے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تُوبُوْا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّھَا الْمُؤْمِنُوْنَ (القرآن)

مومنو! تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو

ہمارے زمانے میں مختلف لوگ افراط وتفریط کا شکار ہیں ـــــــ حالانکہ ہر مسلمان اور ذی شعور کو راہِ اعتدال اور صراطِ مستقیم اختیار کرنا چاہیے ـــــــ اگرچہ آج صراطِ مستقیم کا تعیُّن بھی دشوار ہو گیا ہے، ہر فرقہ یہی کہتا ہے کہ ہم ہی صراطِ مستقیم پر ہیں ـــــــ لیکن اگر انسان قرآن وحدیث سے راہنمائی لے اور امت مسلمہ کے تسلسل اور ائمۂ دین کے دامن کو ہاتھوں میں تھامے رکھے اور نفس وشیطان کے اغوا سے بچا رہے تو کوئی وجہ نہیں کہ انسان صراطِ مستقیم سے بھٹک جائے۔

یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی راہنمائی کے لئے آخری کتاب قرآن پاک نازل کی ـــــــ اسے سمجھنا ہر کس وناکس کا کام نہیں ہے:
یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا وَّیَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا ۔(اللہ تعالیٰ بہت سے لوگوں کو اس کے ذریعے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور بہت سے لوگوں کو ہدایت عطا فرماتا ہے۔)
ـــــــ قرآن پاک کو سمجھنے کے لئے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محتاج ہیں ـــــــ قرآن پاک آپ ہی کے ذریعے ہمیں ملا، آپ ہی نے ہمیں بتایا کہ یہ قرآن اور کلام اللہ ہے ـــــــ اور آپ ہی نے ہمیں اس کے مطالب بیان کئے ـــــــ ارشاد ربانی ہے: لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیْھِمْ ۔ تاکہ آپ لوگوں کے لئے بیان کریں جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔

پھر حدیث شریف کو بھی ہم براہِ راست نہیں سمجھ سکتے، کیونکہ احادیث کی مختلف قسمیں ہیں، صحیح ہے، حسن ہے، ضعیف ہے، موضوع ہے، مُرسَل ہے، منقطع ہے اور معضل ہے، پھر تاریخ کے اعتبار سے کوئی پہلے ہے کوئی پیچھے ہے، یہ اور ایسی سینکڑوں بحثیں ہیں جنہیں ائمہ مجتہدین ہی حل کر سکتے ہیں، پھر ائمہ مجتہدین کے کلام کو سمجھنے کی بھی ہمیں صلاحیت نہیں اس کے لئے ہم محشی حضرات اور شارحین کے محتاج ہیں جو مجمل اقوال کی تفصیل کرنا جانتے ہیں، مختلف اقوال میں تطبیق اور ترجیح کی صلاحیت رکھتے ہیں، ہم امام احمد رضا بریلوی کا نعتیہ دیوان "**حدائق بخشش**" کلامِ اقبال اور کلامِ غالب از خود نہیں سمجھ سکتے، اس کے لئے ہمیں استاذ یا شرح کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے، تو کیا قرآن پاک ہی معمولی کتاب ہے جسے ہر آدمی سمجھ سکتا ہے اور اسے سمجھانے والے کی ضرورت نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دعا مانگنے کا طریقہ سورۂ فاتحہ میں بتایا ہے جو ہر رکوع و سجود والی نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے اس میں فرمایا: **صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ** ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا —— یہ وہی ائمہ دین کا تسلسل ہے جن کا دامن تھامنا ہمارے لئے کامیابی اور سلامتی کی ضمانت ہے۔

ہمارے ہاں قانون کی پاسداری کا تصور بہت حد تک دھندلا گیا ہے، ٹریفک کے قواعد کا لحاظ نہ کرنا معمول بن چکا ہے، بڑے لوگ اور ان کے نوخیز بیٹے اشارہ کاٹنے کے عمل کو ہی اپنی برتری کا اظہار سمجھتے ہیں، پولیس والا کھڑا ہو تو اسے بھی خاطر میں نہیں لاتے، ہاں اگر اس کے پاس بھاری بھرکم موٹر سائیکل ہو تو اشارہ کاٹنے سے گریز کرتے ہیں، کیونکہ انہیں احساس ہوتا ہے کہ یہ تعاقب کر کے ہمیں گرفتار کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ العظیم کا ہمیں اتنا بھی خوف نہیں ہوتا، کیونکہ وہ مالک کریم ہمیں فوراً اپنی گرفت میں نہیں لیتا، بلکہ ڈھیل دیتا ہے اور توبہ و استغفار کی مہلت دیتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ اَخَذَ اللّٰہُ النَّاسَ بِظُلْمٍ مَّا تَرَکَ عَلٰی ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ۝

اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ظلم کے سبب گرفت فرماتا تو زمین کی پشت پر کسی چلنے والے کو نہ چھوڑتا۔

ذرا غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جگانے اور ہوشیار کرنے کا کتنا اہتمام فرمایا ہے؟ لیکن ہم ہیں کہ بیدار ہونے کا نہیں لیتے، کیا ہمیں ہوش میں آنے کے لئے صورِ اسرافیل کا انتظار ہے؟

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے بار بار اپنی بڑائی اور عظمت و کبریائی کا اعلان کیا ہے، اذان میں چھ مرتبہ کلمۂ تکبیر (اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اعلان) دہرایا جاتا ہے اور تین مرتبہ کلمۂ شہادت (**لاالٰہ الا اللّٰہ**) بلند آواز سے پکارا جاتا ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور یکتائی کا ہی اعلان ہے۔یہی حال تکبیر کا ہے۔

نماز کی چار رکعتوں میں بائیس مرتبہ **اللّٰہ اکبر** (اللہ سب سے بڑا ہے) کہا جاتا ہے، تسبیح سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں چونتیس بار **اللّٰہ اکبر** کہا جاتا ہے، یوں چوبیس گھنٹوں میں تقریباً چھ سو مرتبہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا ورد کیا جاتا ہے اور نعرہ لگایا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود ہم اتنے بے حس ہیں کہ متوجہ ہی نہیں ہوتے اور عام معمول کی کاروائی سمجھ کر گزر جاتے ہیں، ربِّ قہار و جبار کی عظمت و بڑائی کے اعلان کو اگر ہم گوشِ ہوش سے سنتے اور سنجیدگی سے لیتے تو ہمارے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا کم از کم اتنا خوف تو ہوتا کہ ہم حرام کام کرنے سے ہچکچاتے اور فرائض و واجبات ادا

کرنے کے لئے پوری طرح مستعد ہوتے کیونکہ ہمیں اللہ قادر و قیوم دیکھ رہا ہے اور اس کے نافرمانوں کے لئے جہنم کی آگ پوری طرح بھڑک رہی ہے۔

موجودہ دور میں دو قسم کے طرز عمل ہمارے سامنے آتے ہیں جو افراط و تفریط کا شکار ہیں۔

1. ایک طبقہ یہ کہتا ہے کہ اللہ کو مانو اور کسی کو نہ مانو ——

یہ بھی کہتا ہے کہ نبی کی تعریف اتنی ہی کرو جتنی گاؤں کے ایک چودھری کی کی جاتی ہے بلکہ اس میں بھی تخفیف کرو۔

یہ کتنی بدقسمتی اور ستم ظریفی ہے کہ دنیا کا کوئی لیڈر آپ کو ایسا نہیں ملے گا جس کے ماننے والے اس کی عظمتِ شان کے گھٹانے کی فکر میں ہوں، یہ تو چودھویں پندرھویں صدی کے امتی کا حوصلہ ہے جو اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت و جلالت کو کم کرنے کی سوچ رکھتا ہے، سچ کہا ہے امام اہل سنت شاہ احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے:

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا

شیخ القرآن حضرت علامہ عبدالغفور ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک دفعہ خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک دن سایۂ دیوار نے دیوار کو کہا کہ میں سورج کا عاشق ہوں اور اسے دیکھنا چاہتا ہوں تو درمیان سے ہٹ جا، دیوار نے کہا ہوش کے ناخن لے، میں اگر درمیان سے ہٹ گئی تو تیرا نام و نشان مٹ جائے گا۔

نبی اکرم تاجدار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سب سے اہم اور سب سے بڑا رابطہ ہیں اگر آپ کا رابطہ اور واسطہ درمیان

میں نہ رہا تو ہمارا دین رہے گا اور نہ ایمان۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو

جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے

(امام احمد رضا)

دوسرا طبقہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیبِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مانتا ہے کلمۂ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی دونوں جزؤں کو مانتا ہے اور اقرار بھی کرتا ہے، لیکن جس قدر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہونی چاہیے اور جتنا تعلق رب کریم جل مجدۂ کے ساتھ ہونا چاہیے وہ دکھائی نہیں دیتا، پہلا طبقہ اس معاملے میں افراط کا شکار ہے تو دوسرا طبقہ تفریط کا۔

چند مثالیں کسی معین شخص کا نام لئے بغیر پیش کرتا ہوں اور فیصلہ آپ کے دل وضمیر پر چھوڑتا ہوں کہ کیا ان لوگوں کا رویہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی پہلو سے بھی مستحسن ہے؟

① ایک صاحب نے مغرب کی نماز پڑھائی اور سلام پھیرنے کے بعد یوں دعا مانگی:

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللہ

وعلی آلک واصحابک یاحبیب اللہ

یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اُنْظُرْحَالَنَا   یَاحَبِیْبَ اللّٰہِ اِسْمَعْ قَالَنَا

اِنَّنِیْ فِیْ بَحْرِھَمٍّ مُغْرَقٗ   خُذْیَدِیْ سَھِّلْ لَنَااِشْکَالَنَا

اس کے بعد یہ درود شریف پڑھا اور منہ پر ہاتھ پھیر لئے۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللہ

وعلی آلک واصحابک یاحبیب اللہ

راقم نے انہیں روک لیا اور کہا کہ علماءِ اہل سنت نے اس شعر ''یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اُنْظُرْحَالَنَا'' کے بارے میں یہی کہا تھا کہ یہ شرک اور کفر نہیں بلکہ جائز ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا ہی چھوڑ دیں۔

❷ ابھی دو ماہ پہلے ایک مجلّے میں ایک فاضل کا خطاب شائع ہوا جس کا عنوان تھا ''ربّ کا وظیفہ'' اس کے نیچے لکھا تھا کہ ہر کسی کا کوئی نہ کوئی وظیفہ ہوتا ہے، میں نے رب کریم سے پوچھا کہ یا اللہ! تو کیا کرتا ہے؟ کیا تو بارش برساتا ہے؟ بے شک تو بارش برساتا ہے، لیکن یہ کام تو نے فرشتوں کے سپرد کر رکھا ہے، کیا تو سورج چڑھاتا ہے؟ یا سورج غروب کرتا ہے؟ موت کے وقت روح قبض کرتا ہے؟ یہ سب کام تو نے فرشتوں کے سپرد کر رکھے ہیں، یا اللہ! تو کیا کرتا ہے؟ ربّ کریم نے فرمایا: میں نے سب کام فرشتوں کے سپرد کر دیئے ہیں اور خود فارغ ہو کر ایک ہی کام کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ:

میں اپنے محبوب کی تعریف کرتا ہوں

کیا یہ کسی آیت کا ترجمہ ہے؟ یا کسی حدیث کا مطلب ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ (وہ ہر آن نئی شان میں ہے) اور خَالِقُ کُلِّ شَیْئٍ (وہ ہر چیز کا خالق ہے) کا کیا مطلب ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ ہر شے عدم سے وجود میں آنے میں اللہ کریم کی محتاج ہے پھر باقی رہنے میں ہر لحہ میں اس کی محتاج ہے۔

ایک محفل میں راقم نے یہ اقتباس سامعین کو متوجہ کرنے کے لئے سنایا تو کئی سامعین کہنے لگے: سبحان اللہ! میں نے کہا: یہ سبحان اللہ کہنے کا مقام نہیں، یہ تو ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ'' کہنے کا مقام ہے۔

پھر اس فاضل نے خطابت کے مزید جوہر دکھاتے ہوئے کہا کہ اگر میں کہہ

دوں کہ اس معاملے میں اللہ تعالیٰ ہمارا اہم ذوق ہے تو کوئی حرج نہیں ہے ـــــــ کس کس بات کا تذکرہ کیا جائے؟

❸ ایک فاضل دانشور نے جو اس وقت بیرون ملک تبلیغ اسلام کے فرائض انجام دے رہے ہیں، اپنے مقالے میں لکھا کہ میں نے حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی کی کتاب ''الفتح الربانی'' کا مطالعہ کیا تو انہوں نے کہیں ذکر الٰہی پر زور دیا ہے، کہیں ذکر وفکر کی اہمیت اجاگر کی ہے، کہیں خوف آخرت تازہ کیا ہے، مجھے تعجب ہوا کہ یہ کیا بات ہے کہ حضور غوث اعظم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل بیان ہی نہیں کرتے دوسرے موضوعات پر ہی گفتگو کیے جا رہے ہیں، پھر میں نے چند صفحے پلٹے تو میرا دل خوش ہو گیا کہ سیدنا غوث اعظم نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل بیان کیے ہوئے تھے۔

ایسے ہی رویئے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ''خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں'' بجائے اس کے کہ ہم اپنے آپ کو سیدنا غوث اعظم کی فکر کے سانچے میں ڈھال لیں، ہم انہیں اپنی سوچ کے فریم میں فٹ کرنا چاہتے ہیں۔

کئی خطباء یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ قرآن پاک بسم اللہ کی باء سے لے کر سورۂ ناس کی سین تک سب نبی اکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت ہی نعت ہے۔ ''سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتادیا کہ قرآن پاک میں صرف نعتِ مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نہیں ہے اور بھی بہت کچھ ہے۔

علامہ بیضاوی فرماتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کا ایک نام اُمّ القرآن بھی ہے اس کی وجہ بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو کچھ قرآن پاک میں ہے سورۂ فاتحہ اس پر مشتمل ہے۔ قرآن پاک میں کیا ہے؟ اس کا بیان دو طریقوں سے کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قرآن پاک تین چیزوں پر مشتمل ہے۔

1. اللہ تعالیٰ عز و جل کی ثنا۔
2. اس کے امر اور نہی کی تعمیل۔
3. اس کے وعدے اور وعید کا بیان۔

باندازِ دگر فرماتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ قرآن پاک کے مطالب پر اجمالی طور پر مشتمل ہے، وہ مطالب یہ ہیں:

1. حِکَم نظریہ یعنی عقائد۔
2. احکام عملیہ یعنی طریق مستقیم پر چلنا۔
3. خوش قسمتوں کے مراتب اور بدبختوں کی منازل پر آگاہ ہونا۔

کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوش قسمتوں اور اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کے سردار ہیں، اس طرح سورۂ فاتحہ آپ کے ذکر شریف پر بھی مشتمل ہے، لیکن اس بات کا کیا مطلب کہ سارا قرآن ہی آپ کی نعت ہے؟

قرآن پاک کے بارے میں ایک شاعر نے کہا ہے اور بجا کہا ہے:

جَمِیْعُ الْعِلْمِ فِی الْقُرْآنِ لٰکِنْ
تَقَاصَرَ عَنْہُ اَفْھَامُ الرِّجَالِ

قرآن پاک میں تمام علوم موجود ہیں، لیکن لوگوں کے دماغ اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔

4. ایک دفعہ ایک فاضل دوست نے لکھا کہ اسلام صرف اور صرف حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کا نام ہے۔
5. ایک دوسرے فاضل نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ محبت کی ابتدا بھی حضور ہیں اور انتہا بھی حضور ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

راقم نے ان دونوں حضرات کو کہا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کہاں گئی؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ''اور ایمان والے ٹوٹ کر اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔

❻ حال ہی میں ایک ماہنامے میں اس عنوان کے ساتھ ایک مقالہ چھپا کہ:
''نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت ہی اللہ کی محبت ہے''۔

یہی وجہ ہے کہ بہت سے حضرات دعا مانگتے ہوئے کہتے ہیں: یا اللہ! ہمیں اپنے حبیب کی محبت عطا فرما'' سوچنے کی بات یہ ہے کہ محبت دل کے میلان اور تعلق خاطر کا نام ہے جو کسی ہستی سے متعلق ہوتا ہے، جب اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو ہستیاں ہیں۔

❶ ایک ہستی واجب الوجود اور دوسری ہستی ممکن الوجود

❷ ایک قدیم اور دوسری حادث

❸ ایک خالق اور دوسری مخلوق،

تو دونوں کی محبت ایک کیسے ہوگئی؟ اس لئے دعا یوں مانگنی چاہیے جس طرح پہلے بزرگ دعا مانگتے تھے: اے اللہ! ہمیں اپنی محبت عطا فرما، اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت عطا فرما، اپنے پیاروں کی محبت عطا فرما اور ان اعمال کی محبت عطا فرما جو ہمیں تیری بارگاہ کا قرب عطا کر دیں۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّکَ وَحُبَّ حَبِیْبِکَ الْکَرِیْمِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَحُبَّ عَمَلٍ یُّقَرِّبُنَا اِلَیْکَ ○

ترجمہ وہی جو پہلے مذکور ہوا۔

پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کی دعا کرتے ہیں بلکہ محبت کے دعویدار ہیں اور یہ نعرہ لگاتے ہیں'' غلامی رسول میں موت

بھی قبول ہے" لیکن ہمیں یہ خبر ہی نہیں کہ محبت کا مطلب کیا ہے؟ محبت یہ ہے کہ محبوب کے ساتھ ایسا تعلق خاطر ہو کہ انسان محبوب کا فرماں بردار ہو، اس کے اشارۂ ابرو پر اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کو تیار ہو، اور محبوب کا سراپا صرف شعور نہیں بلکہ لاشعور میں اس طرح نقش ہو جائے کہ انسان لاشعوری طور پر محبوب کی ایک ایک ادا کو اختیار کر لے، ہم غلامی رسول میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات اور سنتوں کو قبول کرنے پر تیار نہیں موت کیسے قبول کر لیں گے؟

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیْ فِیْ الْجَنَّةِ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ بحوالہ ترمذی شریف) جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

علامہ اقبال اس بات سے خوف زدہ رہتے تھے کہ کہیں میرا نامۂ اعمال نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے نہ کھل جائے، چنانچہ دعا مانگا کرتے تھے:

مکن رسوا حضورِ خواجہ مارا
حسابِ من زچشمِ او نہاں گیر

اے اللہ! مجھے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور رسوانہ فرمانا، میرا حساب آپ کی نگاہوں سے اوجھل ہی لے لینا۔

حالانکہ ہم اُس باخبر اور وسیع العلم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امتی ہیں جن کی بارگاہ میں ہمارے اعمال پیش کیے جاتے ہیں، ہمیں تو ناجائز کام کرتے ہوئے سو مرتبہ یہ سوچنا چاہیے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ بھی دیکھ رہا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی دیکھ رہے ہیں لہذا ہمیں ناجائز کام کے قریب بھی نہیں جانا چاہیے، اللہ تعالیٰ ہمیں گناہوں سے محفوظ رکھے۔

دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک صاحب تازہ تازہ داڑھی منڈوا کر آئے ہیں اور سر پر انگریزی بال رکھے ہوئے ہیں اور ابھی اسٹیج پر نعت پڑھیں گے اور عشق رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مظاہرہ کریں گے۔ حالانکہ عشق سرکار (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا مظاہرہ آدمی کے قول وفعل، رہن سہن اور شکل وصورت سب میں ہونا چاہیے۔

7 ابھی چند دن پہلے ملتان روڈ پر گزر ہوا، عمرے کا بینر لگا ہوا دیکھا اس پر لکھا تھا ''آؤ مدینے چلیں''۔

میں یہ سوچتا رہ گیا کہ عمرہ تو مکہ معظمہ میں کیا جاتا ہے، اس کا نام ہی نہیں لیا گیا، مدینہ منورہ میں تو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ ناز میں ہدیہ صلوٰۃ وسلام پیش کرنے اور شفاعت کی درخواست گزارنے کے لئے حاضری دی جاتی ہے، اس لئے یوں لکھنا چاہیے کہ ''آؤ حرمین شریفین چلیں'' یا ''آؤ مکے مدینے چلیں'' ماضی قریب میں جب آدمی کو کسی کی بات اچھی لگتی تھی تو کہا جاتا تھا ''تری آواز مکے اور مدینے'' یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں حرمین شریفین کی حاضری نصیب فرمائے، لیکن اب ایسے جملے بھی سننے کو نہیں ملتے۔

یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ کوئی شخص سفر حرمین شریفین کے لئے روانہ ہو رہا ہے تو اسے کہا جاتا ہے کہ ''مدینے شریف میں میرے لئے دعا کرنا'' حالانکہ مکہ معظمہ بھی دعا کی قبولیت کے مقامات سے بھرا پڑا ہے تو اس طرح کہنا چاہیے کہ حرمینِ شریفین میں میرے لئے دعا کرنا اور سرکارِ دوعالم شفیع معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اس فقیر حقیر کا نذرانہ صلوٰۃ وسلام پیش کرنا۔

8 ایک محفل میں راقم نے بیان کیا کہ ہماری ہر محفل میں نعت شریف اور آخر میں صلوٰۃ وسلام پڑھنا لازمی خیال کیا جاتا ہے، اگر دعا کر کے محفل برخاست کی جا رہی ہو تو تقاضا کیا جاتا ہے کہ سلام کا ایک ہی شعر پڑھ لیں، ٹھیک ہے نعت بھی

ہونی چاہیے اور صلوٰۃ وسلام بھی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد بھی ہونی چاہیے، کیونکہ مقصود بالذات تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے (الحمدللہ! بہت سے ماہنامے دیکھنے میں آرہے ہیں جن میں ایک صفحے پر حمد اور دوسرے پر نعت دی جارہی ہے)۔

میرے بعد ایک بزرگ تشریف لائے انہوں نے فرمایا کہ شرف صاحب نے جو کچھ کہا ہے وہ ''سبقتِ لسانی'' (یعنی سوچے سمجھے بغیر بات کہہ دی گئی) ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی مقصود ہیں اور نعت شریف بھی اللہ تعالیٰ کی حمد ہے۔

بعد میں راقم نے احباب سے کہا کہ یہ سبقت لسانی نہیں بلکہ سوچی سمجھی رائے ہے، رہا یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی مقصود ہیں تو اس کا انکار نہیں ہے، میرے نزدیک تو استاذ اور پیر ومرشد بھی مقصود ہے، اور وہ اس لئے مقصود ہے کہ ہمیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ تک پہنچادے یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات اور سنتوں سے آراستہ کردے اور حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس لئے مقصود ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک پہنچادیں یعنی ہمیں اللہ تعالیٰ کا بندۂ فرماں بردار بنادیں۔ اللہ تعالیٰ مقصود بالذات ہے کہ اس کے بعد کوئی مقصود نہیں ہے جس تک اللہ تعالیٰ کے ذریعے پہنچا جائے۔

امام احمد رضا بریلوی عرض کرتے ہیں:

اے خدا تجھ تک ہے سب کا منتہیٰ
اولیاء کو اذنِ نصرت کیجئے

قرآن پاک میں ہے:

1. اَدْعُوْا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْO

میں اور میرے پیروکار پوری بصیرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں۔

2. وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًاO

اور اس شخص سے زیادہ حسین بات کس کی ہے جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک کام کیے۔

❸ وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ ۝

اور (ہم نے آپ کو بھیجا) اللہ کی طرف اس کے اذن سے بلانے والا۔

❹ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبَّانِيِّيْنَ ۝

اور کسی انسان کے لائق یہ نہیں کہ اللہ اسے کتاب، حکم اور نبوت عطا فرمائے، پھر وہ لوگوں کو کہے کہ تم میرے بندے بن جاؤ، اللہ کے نہیں، لیکن تم اللہ والے ہو جاؤ۔

ایک دفعہ راقم کی گفتگو اپنے عزیز دوست فاضل علامہ مفتی ہدایت اللہ پسروری مدظلہ العالی مہتمم جامعہ ہدایت القرآن، ممتاز آباد، ملتان سے ہو رہی تھی، وہ فرمانے لگے:

انبیاء بھیجے کس لئے گئے تھے؟

یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کا اصل مقصدِ بعثت ہی اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا ہے، اور یہ بھی ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وسیلے کے بغیر ہمیں اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل نہیں ہو سکتی، تو ان کی محبت، تعظیم و توقیر اور ان کے نقش قدم پر چلنے کے بغیر چارہ نہیں ہے۔

یہ کہنا بھی درست ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت بھی اللہ تعالیٰ کی حمد ہے، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے شاہکار اعظم ہیں اور مخلوق کی تعریف دراصل خالق ہی کی تعریف ہوتی ہے، لیکن حمد کے اور بھی تو کئی انداز ہیں مثلاً آیۃ الکرسی پڑھ لیں، سورۂ حشر کی آخری آیات کی تلاوت کر لیں اسی طرح قرآن پاک کی متعدد آیات ہیں، احادیث مبارکہ میں دعا کا باب پڑھ لیجئے دل و دماغ

روشن ہو جائے گا۔ نعت کے حمد ہونے کا انکار نہیں ہے کہنا یہ ہے کہ صرف نعت پر اکتفا کر لینا درست نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی حمد بھی کرنی چاہیے، علماء اسلام کی تصانیف دیکھ لیجئے ان میں پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد ہے پھر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت اور آپ کے حضور نذرانہ صلوٰۃ وسلام پیش کیا گیا ہے۔ کلمہ طیبہ کو دیکھ لیں اس میں پہلے ''لاالہ الا اللہ'' ہے اس کے بعد ''محمد رسول اللہ'' ہے۔ اسی طرح پہلے نعرۂ تکبیر لگایا جاتا ہے اس کے بعد نعرۂ رسالت بلند کیا جاتا ہے۔

9 کچھ عرصہ پہلے مساجد کے امام دعا کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد اور درود شریف سے اس طرح کیا کرتے تھے:

الحمدللہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی سیدالانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

جب کہ کچھ عرصہ سے یہ معمول دکھائی دے رہا ہے کہ صرف درود شریف پڑھ کر دعا مانگ لی جاتی ہے اور دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد نہیں کی جاتی۔ آخر یہ بے اعتنائی کیوں برتی جاتی ہے۔

افریقہ کا رخ کرنے والی اسلامی افواج کے کمانڈر حضرت عقبہ ابن نافع فہری (۱) تھے ــــــ انہوں نے افریقہ کے بیشتر حصے فتح کر لئے ــــــ اس خطے کے اصل باشندے بَربَر تھے ان کے بہت سے افراد بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے ــــــ اور افریقی ممالک کی فتح میں معاون ثابت ہوئے ــــــ

چونکہ افریقہ میں مسلمانوں کی کوئی مستقل چھاؤنی نہیں تھی جہاں فوج ہمیشہ قیام پزیر رہتی ــــــ اس لئے جب مجاہدین واپس مصر چلے جاتے تو نومسلم بَربَر غیر مسلموں کے فریب میں آ کر سب عہد و پیمان توڑ دیتے ــــــ اور جو مسلمان وہاں موجود ہوتے ان کو ہر طرح سے پریشان کرتے ــــــ حضرت عقبہ نے طویل غور و فکر کے بعد فیصلہ کیا کہ یہاں ایک چھاؤنی بنائی جائے ــــــ جہاں مجاہدین مستقل قیام کریں ــــــ اور سر اُٹھانے والے فتنوں کی فوری طور پر سرکوبی کریں۔

اس مقصد کے لئے جو جگہ آپ نے منتخب کی وہاں گھنے جنگلات تھے ــــــ جن میں موذی جانوروں اور درندوں کی کثرت تھی ــــــ ایسی جگہ انسانوں کا رہنا تو کجا گزرنا بھی خطرات سے خالی نہیں تھا ــــــ مشیروں نے اِن خطرات کی طرف توجہ دلائی تو حضرت عُقبہ نے اس جگہ کو منتخب کرنے کی وجوہ بیان کیں ــــــ مشیروں نے کہا جناب یہ سب وجوہ بجا ہیں، لیکن جنگلی مخلوق سے تحفظ کی کیا صورت ہوگی؟ ــــــ یہاں تو قدم قدم پر خطرناک بچھو اور زہریلے سانپ رینگ رہے ہیں ــــــ جنگل ہاتھیوں، شیروں، چیتوں، ریچھوں اور دوسرے درندوں سے اٹا پڑا ہے ــــــ دنیا کا کوئی بھی دوسرا کمانڈر ہوتا تو وہ اس صورت حال کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ــــــ لیکن حضرت عُقبہ ابن نافع فہری سی

طرح اپنے فیصلے سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہ ہوئے ـــــــ انہوں نے فرمایا چھاؤنی یہیں بنے گی اور ہر صورت بنے گی۔

افریقہ کے باشندے اور ان کے ساتھی یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ حضرت عُقبہ اس لاینحل مسئلے کا حل کیا نکالیں گے؟ ـــــــ ہزاروں افراد اس میٹنگ میں شریک تھے اور یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ حضرت عقبہ اپنے فیصلے کو کس طرح عملی جامہ پہناتے ہیں؟ ـــــــ حضرت عقبہ نے اپنے لشکر میں موجود اٹھارہ صحابۂ کرام کو جمع فرمایا اور جنگل کے باسیوں کو خطاب کرتے ہوئے درج ذیل کلمات ارشاد فرمائے جو تاریخ نے اپنے سینے میں محفوظ کر لئے:

اَیَّتُھَا الْحَشَرَاتُ وَالسِّبَاعُ نَحْنُ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فَارْحَلُوْا فَاِنَّا نَازِلُوْنَ فَمَنْ وَّجَدْنَاہُ بَعْدُ قَتَلْنَاہُ ٥

اے درندو! اور کیڑے مکوڑو! ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابی ہیں ـــــــ ہم اس جگہ قیام کرنا چاہتے ہیں ـــــــ لہٰذا تم یہاں سے کوچ کر جاؤ ـــــــ آج کے بعد جو ہمیں ملا ہم اسے قتل کر دیں گے۔

اس خطاب میں کیا جادو تھا؟ ـــــــ کہ تمام جنگل میں ہلچل مچ گئی ـــــــ کیا شیر، کیا بھیڑیئے کیا چیتے اور کیا سانپ سب گروہ در گروہ اپنے بچوں کو لے کر روانہ ہو گئے ـــــــ یہ ایسا حیرت انگیز منظر تھا جو اس سے پہلے کبھی چشم فلک نے نہیں دیکھا تھا ـــــــ دیکھنے والے اس طرح محوِ حیرت تھے جیسے ان پر سکتہ طاری ہو گیا ہو ـــــــ کسی کو شیر، بھیڑیئے اور سانپ وغیرہ سے خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا کیونکہ ان سب کو تو اپنی جان کی پڑی ہوئی تھی ـــــــ وہی منظر تھا جو قیامِ پاکستان کے وقت ہندوستان سے ہجرت کر کے آنے والوں کا تھا ـــــــ ہر جانور اپنی ہی فکر میں مگن۔

اس علاقے کے اصلی باشندے اور ہر ہر قوم سے تعلق رکھنے والے ہزاروں افراد یہ سب منظر جیتی جاگتی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے ——— اور یہ ممکن نہیں تھا کہ اس ان ہونی بات کو دیکھ کر بھی وہ کفر اور باطل پرستی پر قائم رہتے ——— اسی وقت ہزاروں افراد پورے اخلاص کے ساتھ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

اس جگہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عقبہ کی آواز جنگل کے دور دراز حصوں تک کیسے پہنچ گئی؟ ——— اگر آواز پہنچ ہی گئی تھی تو تمام جانوروں نے ان کی عربی گفتگو کو کس طرح سمجھ لیا؟ ——— اور اگر سمجھ ہی لیا تھا تو وہ اس حکم پر بلا چون و چرا عمل کرنے پر کیسے تیار ہو گئے؟ ——— اور عمل بھی ایسا کیا کہ چالیس سال تک اس علاقے میں کوئی سانپ یا موذی جانور دکھائی نہیں دیا۔

بڑے سے بڑا سائنس دان، فلسفی، ماہر طبعیات، ماہر ارضیات یا ماہر حیوانیات ان سوالوں کا جواب نہیں دے سکتا ——— ان کا جواب صرف بندۂ مومن دے سکتا ہے جس کا ایمان ہے کہ تمام اسباب اور مسببات اور کائنات کا ایک ایک ذرّہ سب سے اعلیٰ اور سب پر غالب ہستی کے حکم کے تابع ہے ——— اور جو بندہ دل و جان سے اس کے حکم کا تابع ہو جائے کائنات اس کے تابع ہو جاتی ہے ——— ارشاد ربانی ہے:

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (محمد ۴۷/۷)

اگر تم اللہ کے دین کی امداد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری امداد فرمائے گا اور تمہیں ثابت قدمی عطا فرمائے گا۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے:

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (آلِ عمران ۳/۱۳۹)

تم ہی سر بلند ہو اگر تم صاحب ایمان ہو۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظر کیمیا اثر کی بدولت تزکیۂ نفس کی تمام منزلیں طے کر چکے تھے ـــــ اور نفسانی خواہشات ورذائل سے پاک ہو چکے تھے اس لئے زبان ان کی ہوتی تھی اور حکم اللہ تعالیٰ کا ہوتا تھا ـــــ مولانا رومی فرماتے ہیں:

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود   گرچہ از حُلقوم عبداللہ بود

ان کی بات اللہ تعالیٰ کی بات ہوتی ہے، اگرچہ بندے کے منہ سے صادر ہوتی ہے۔

یہ ۵۰ھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲) کے دور حکومت کا واقعہ ہے، جب صحابۂ کرام نے مغربی افریقہ کے مشہور شہر قیروان کی بنیاد رکھی ۔ یہ شہر عرصۂ دراز تک افریقہ کا دارالحکومت رہا ـــــ افریقہ کا گورنر یہیں رہتا تھا ـــــ اسی لئے یہ شہر اسلامی شان وشوکت کی زندہ یادگار تھا ـــــ ایک عرصہ تک مغربی افریقہ میں اس سے بڑا کوئی شہر نہ تھا۔

ماء الفرس (گھوڑے کا چشمہ)

افریقہ ہی کے ایک سفر میں حضرت عقبہ نے اپنے لشکر سمیت ایک جگہ قیام کیا ـــــ جہاں دور دور تک پانی کا نام ونشان نہ تھا ـــــ مجاہدین پر پیاس کا اس قدر غلبہ ہوا کہ خطرہ محسوس کیا گیا کہ اگر پانی نہ ملا تو سب ہلاک ہو جائیں گے ـــــ حضرت عقبہ اس صورتِ حال سے پریشان ہو گئے ـــــ اور شدید اضطراب کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گئے ـــــ جو کہ مسلمانوں کی اصلی علامت اور خصوصیت ہے ـــــ دو رکعت نماز ادا کر کے پورے خشوع وخضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی ـــــ ابھی آپ دعا سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ آپ کے گھوڑے نے زمین پر سُم مارنا شروع کیا

——— دیکھتے ہی دیکھتے ایک پتھر سے میٹھے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا ——— تمام مجاہدین اس چشمے پر ٹوٹ پڑے اور سب نے پیٹ بھر کر پانی پیا ——— اس دن سے اس جگہ کا نام **"ماء الفرس"** (گھوڑے کا چشمہ) پڑ گیا۔

یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کے مشابہ ہے ——— وہ پتھر پر عصا مارتے تھے تو اس میں سے چشمہ جاری ہو جاتا ——— یہاں حضرت عقبہ کے گھوڑے نے پتھر پر سُم مارا تو اس میں سے چشمۂ آبِ شیریں ابل پڑا ——— وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا ——— یہ حضرت عقبہ کی کرامت تھی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)(۱)

تبصرہ:

(۱) حضرت عقبہ ابن رافع فہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تابعی ہیں ——— جب بارگاہِ خداوندی میں ان کا یہ مقام ہے تو ان کے اور ہم سب کے آقا و مولا حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کیا مقام ہوگا؟ ——— حضرت موسیٰ کے عصا مارنے سے پتھر سے چشمے جاری ہو جاتے تھے ——— یہ بے شک عظیم معجزہ تھا ——— تاہم پتھروں سے تو چشمے جاری ہوتے ہی رہتے ہیں ——— اللہ تعالیٰ کے حبیب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معجزہ یہ تھا کہ آپ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے اور سینکڑوں صحابہ اس سے فیض یاب ہوئے، جبکہ انگلیوں سے پانی نکلنے کی کوئی مثال نہیں ہے ——— امام احمد رضا بریلوی کہتے ہیں:

پنجۂ مہرِ عرب ہے جس سے دریا بہہ گئے
چشمۂ خورشید میں تو نام کو بھی نم نہیں

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

(۱) ماخوذ از ماہنامہ القاسم شمارہ شعبان المعظم ۱۳۲۹ھ (شائع شدہ از مدرسہ اسلامیہ دیوبند) بعنوان "دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا" ص ۸۔۳

(۲) تاریخ اسلام کے ابتدائی دور میں مجاہدین جس طرف بھی رخ کرتے تھے فتح وکامرانی ان کا استقبال کرتی تھی —— آج پچاس سے زیادہ اسلامی ممالک ہونے کے باوجود آسمان سے جو بلا نازل ہوتی ہے، وہ زمین تک پہنچنے سے پہلے پوچھتی ہے کہ مسلمانوں کا گھر کونسا ہے؟ —— کفر کی طاغوتی طاقتیں جسے چاہتی ہیں روند ڈالتی ہیں —— مسلمانوں کا نہ کوئی پُرسانِ حال ہے اور نہ نوحہ خواں —— وجہ کیا ہے؟ یہی ناں کہ:

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہوکر
اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

شیخ سعدی فرماتے ہیں:

توہم گردن از حکمِ داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد زحکم تو ہیچ

تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے گردن نہ پھیر، کائنات کی کوئی چیز تیرے حکم سے سر نہیں پھیرے گی۔

کاش اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مہاتیر محمد ایسے دو چار بیدار مغز، باشعور اور جرأت مند لیڈر عطا فرمادے —— جو تمام مسلم اُمّہ کو ایک پلیٹ فارم اور ایک پروگرام پر جمع کر دیں۔

---

(۱) حضرت عقبہ ابن نافع ابن عبدالقیس، عامر بن فہر کی اولاد میں سے اور قریش فہری تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانِ مبارک میں پیدا ہوئے، لیکن ان کے لئے شرفِ صحابیت ثابت نہیں، وہ حضرت عمرو بن العاص کے (ماں کی طرف سے) بھائی تھے، جب حضرت عمرو ابن العاص مصر کے گورنر تھے تو انہوں نے ہی حضرت عقبہ کو افریقہ کا گورنر بنایا تھا۔

حضرت عقبہ نے ''قیروان'' شہر بنایا، یہ حضرت معاویہ کے زمانے کی بات ہے اور تین سال وہاں قیام کیا ۶۳ھ میں ''السوس الاقصیٰ'' کے غزوہ کے بعد شہید ہوئے، کسیلہ ابن لمرم نے انہیں شہید کیا، پھر اسی سال یا اس سے اگلے سال زہیر بن قیس بلوی نے کسیلہ کو قتل کر دیا۔

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ از ابن اثیر (دار الشعب) ۴/۶۰-۵۹

(۲) حضرت امیر معاویہ کے والد ابو سفیان ہیں جن کا نام صخر بن حرب بن امیہ ابن عبد شمس بن عبد مناف قرشی اموی ہے، امیر معاویہ کی والدہ کا نام ھند بنت عتبہ ہے، وہ اپنے والدین اور بھائی یزید کے ساتھ فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے، امیر معاویہ فرمایا کرتے تھے کہ میں عمرۃ القضاء (۷ھ) کے موقع پر ایمان لے آیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات بھی کی تھی، لیکن والدین کے سامنے اسلام ظاہر نہ کیا۔

غزوۂ حنین میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر رہے، آپ نے ہوازن کے مالِ غنیمت میں سے انہیں ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔

جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام کی طرف لشکر بھیجے تو امیر معاویہ اپنے بھائی یزید کے ساتھ ہی گئے، وہ شام کے ایک حصے کے گورنر تھے، یزید نے اپنی وفات سے پہلے انہیں گورنر بنا دیا، جس کی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے توثیق فرمائی۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ معاویہ فقیہ (مجتہد) ہیں۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد امیر معاویہ سے زیادہ سخی نہیں دیکھا، انہیں کہا گیا کہ حضرت ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا: اللہ کی قسم! یہ حضرات امیر معاویہ سے بہتر اور افضل تھے، لیکن امیر معاویہ سخی زیادہ تھے۔

جب حضرت عمر بن خطاب شام گئے اور امیر معاویہ کو دیکھا تو فرمایا: یہ عرب کے کسریٰ ہیں۔

حضرت عثمان غنی نے انہیں پورے شام کا گورنر بنا دیا، یہاں تک کہ حضرت عثمان غنی شہید کر دیے گئے، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی انہوں نے بیعت نہیں کی، ان کا مطالبہ یہ تھا کہ پہلے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصاص لیا جائے، اسی سلسلے میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ''جنگِ صفین'' ہوئی۔

ان کی شہادت کے بعد حضرت امیر معاویہ لشکر لے کر عراق کی طرف روانہ ہوئے، دوسری طرف امام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی لشکر لے کر ان کی جانب روانہ ہوئے، جنگ چھڑنے ہی والی تھی کہ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ دیکھ کر کہ مقابلہ سخت ہے اور دونوں طرف مسلمانوں ہی کا خون بہایا جائے گا اور اہل عراق میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، ایک تاریخی فیصلہ کیا کہ اقتدار حضرت امیر معاویہ کے سپرد کر دیا اور خود مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ امیر معاویہ کوفہ تشریف لائے اور وہاں کے لوگوں نے بھی آپ کی بیعت کی اور ان پر متفق ہو گئے، اس لئے اس سال کا نام ہی ''عام الجماعۃ'' (اجتماعیت کا سال) رکھ دیا گیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیس سال امیر اور بیس سال خلیفہ رہے۔ ۱۵؍رجب ۶۰ھ اور ایک قول کے مطابق ۲۲؍رجب ۵۹ھ کو ان کی رحلت ہوئی۔ اصح یہ ہے کہ ۶۰ھ میں وفات ہوئی۔

حضرت امیر معاویہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ اگر تمہیں والی (حاکم) بنا دیا گیا تو احسان سے کام لینا، اس دن سے مجھے خلافت کی امید تھی۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں اپنی قمیص مبارک عطا فرمائی تھی نیز آپ کے ناخنوں کے تراشے بھی ان کے پاس تھے، انہوں نے وصیت کی کہ مجھے اس قمیص میں کفن دینا اور وہ قمیص میرے جسم کے ساتھ متصل رکھنا اور مقدس ناخنوں کے تراشے پیس کر میری آنکھوں اور منہ میں ڈال کر مجھے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حوالے کر دینا۔ (ابن الاثیر: اسد الغابۃ (دار الشعب) ۵/۱۰-۲۰۹)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابی، کاتب وحی اور نسبتی بھائی تھے، ان کی بہن حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ام المومنین ہیں، آج سے کچھ عرصہ پہلے ۲۲؍رجب کو ''کونڈوں کا ختم'' دلانے کا بہت رواج تھا، کہا جاتا ہے کہ ۱۹۰۶ء میں لکھنؤ کے شیعوں نے ''امیر شام'' یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کی خوشی میں اس ختم کا اہتمام کیا تھا۔ اہل سنت و جماعت اگر اس تاریخ کو ختم دلائیں اور صحابہ و اہل بیت کے لئے عموماً اور حضرت امام جعفر صادق اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لئے ایصالِ ثواب کریں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ شرف قادری

مولانا احمد رضا خان اور احترامِ استاذ

تحریر: ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

ہر جسمِ متحرک خواہ مشین ہو، حیوان ہو یا انسان لیور یعنی جگر کے بغیر نہ تو اس کا وجود ہے، نہ عمل ہے، اور نہ بقاء ہے، ان اجسام متحرکہ میں سے کوئی بھی اگر لیور (Liver) سے محروم ہو جائے تو زندگی، عمل اور وجود سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دنیا کی ہر تنظیم اور ہر نظام بھی اسی اصول کے تابع ہے۔ تنظیم میں کوئی نہ کوئی ہستی اس لیور اور جگر کا کردار ادا کرتی ہے۔ اگر وہ معدوم ہو جائے تو تنظیم بیکار اور عملی کردار سے محروم ہو جاتی ہے، دنیا کے ہر نظام کا بھی یہی عالم ہے اور اس کی بہترین مثال نظام تعلیم ہے۔ ہر قوم اور ہر ملک کے نظامِ تعلیم کا لیور اور جگر استاذ ہے، اگر کسی نظامِ تعلیم کا یہ پرزہ ناکارہ ہو جائے اور اپنی افادیت و تاثر سے عاری ہو جائے تو نظام کی ہیئت ترکیبی ایک بے جان جسم اور قوت عمل سے محروم نظام قرار پائے گا۔

بات دراصل یہ ہے کہ تعلیم و تدریس موزوں و متوازن مرکب اینٹوں یا خوبصورت جڑے ہوئے پتھروں کی خوشنما عمارت سے وابستہ نہیں، بلکہ تعلیم اور تدریس کا کام تو سرے سے عمارت کا محتاج ہی نہیں ہوتا کسی بھی گھنے سایہ دار درخت سبزے اور فرش خاکی سے بھی یہ کام لیا جا سکتا ہے، دنیا کی تاریخ میں آپ نے کئی ایک ایسی درسگاہوں کے نام پڑھے اور سنے ہوں گے جو ایک درخت کے زیرِ سایہ شروع ہوئیں! اسی طرح کتابوں اور پوتھیوں سے بھی بے نیاز رہا جا سکتا ہے، لیکن ایک وجود ایسا ہے جس کے بغیر تعلیم و تدریس کا تصور بھی ناممکن ہے اور وہ ایک استاذ کی ہستی ہے۔ بلکہ تعلیم و تدریس کا نام ہی استاذ کا ہے، ایک اچھی عمارت کے بغیر اچھی تعلیم ممکن ہے اسی طرح اچھی کتاب اور اچھے نصاب کے بغیر بھی اچھی تعلیم ممکن ہو سکتی ہے مگر ایک اچھے استاذ کے بغیر اچھی تعلیم قطعی

ناممکن ہے، چنانچہ ایک برا استاذ ایک اچھی کتاب سے اچھے نتاج کبھی پیدا نہیں کر سکتا، مگر ایک اچھا استاذ خراب نصاب اور بری کتاب سے بھی اچھے نتائج پیدا کر سکتا ہے۔ یوں استاذ کو نصاب تعلیم کے ساتھ ساتھ نظامِ تعلیم میں کلیدی کردار حاصل ہے، معلم و مدرس یا استاذ تعلیم کے میدان میں وہی مرتبہ اور مقام رکھتا ہے جو روح کو جسم میں اور انبیائے کرام کو اصلاحِ انسانیت کے کام میں نصیب ہوا ہے، تعلیمِ انسانیت دراصل انبیائے کرام کا کام ہے جو استاذ کو ورثے میں ملا ہے۔ بلکہ یہ مرتبہ و مقام تو وہ ہے جو اپنے اندر رحمتِ الٰہیہ کا عکس اور مصطفوی ﷺ کردار کی رونق کا حامل بھی ہے۔ وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا (اور اللہ تعالیٰ نے تمام نام آدم علیہ السلام کو سکھلا دئے) کی رُو سے اللہ جل شانہٗ آدم علیہ السلام کو تعلیم دینے والے ہوئے اور بلاشبہہ اللہ جل شانہٗ اپنے تمام نبیوں اور رسولوں کو تعلیم و ہدایت عطا فرمانے والے ہیں۔ ہمارے سید و مولا مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو صاف لفظوں میں اپنی بعثت کا مقصد یوں بیان فرمایا کہ: اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا (مجھے معلم بنا کر مبعوث کیا گیا ہے) غرض صرف یہ کرنا ہے کہ اسلامی تعلیمات میں استاذ کا مرتبہ و احترام معاشرے کے تمام انسانوں سے بلند و برتر ہے۔ اسلامی تعلیم کی تاریخ میں ہمیشہ استاذ کے اس مقام و احترام کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے اور اسی روش نے امت میں ایسے ایسے بلند مرتبہ اساتذہ کرام کو وجود عطا کیا ہے جن کے احترام کے لیے آج بھی گردنیں جھکتی اور سرنگوں ہو جاتے ہیں، امت مسلم نے استاذ کو وہی مرتبہ دیا ہے جو کوئی نیک اولاد اپنے والد گرامی کو دے سکتی ہے۔ خلفاء، بادشاہوں اور حاکموں کی اولاد اپنے اساتذہ کی جوتیاں سیدھی کرنے میں فخر محسوس کرتی رہی ہے، مصر کے عظیم و جلیل قومی شاعر احمد شوقی نے اسی لئے یہ تلقین کر کے بات ہی ختم کر دی ہے کہ:

قم للمعلم ووفه تبجيلا — كادالمعلم ان يكون رسولا!

یعنی اٹھو اپنے استاذ کے لیے اور اسے پورا پورا احترام دو کیونکہ استاذ تو رسول کے

مرتبے کے قریب قریب پہنچ جاتا ہے۔

اسلام میں استاذ کے اس احترام اور نظامِ تعلیم میں معلم کے اس کردار کے پیشِ نظر مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سعدی و اقبال کا قلندرانہ مقام رکھنے والے شاعر بے مثل اور عالم بے بدل حضرت مولانا احمد رضا خان رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو تعلیمی نظریات ہمیں عطا فرمائے ہیں ان میں احترام استاذ کو تمام باتوں پر فوقیت حاصل ہے اور اسی پہلو پر سب سے زیادہ توجہ مبذول فرمائی گئی ہے۔

فتاویٰ رضویہ کی طباعت و اشاعت نہ صرف یہ کہ فاضل بریلوی کے علم و فضل اور جدید و قدیم فکر کی رہنمائی کے لیے ان کی طبع فیاض پر شاہد عدل ہیں بلکہ اسلامی علوم کا ایک انسائیکلوپیڈیا ہے جو ہر موضوع کے متعلق تسلی بخش اور مفید معلومات مہیا کرتا ہے، اگر ان فتاویٰ کی شناوری و غواصی کا شرف حاصل ہو جائے تو بے شمار اور بے بہا گوہر ہائے گراں مایہ میسر آتے ہیں، ان کے تعلیمی افکار پر بھی ایک وسیع و مفید کام ہوسکتا ہے، احترامِ استاذ کے حوالے سے ایک جگہ لکھا ہے:

''امیر المؤمنین علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم می آرند کہ فرمود من علّمنی حرفًا فقد صیّرنی عبدا ان شاء باع و ان شاء اعتق ہر کہ مرا حرفے آموخت پس بہ تحقیق مرا بندۂ خود ساخت، اگر خواہد فروشد و اگر خواہد آزاد کند!''

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا یہ فرمانا کہ انسان کو اگر کوئی ایک حرف بھی سکھلاتا ہے تو وہ اسے گویا اپنا غلام بنالیتا ہے — دراصل معلم و مدرس کے مقام بلند و برتر کی حقیقت کو عیاں کرتا ہے جو اسلامی تعلیمات کی روح سے استاذ کو نصیب ہوتی ہے۔ ہمارے نظامِ تعلیم میں جو ابتری نظر آتی ہے وہ اسی حقیقت کو فراموش کرنے کا نتیجہ ہے، استاذ کو جب تک اس کا کھویا ہوا مقام میسر نہیں آتا جو اسلامی تاریخ کے زریں ادوار علم و فضل کا طرۂ امتیاز تھا، اس

وقت تک ہمیں وہ مرتبہ و مقام نصیب نہیں ہو سکتا جو مسلمان قوم کی شان تھی اور جو آج کے دور میں زندہ اقوام کی شان ہے، ہمارے دورِ زوال اور عہدِ غلامی نے ہماری اس روایت کو ہمارے کردار سے اس طرح محو کر دیا ہے جس طرح کوئی روشنائی مٹانے والی دوا سے حرف غلط کو محو کر دیتا ہے۔ ہمارا مستقبل اسی وقت محفوظ و مصؤن اور روشن و تاباں ہو سکتا ہے جب ہم اپنی اس روایت کو ایک دفعہ پھر اسی طرح زندہ کر دیں جس طرح کبھی وہ مدینہ و دمشق، (کوفہ و قاھرہ) بغداد و قرطبہ اور دلی و لاہور میں زندہ تابندہ تھی، ہمیں اپنے استاذ کو وہی احترام دینا ہے جو اسے ہمارے دینِ متین، ہمارے اسلاف اور ہماری شاندار تاریخ نے عطا کیا ہے، استاذ ہی قومیں بناتے اور تعمیر و ترقی کے بامِ عروج تک پہنچاتے ہیں۔ یہی کچھ ہمیں فتاویٰ رضویہ اور حضرت امام (احمد رضا) کی دیگر تصانیف سے میسر آتا ہے، حضرت ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''ناسپاسیٔ استاذ کہ بلائیے است ھائل و دائیے است قاتل، و برکات علم را مُزِیل و مُبطِل، العیاذ باللّٰہ!''

استاذ کی ناشکری ایک ہولناک آفت ہے ایک مہلک بیماری ہے اور برکات علم کو زائل و باطل بنا دینے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔''

احسان مندی و شکر گزاری ایک نعمت ہے جبکہ ناشکری و احسان فراموشی ایک لعنت ہے، مگر جب یہ استاذ کے حوالے سے ہو تو پھر تو اس کے وبال اور بربادی کی کوئی حد ہی نہیں ہے، افراد و اقوام اپنے بنانے والوں کو اگر بھول جائیں تو گم ہو جاتی ہیں، بالکل جیسے بے رنگ کا کوئی مالک اور راستہ پتہ نہیں ہوتا اسی طرح ان کی منزل بھی گم ہو جاتی ہے اور وہ راستوں کی خاک میں ہی نیست و نابود ہو جاتی ہیں۔

ایک اور مقام پر ایک حدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استشہاد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اپنے استاد بلکہ شاگردوں کے لیے بھی تواضع کا حدیث میں حکم ہے:

"تَوَاضَعُوْا لِمَنْ تَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُ وَتَوَاضَعُوْا لِمَنْ تُعَلِّمُوْنَهٗ وَلَا تَكُوْنُوْا جَبَابِرَةَ الْعُلَمَاءِ " کہ جس سے علم سیکھو اس سے بھی تواضع سے پیش آؤ اور جسے سکھلاتے ہو اس کے لیے بھی تواضع سے کام لو اور سرکش عالم مت بنو!"

استاذ وہ انجینئر ہے جو انسان سازی کرتا ہے، انسانوں کی سیرت سازی کرتا ہے اور اپنے شاگردوں کے لیے تعمیر شخصیت کا کردار ادا کرتا ہے، اس لیے ہمیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ جس انسان ساز کو ہم اپنا لخت جگر سیرت سازی کے لیے پیش کر رہے ہیں وہ کس صلاحیت کا مالک ہے؟ اور جس نے ہمارے بچوں کی تعمیر شخصیت کا فریضہ بہترین انداز میں انجام دیا ہے اس کے مرتبہ اور احترام کو ہر حال میں پیش نظر رکھیں، یہی ہے نشان زندہ قوموں کا اور اسی نے ہماری ہستی ہماری زندگی اور ہمارے عملی کردار کی تشکیل کرنا ہے!

(بشکریہ ماہنامہ نوائے اساتذہ، لاہور/فیصل آباد۔ شمارہ ستمبر اکتوبر ۲۰۰۳ء)

جناب طارق سلطانپوری
کی تخریج کردہ تاریخیں

۷۸۶
۹۲

کتابِ مُستطاب ''سدا بہار خوشبوئیں'' (ترجمہ)
مُصنّف: شیخ محمد صالح فرفور، دمشق
مُترجم: حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری، لاہور

صفحات: ۲۶۶
بہ الفاظ بحساب ابجد
''مہک چمنِ حق''
''واہ حسین گل ہائے اَدب ومَجد''

تعداد: ۵۰۰
بہ الفاظ بحساب ابجد
''محمود دگلو ارِ اہلِ حق''

سالِ اشاعت: ۱۴۲۴ھ
بہ الفاظ بحساب ابجد
''زیبِ بزمِ مدینہ، سدا بہار خوشبوئیں''
''حدائقِ تصوّف وطریقت''

سالِ اشاعت: ۲۰۰۳ء
بہ الفاظ بحساب ابجد
''جاوداں فیضِ خیرُ الوَرا''
''زیبا باغِ شریعت''

قطعۂ تاریخ (سالِ اشاعت)

اک سجایا چمن حکمت و علم کا
کام ہے یہ شرف قادری کا بڑا
آشنا ہم کو فِکرِ عرب ہے کیا
کیا خزانہ ہے جو ہم سے پوشیدہ تھا
اِس بہیں کنزِ مخفی کے اظہار کا
سال ہے ''جاوداں فیضِ خیر الورا''
۲۰۰۳ء

ہدیۂ اخلاص منجانب
ناچیز! طارق سلطانپوری، حسن ابدال

کتابِ مُستطاب ''**ولولہ انگیز خُوشبوئیں**'' (ترجمہ)

مصنّف: حضرت شیخ محمد صالح فرفور (دمشق)

مترجم: حضرت علامہ محمدّ عبدالحکیم شرف قادری زید مجدہٗ

سالِ اشاعت: ۲۰۰۴ء

: ۱۴۲۵ھ

''طیبِ باغِ شریعت''

۲۰۰۴ء

''نقشِ یُمنِ عرفان وحِکمت''

۱۴۲۵ھ

●

قادری جس کا مُبارک نام ہے عبدُ الحکیم
آج اپنی ذات میں اک انجمن ہے واقعی
وہ جہانِ خامہ و قرطاس میں ہے نام ور
اُس کی عِلم وفِکر کی دُنیا میں شہرت ہے بڑی
مَعدنِ فہم و فراست ، معرفت کی کان کا
ایک ہیرا جس کی آرائش یَدِ قُدرت نے کی
وہ حدیثِ مُصطفیٰ کا بھی ہے عالم مُعتبر
وہ مُعلّم اور قاسم حکمت قرآں کا بھی
بزمِ عالم میں وہ اک عرصہ سے با اخلاصِ تام
عِلم کی ، تحقیق کی ، پھیلا رہا ہے روشنی
اُس نے خوشبوئیں بکھیری ہیں بہ حُسنِ اہتمام
عِشق کی صدق و صفا کی فقر کی عِرفان کی
ایسی خُوشبوئیں ،خزاں نا آشنا جن کی بہار
ولولہ انگیز و جذبہ خیز ہیں جو دائمی

●

تازہ شہکارِ قلم ہے قادری کا، یہ کتاب
مستحقِ تحسین کی بے شک ہے اِس کی دل کشی
حضرت فرفورصالح وَرْدِ(۱) باغِ غوث پاک
اُن کے افکارومعارف کی ہے یہ صُورت گری
اَصل کا جس پر گماں ہوتا ہے ایسا ترجمہ
دل رُباوہ نثر، جس پر شیفتہ ہے شاعری

●

اُن کی ہے دُنیائے علم و معرفت احسان مند
اُن کا ممنون عنایت ہے جہانِ آگہی
اِس کتابِ حکمت و عرفان کی تاریخِ طبع
مَیں نے طارق "مَظہرِ اَوصافِ اہلُ اللہ" کہی
۱۴۲۵ھ

۲۰۰۴-۲-۲۵ طارق سلطانپوری

(۱) وَرد: گلاب کا پھول